آئینہ مذہبِ شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول وقواعد
اور
عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاري

ترجمہ

حافظ ابوالحسنین الاثری

مکتبۃ آل البیت کراچی

❁ اس عقیدے پر تبصرہ وتنقید: 1004

چوتھا باب

❁ معاصر شیعہ اوران کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق................................. 1007
❁ معاصر شیعہ اوران کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق................................. 1009
❁ ابتدائیہ: 1009
❁ **پہلی فصل**: مصادرِ تلقی (حصولِ معرفت) میں تعلق.............................. 1010
❁ **دوسری فصل**:قدیم فرقوں کے ساتھ معاصر شیعہ کا تعلق........................ 1015
❁ **تیسری فصل**:شیعہ قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی تعلق................ 1021
❁ معاصرین کا کتاب اللہ کے متعلق عقیدہ 1023
❁ پہلا محور: 1023
❁ دوسرا محور: 1023
❁ پہلا محور: 1023
❁ ① شیعہ معاصرین کا اپنی کتابوں میں اس کے وجود کا صاف انکار: 1024
❁ نقد وتبصرہ: 1025
❁ ② اس کے وجود کا اعتراف اور اس کو جواز مہیا کرنے کی کوشش: 1028
❁ نقد وتبصرہ: 1029
❁ ③ اس کفر کا علانیہ اظہار اور استدلال: 1035
❁ پہلا شبہہ: 1047
❁ جواب: 1047
❁ دوسرا شبہہ: 1049
❁ جواب: 1050
❁ تیسرا شبہہ: 1052
❁ جواب: 1052

- چوتھا شبہ: 1055
- جواب: 1055
- پانچواں اور چھٹا شبہ: 1057
- ساتواں شبہ: 1060
- جواب: 1061
- آٹھوں شبہ: 1066
- جواب: 1066
- نواں شبہ: 1068
- جواب: 1068
- دسواں شبہ: 1070
- گیارھواں شبہ: 1072
- جواب: 1072
- بارھواں شبہ: 1074
- جواب: 1074
- ④ ظاہری طور پر اس کذب بیانی کا انکار، لیکن خفیہ اور مکارانہ طریقوں سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش: 1086
- دوسرا محور؛ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تاویل وتفسیر میں معاصرین کا رجحان: 1091
- شیعہ معاصرین کے نزدیک سنت: 1099
- شیعہ معاصرین کے نزدیک اجماع: 1103
- اصولِ دین کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ: 1103
- امامت 1116
- پہلا مسئلہ؛ امامت اور شیعہ کے دیگر اصول وعقائد کے منکر مسلمانوں کی تکفیر کے متعلق معاصرین کا موقف: 1116
- دوسرا مسئلہ؛ اسلامی حکومتوں کے متعلق شیعہ کا موقف: 1122

۞ تیسرا مسئلہ؛ معاصرین کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق موقف:.. 1128
۞ نقد وتبصرہ:.. 1135
۞ روافض کی صحابہ کرام کی تعریف کی حقیقت:.. 1147
۞ شیعہ معاصرین کا نظریۂ عصمت:.. 1149
۞ شیعہ معاصرین کا نظریۂ رجعت:.. 1152
۞ شیعہ معاصرین کا نظریۂ تقیہ:.. 1156
۞ شیعہ علما اپنے پیروکاروں کے ساتھ بھی تقیے کے روپ میں پیش آتے ہیں:........................ 1171

چوتھی فصل: ''آیات'' کی سلطنت وحکومت 1175

۞ پہلا سبب:.. 1175
۞ دوسرا سبب:.. 1175
۞ جدید شیعہ ریاست کے بانی کے افکار 1178
۞ ① بت پرستانہ رجحان:.. 1178
۞ انسان کی حرکت وعمل پر کواکب اور ایام کی تاثیر کا عقیدہ:... 1181
۞ خمینی کے نزدیک شرک کی حقیقت:... 1181
۞ ② تصوف میں غلو یا حلول واتحاد، یعنی وحدت الوجود کا نظریہ:..................................... 1182
۞ ① حلول خاص کا نظریہ:.. 1182
۞ ② حلول اور کلی وحدت الوجود کا نظریہ:... 1184
۞ ③ نبوت کا دعویٰ:... 1185
۞ ④ رافضیت میں غلو:.. 1188
۞ ⑤ خمینی کا ولایت فقیہ کی عمومیت کا نظریہ:.. 1197
۞ بعض شیعہ علما کی خمینی کے ولایتِ فقیہ کے مذہب کی مخالفت:.................................... 1208
۞ آیات کی ریاست کا دستور:.. 1210

پانچواں باب

❁ **عالم اسلام پر شیعہ کے اثرات** 1215
❁ **پہلی فصل: عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات** 1217
❁ اعتقادی اور نظریاتی میدان 1219
❁ امت محمدیہ ﷺ میں شرک کو پیدا کرنا: 1219
❁ اللہ کے دین سے روکنا: 1219
❁ الحاد و زندیقیت کے فرقوں کا ظہور: 1222
❁ مسلمانوں کو نبی مکرم ﷺ کی سنت سے گمراہ کرنے کی کوشش: 1222
❁ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ظاہری طور پر شیعہ کا اہلِ سنت کے مذہب میں داخل ہونا: 1224
❁ عالمِ اسلام میں رافضیت کی اشاعت: 1228
❁ بعض نام نہاد اہلِ سنت مفکرین اور ادبا کے ہاں رافضی رجحان کا ظہور: 1233
❁ مسلمانوں کی تاریخ مسخ کرنا: 1236
❁ عربی ادب پر شیعہ کے اثرات: 1238
❁ سیاسی میدان 1241
❁ ① ابن علقمی رافضی کی سازش: 1246
❁ ② صفوی سلطنت: 1251
❁ معاشرتی میدان 1255
❁ شیعہ کا مسلمانوں کے ساتھ تعلق: 1255
❁ داخلی فتنے: 1261
❁ اباحیت: 1263
❁ معاشی میدان 1267
❁ ایک خطرناک فیصلہ سماعت فرمائیں: 1267
❁ **دوسری فصل: شیعہ کا حکم** 1275

⊙ **پہلی بحث**: یہ بدعتی ہیں، کافر نہیں 1276

⊙ **دوسری بحث**: شیعہ کی تکفیر کا موقف 1277

❁ ① امام مالک رحمہ اللہ: 1277

❁ ② امام احمد رحمہ اللہ: 1278

❁ ③ امام بخاری (التوفی ۲۵۶ھ): 1280

❁ ④ عبداللہ بن ادریس: 1280

❁ ⑤ عبدالرحمٰن بن مہدی: 1281

❁ ⑥ الفریابی: 1281

❁ ⑦ احمد بن یونس: 1281

❁ ⑧ ابو زرعہ رازی: 1282

❁ ⑨ ابن قتیبہ: 1282

❁ ⑩ عبدالقاہر بغدادی: 1282

❁ ⑪ قاضی ابویعلی: 1283

❁ ⑫ ابن حزم: 1283

❁ ⑬ الاسفرائینی: 1284

❁ ⑭ ابو حامد غزالی: 1285

❁ ⑮ قاضی عیاض: 1286

❁ ⑯ سمعانی (التوفی: ۵۶۲ھ): 1287

❁ ⑰ رازی: 1287

❁ ⑱ ابن تیمیہ: 1288

❁ رافضہ کو مغلوب کرنے کے بعد ان کے متعلق شیخ الاسلام کا فتویٰ: 1290

❁ ⑲ ابن کثیر: 1291

❁ ⑳ ابو حامد المقدسی: 1292

❁ ㉑ ابو المحاسن یوسف الواسطی: 1292

❁ ㉒ علی بن سلطان بن محمد القاری: 1293

❁ ㉓ محمد بن عبدالوہاب: 1294

❁ ㉔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ: 1296

❁ ㉕ محمد بن علی شوکانی: 1296

❁ سلطنتِ عثمانیہ کے علما و شیوخ: 1298

❁ ما وراء النہر کے علما: 1298

❁ چند ضروری امور: 1299

❁ خاتمہ 1301

❁❀❁❀

WWW.SUNNILIBRARY.COM

دفاع صحابہ و رد رافضیت

علماء اہل سنت کی تحقیقی کتب

جو رد رافضیت اور دفاع اہل سنت کے موضوع

پر تصنیف کی گئی ہیں فری آن لائین پڑھیں

اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

چوتھا باب

معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

① مصادرِ تلقی (حصولِ معرفت) میں تعلق۔

② قدیم فرقوں کے ساتھ شیعہ کا تعلق۔

③ شیعہ قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی تعلق۔

④ آیات کی سلطنت۔

معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق

ابتدائیہ:

اس باب میں مَیں ۔ان شاء اللہ۔ معاصر شیعہ کا مذہب زیرِ بحث لاؤں گا، اس لیے آپ کو اس میں صرف ان معاصرین کا کلام ملے گا، بہ جز اس کے جس کا تذکرہ ان کے بعض اقوال پر بحث کے ضمن میں آ جائے۔ معاصرین (ہم عصر) سے میری مراد وہ ہیں، جو ہمارے اس زمانے کی آخری صدی میں ہوئے ہیں۔

میں یہ وضاحت کروں گا کہ یہ لوگ کس حد تک اپنے پرانے مصادر سے اتفاق رکھتے ہیں، جن میں یہ تمام آفات ذکر ہوئی ہیں، جن کا مختصراً ذکر اس کتاب میں ہوا ہے۔

نیز میں یہ بھی بیان کروں گا کہ ان کا پرانے شیعہ فرقوں کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق ہے۔ کیا یہ رضامندی اور ان کو قبول کرنے کا تعلق ہے یا انکار کا تعلق ہے۔ اس کے بعد ان کی چند ایک اعتقادی آرا کی بھی وضاحت کروں گا، تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ کیا عصرِ حاضر میں اثنا عشری مذہب میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے کہ نہیں، اس کے بعد ''سلطنتِ آیات'' کے متعلق گفتگو ہوگی اور اس کی روشنی میں تشیع کی حقیقت زیرِ بحث آئے گی۔

پہلی فصل

مصادرِ تلقی (حصولِ معرفت) میں تعلق

حصولِ معلومات کے مصادر اور مآخذ میں وحدت کسی بھی فرقے کے نزدیک اعتقادات اور نظریات میں اتفاق کا پہلا اور آخری عامل ہوتا ہے اور یہی بعد والوں کے قافلے کو سابقین اور پہلوں کے قافلے کے ساتھ ملاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے شیعہ نے حصولِ معلومات کے لیے اپنی قدیم چار بنیادی کتابوں "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" پر اعتماد کیا ہے۔

چناں چہ شیعہ کے علما جیسے: آغا بزرگ طہرانی نے "الذريعة"[1] اور محسن امین نے "أعيان الشيعة"[2] میں اس کا اقرار اور اثبات کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر نے بھی یہی کہا ہے۔[3]

دورِ جدید کا شیعی آیت عبدالحسین موسوی اپنی چاروں کتابوں کے بارے میں کہتا ہے:

> "یہ "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" ہیں، یہ متواتر ہیں اور ان کے مضامین کی صحت یقینی اور قطعی ہے، کافی ان تمام میں سب سے زیادہ قدیم، عظیم، بہترین اور پختہ ترین ہے۔"[4]

کیا اس کے بعد معاصرین، کلینی اور اس کے نظراء کے طبقے سے کچھ مختلف ہیں، جب کہ دونوں ایک ہی چشمے اور ایک ہی مصدر سے کسبِ فیض کرتے ہیں؟ طبعی بات ہے کہ وہ بالکل مختلف نہیں ہوں گے، بالخصوص بنیادی اصول میں، لیکن معاملہ اسی حد پر نہیں ٹھہرتا، بلکہ معاصر شیعہ علما نے، اس کو بھی، جو ان کے متاخر علما نے بارھویں اور تیرھویں صدی میں جمع کیا، مصادرِ حصولِ معلومات میں شمار کر لیا، جس میں آخری کتاب شیعہ کے عالم نوری (المتوفی ۱۳۲۰ھ) کی ہے، جس نے "مستدرك الوسائل" کے نام سے روایات جمع کیں۔ انھوں نے

[1] الذريعة (۱۷/ ۲۴۵)

[2] أعيان الشيعة (۱/ ۲۸۰)

[3] دیکھیں: مقدمة سفينة البحار.

[4] المراجعات (ص: ۳۱۱، المراجعة: ۱۱۰)

ان مصادر کو ''متاخر کتبِ اربعہ'' کا نام دیا اور اس بات سے قطع نظر کہ عصرِ اول کے ائمہ سے روایات نقل کر کے چودھویں صدی میں لکھی گئیں، ان پر اعتماد کیا گیا۔

اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تمام کتب، مستدرک الوسائل کے علاوہ، صفوی عہدِ حکومت کے دوران میں جمع کی گئیں اور لکھی گئیں، اس لیے ان میں اس قدر غلو اور آفتوں کی بھرمار ہے جو پہلے شیعہ کے وہم و خیال میں بھی پیدا نہیں ہوئی ہوں گی، جس طرح آپ ملا باقر مجلسی کی "بحار الأنوار" میں دیکھتے ہیں، اس کے باوجود یہ دورِ جدید کے شیعہ کے ہاں اصل اور بنیادی قابلِ اعتماد مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ، طبعی طور پر، معاصرین کے ہاں ایک خطرناک ارتقا کا جنم ہے، جو اُن کو گمراہی اور انتہا پسندی کی گہری کھائیوں میں پھینک دیتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ معاصرین نے دسیوں ایسے مصادر پر بھی اعتماد کیا ہے، جو ان کے پاس ان کی پیشروؤں کے حوالے سے پہنچی ہیں اور انھوں نے انھیں اعتبار اور احتجاج کے لحاظ سے پہلی کتبِ اربعہ ہی کی طرح سمجھا ہے، جس طرح آپ ان مصادر کے مقدمات میں یہ بات تحریر شدہ پاتے ہیں۔ یہ حقیقت میں ان کی صفوی سلطنت کے شیخ وفقیہ ملا باقر مجلسی ہی کی تقلید ہے، جس نے ان کتابوں کو اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں یہی رتبہ دیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ بعض اسماعیلی مصادر بھی معاصر اثنا عشریہ کے ہاں اعتماد کا رتبہ رکھتے ہیں، جس طرح قاضی نعمان بن محمد منصور (۳۶۳ھ) کی کتاب "دعائم الإسلام" ہے، جو اسماعیلی تھا، بلکہ بعض اثنا عشری مصادر خود بھی تاکیداً اس بات کا ذکر کرتے ہیں،[1] اس کے باوجود شیعہ کے بڑے بڑے معاصر علما اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[2]

بعض معاصر اثنا عشری یہ اشارہ بھی کرتے ہیں کہ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ کے مصادر حصولِ معرفت کی اصل ایک ہی ہے، ایک کہتا ہے:

''اگرچہ فاطمی اثنا عشری مذہب پر نہیں ہیں، لیکن یہ مذہب انہی کے عہد میں جوان اور مضبوط ہوا اور اسی عہد میں اس کو پروان چڑھنے کی آزادی تھی، اس کا اثر اور نفوذ بہت زیادہ ہوگیا اور اس کے داعی

---

[1] اثنا عشری شیعہ ابن شہراشوب (المتوفی ۵۸۸ھ) کہتا ہے: ''قاضی نعمان بن محمد امامی نہیں۔'' (معالم العلماء، ص: ۱۳۹) آپ دیکھتے ہیں کہ امامیہ اپنے کسی بھی امام کا انکار کرنے والے کو کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرنے والے کے مانند قرار دیتے ہیں، یعنی وہ کافر ہوتا ہے۔ جب اسماعیلی جعفر صادق کے بعد ہر امام کا انکار کرتے ہیں، اس کے باوجود اثنا عشریہ اسماعیلیہ سے اخذ و اکتساب کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کافروں سے اپنا دینی علم حاصل کرتے ہیں!!

[2] مثلاً خمینی اپنی کتاب "الحکومة الإسلامية" میں اس کا حوالہ دیتا ہے۔ دیکھیں: الحکومة (ص: ٦٧)

سرگرمی سے کام کرنے لگے، کیوں کہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ اگرچہ چند جہات میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن شعائر اور علامات میں وہ ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں، بالخصوص علوم آلِ بیت کی تدریس و تفقہ اور لوگوں کو اس پر مجبور کرنا۔"[1]

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں شیعہ اثنا عشریہ کا اس قول پر غالیوں کے لیے کشادہ دلی کے مظاہرہ کا ذکر ہوا ہے:

"حدود کا غالیوں کے سامنے مکمل طور پر بند نہ ہونا، اس تعظیم و احترام پر دلالت کرتا ہے، جو اسماعیلیہ کی سب سے بڑی کتاب "دعائم الإسلام" کے لیے مدتوں قائم رہی۔"[2]

"جو شخص اسماعیلیہ کی بعض کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اسے دونوں فرقوں کی جملہ روایات میں اتفاق نظر آئے گا۔"[3]

ان تمام امور کا مطلب ہوا کہ اس گروہ نے عصرِ حاضر میں اپنے آپ کو ایک گہرے اور اندھیرے سمندر میں پھینک دیا ہے، جس کی لہریں انھیں جہاں چاہتی ہیں، پھینک دیتی ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے اپنے تک پہنچنے والی سابقہ لوگوں کی اکثر کتابوں کو اپنے لیے قابل اعتماد مصدر بنانا پسند کر لیا ہے۔

بلکہ اس زمانے میں ان کی، شیعہ کے قدیم علمی ورثے کے احیا، تعارف اور ترویج کے لیے ایک بڑی سرگرم تحریک بھی قائم ہوگئی ہے۔ یہ علمی ورثہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر اعتراضات سے بھرا ہوا اور صدرِ اسلام کی شخصیات بالخصوص خلفاے ثلاثہ، بعض امہات المومنین اور ان کے ہم مسلک مہاجرین و انصار پر لعن طعن، تکفیر اور ان کو دائمی جہنمی قرار دینے جیسی باتوں سے لدا ہوا ہے، حالاں کہ یہ لوگ قرآنی نص کے مصداق ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ہیں۔

نشر و اشاعت کی اس تحریک کو شیعہ کے عصرِ حاضر کے مشہور مجتہدین علما نے قائم کیا اور پروان چڑھایا ہے، ان کی اکثر کتابوں پر ان کی تصحیحات، تعلیقات اور تقریظات بھی ہیں، اس کے باوجود ہمیں ان کتابوں میں موجود کفر و الحاد پر ان کی طرف سے کوئی اعتراض یا تنقید نظر نہیں آتی، تو کیا یہ ان لوگوں کی طرف سے ان کے مندرجات کی صحت کا اقرار نہیں؟

---

[1] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٦٣)

[2] دائرة المعارف الإسلامية (١٤/ ٧٢)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: ان کی یہ حدیث "من لم يؤمن برجعتنا فليس منا" اسماعیلی کتابوں میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ (دیکھیں: کتب اسماعیلیہ کے ضمن میں مجموعہ مسائل، ص: ٤٩) اور یہ روایت اثنا عشری (ص: ٤٦) کتابوں میں بھی ذکر ہوئی ہے۔

ڈاکٹر علی سالوس نے یہی سوال ایک معاصر شیعہ عالم کے سامنے پیش کیا اور اصولِ کافی میں غلو آمیز روایات کی بھرمار کے بارے میں اس کی رائے دریافت کی تو اس نے بہ قلم خود درج ذیل عبارت میں اس کا جواب دیا:

''وہ روایات جنھیں ہمارے شیخ کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں ذکر کیا ہے، ان کا صادر ہونا ہمارے نزدیک قابلِ اعتبار ہے اور جو کافی میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ائمہ ان تمام علوم سے بہرہ ور ہیں، جو ملائکہ، انبیا اور رسولوں کے پاس آئے، وہ جب جاننا چاہیں، جان سکتے ہیں، انھیں اپنی موت کے وقت کا علم ہوتا ہے اور انھیں موت کا اختیار دیا جاتا ہے، وہ ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں، ان پر کوئی چیز مخفی نہیں، بلاشبہہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیا اور ایسے بندے ہیں، جنھوں نے خالص اسی کی اطاعت کی، اس کے بعد اس نے اپنے ائمہ کا یہ قول ذکر کیا: ہمارے بارے میں جو چاہو کہو اور ہمیں ربوبیت سے پاک رکھو۔''[1]

یہ اقتباس کسی تبصرے کا محتاج نہیں، کیوں کہ اس نے اپنے ائمہ کے لیے اس وصف کا اقرار کیا ہے، جو خالق جل شانہ کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ یہ اصولِ کافی کے غلو پر مشتمل مضامین کے متعلق صرف کفائی ہی کی رائے نہیں، بلکہ اہلِ سنت اور شیعہ کو دعوتِ اتحاد دینے کے لیے لکھی گئی ایک کتاب کے مصنف خیزی کا بھی، ان مسائل کے جواب میں ایسا ہی جواب ہے، جو حقیقت میں کفائی کے جواب سے قطعاً مختلف نہیں۔[2]

طرفہ تو یہ ہے کہ اس نے اس بات کا اقرار اس کتاب میں کیا ہے، جو اس نے تقیے کے اسلوب میں تحریر کی ہے، کیوں کہ یہ ان کی اتحاد بین المسلمین کی مزعومہ دعوت کا منشور ہے، جو درحقیقت اہلِ سنت میں رافضیت پھیلانے کا مشن ہے، ایسے ہی شیعہ کے ایک دوسرے عالم لطف اللہ صافی نے محبّ الدین خطیب کے جواب میں، جنھوں نے اپنی کتاب "الخطوط العريضة" میں کافی کے بعض غلو آمیز عناوین پیش کیے ہیں،[3] کہا ہے:

''کافی کے ابواب وعناوین، ان (ائمہ) کو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملے امور کے سوا کچھ نہیں۔''[4]

بلکہ یہ کتابیں اور تالیفات جن کا پیٹ اس غلو سے پھولا ہوا ہے، معاصرین کے ہاں فخر و مباہات کی

---

[1] کاظم کفائی کی یہ بات علی سالوس نے اس کے خط کے ساتھ شائع کی ہے۔ دیکھیں: فقه الشيعة (ص: ٢٦٥)

[2] أبو الحسن الخنيزي: الدعوة الإسلامية (١/ ٢٧۔ ٢٨)

[3] الخطوط العريضة (ص: ٦٩)

[4] مع محب الدين في خطوطه العريضة (ص: ١٤٩)

چیزیں ہیں۔شیعہ کے ایک آیت کی گفتگو سنیے، وہ اپنے ائمہ کے چھوڑے ہوئے آثار کے بارے میں کہتا ہے، جو اس کے خیال میں ان کی امامت کی دلیل ہیں:

''ان کے آثار ہیں، جو اس امامت مقصودہ پر دلالت کرتے ہیں۔ میں تمھیں ان بہت ساری مجامیع (مجموعہ ہائے روایات) کا حوالہ اور پتا نہیں دوں گا، جو ان سے روایت کی گئیں اور ان کے زمانے یا ان کے قریب زمانے میں تالیف کی گئیں، جیسے "تحف العقول"، "بصائر الدرجات"، "الخرائج والجرائح"، طبرسی کی "الاحتجاج"، صدیق کی "الخصال" اور "التوحید"...جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، بلکہ میں تمھیں صرف ایک ہی جامع اثر اور مثال کا حوالہ دیتا ہوں، جس میں ہر امام کی روایات کا بہت زیادہ حصہ ہے اور وہ کتاب ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کی "الكافي" ہے، اس نے یہ عمدہ کتاب بیس سالوں میں لکھی اور اس کی کتب اور ابواب میں ہر امام کی روایات درج کیں، جو یہ بات بتانے کے لیے کافی ہیں کہ یہ خوشگوار علم کا دریاے فرات فیض الٰہی کے چشموں سے پھوٹتا ہے اور لوگوں کے دامن ان جیسے نفائس (اور نادر علوم و معارف) سے خالی ہیں۔''[1]

اس کے بعد وہ اصولِ کافی کو کے متعلق مبالغہ آرائی کو جاری رکھتے ہوئے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس کی طرف رجوع کرے۔[2]

---

[1] الشيعة والإمامة: لمحمد رضا المظفر (ص: ١٠١)

[2] مع محب الدين الخطيب في خطوطه العريضة (ص: ١٠٢)

دوسری فصل

قدیم فرقوں کے ساتھ معاصر شیعہ کا تعلق

شیعہ معاصرین کا ان قدیم شیعہ فرقوں کے ساتھ کیا تعلق ہے، جن کا عقائد ونظریات اور فرق کی کتابوں میں ذکر ہوتا ہے؟

میں غور کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شیعہ کے معاصر علما اور ''آیات'' جب اپنے گروہ، اس کی شخصیات اور ممالک کا تذکرہ کرتے ہیں، تو شیعیت کی طرف منسوب تمام فرقوں، شخصیات اور ممالک کی نسبت اپنے اس گروہ کی طرف کر دیتے ہیں، خواہ وہ اسماعیلیہ ہوں یا باطنیہ، یا زنادقہ دہریہ ہوں یا پھر غالی مجسمہ۔

مثال کے طور پر جب وہ شیعہ ممالک کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو فاطمی سلطنت کا ذکر اپنے تمام ممالک سے پہلے کرتے ہیں اور اسے ان میں سرفہرست رکھتے ہیں، حالاں کہ وہ اثنا عشری نہیں تھی۔[1]

جب ان کے رجال اور اشخاص کا ذکر آتا ہے تو آپ ان میں سے اکثر ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جو گمراہی اور زندیقیت کے رؤسا اور نامور ملحدین میں شمار ہوتے ہیں، جن کی طرف ایسے مخصوص فرقے منسوب ہیں جن کا اثنا عشریہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ فرقے اپنے بانیوں کے نام پر ہیں۔ اس لیے آپ مثال کے طور پر شیعہ کے شیخ محسن الامین کو دیکھتے ہیں، وہ ہشام بن حکم کے پیروکار ''ہاشمیہ'' یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے ماننے والے ''یونسیہ'' اور محمد بن نعمان شیطان الطاق کے اَتباع ''شیطانیہ'' وغیرہم کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ تمام لوگ امامی شیعہ کے نزدیک ثقات اور صحیح عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا یہ تمام ہی امامی اور اثنا عشریہ ہیں۔''[2]

اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ ہم اثنا عشریہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ تشیع کی طرف منسوب ہر فرقے کو گود لینا چاہتے ہیں، خواہ وہ خود قدیم شیعہ کتابوں کے اعتراف و اقرار کے مطابق کفر کے فرقے ہی کیوں نہ ہوں،

[1] دیکھیں: الشيعة في الميزان، مبحث دول الشيعة (ص: ۱۲۷ وما بعدها) نیز دیکھیں: أعيان الشيعة (۱/ ٤٤، ٤٥) مزید دیکھیں: دول الشيعة لمحمد جواد مغنية.

[2] أعيان الشيعة (۱/ ۲۱)

مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ وہ نصیریہ جیسے غالی اور کافر فرقوں کو بھی، جن کے غالی ہونے پر اہلِ اسلام کا اتفاق ہے، شریعت کا رنگ دیتے ہیں۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم حسن شیرازی نے "العلویون شیعة أهل البیت" نامی ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ ''علویون'' نصیریہ کا لقب ہے۔ اس نے اپنے اس رسالے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے دینی مرجع محمد شیرازی کے حکم کے مطابق شام اور لبنان میں نصیریہ سے ملاقات کی۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ان کو ایسے ہی پایا، جس طرح جیسے شیعانِ آلِ بیت کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ صفاے اخلاص اور التزامِ حق کے ساتھ براءت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ علی بن ابی طالب کی ولایت کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور ان میں کچھ ان کے ساتھ ولایت اور نسب کی دونوں نسبتیں رکھتیں ہیں ...۔ وہ مزید کہتا ہے: علوی اور شیعہ، امامیہ اور جعفریہ کی طرح کے دو مترادف اور ہم معنی کلمات ہیں۔[1]

اس کے باوجود کسی اثنا عشری عالم نے اس شیرازی کی تردید یا مخالفت نہیں کی، حالاں کہ نصیریہ کا کفر اور زندیقیت معروف ومشہور ہے۔[2] بلکہ قدیم کتبِ شیعہ نصیریہ کو کافر قرار دیتی ہیں اور اس کو اسلام سے خارج فرقہ شمار کرتی ہیں،[3] لیکن معاصرین اس فرقے کو جعفریہ سے قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ اس نام سے موسوم نہیں۔

عصرِ حاضر کے چند ایک بڑے شیعہ مراجع کا موقف ہے کہ آج روے زمین پر کسی غالی فرقے کا وجود نہیں، حالاں کہ نصیریہ، دروز اور آغا خانی وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں، گویا یہ مرجع تقلید ان پر عدمِ غلو کا حکم لگا رہا ہے! محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''تمام غالی فرقے ہلاک ہو چکے ہیں، اب ان کا کوئی آخری فرد بھی موجود نہیں۔''[4]

ڈاکٹر سلیمان دنیا رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کیا آغا خانی موجود نہیں؟ کیا یہ حلول کے قائل نہیں یا یہ حلول کا عقیدہ رکھنے کے باوجود ملحد نہیں؟ یا یہ شیعہ کی طرف منسوب نہیں؟ پھر کیا یہ آج زمین کے کسی خطے پر موجود نہیں؟!''[5]

امر واقع تو یہ ہے کہ آج بہت سارے شیعہ فرقوں کے نام تو مٹ چکے ہیں، لیکن اثنا عشری کتابوں میں

---

[1] حسن الشیرازي: العلویون شیعة أهل البیت (ص: ۲۔ ۳)

[2] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تیمیة (۳۵/ ۱۴۵ وما بعدها)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (۵۲/ ۲۸۵)

[4] أصل الشیعة وأصولها (ص: ۳۸) نیز دیکھیں: دعوة التقریب (ص: ۷۵)

[5] بین السنة والشیعة (ص: ۳۷)

ان کی آرا اور عقائد باقی ہیں۔ معاصرین آج جب یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کتبِ ثمانیہ (۸ کتابیں) اور جو ان کے ہم رتبہ کتابیں ہیں، یہ شیعہ کے مصادر حصولِ معرفت ہیں، تو یہ بات کہہ کر وہ تاریخ کے مختلف ادوار اور مدار میں پائے جانے والے تمام شیعہ فرقوں کے عقائد و نظریات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کا اظہار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ مدوّنات اور مؤلفات وہ بڑا دریا ہے، جس میں شیعہ کی تمام دیگر ندیاں اور نہریں جا ملتی ہیں۔

یہ وہ واقعاتی حقیقت ہے، جس کے بہت زیادہ شواہد ہیں، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان فرقوں کا جو بھی عقیدہ ہے، اس کا شاہد اور دلیل اثنا عشریہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ عقیدہ بدا کو فرق پر لکھنے والوں نے غالیوں کے عقائد میں شمار کیا ہے۔[1] انھوں نے اس کی نسبت مختاریہ[2] کی طرف کی ہے، اس کے باوجود ان کی صحیح کافی میں بدا کے متعلق ۱۶ روایات ذکر ہوئی ہیں۔ بحار الانوار کے "باب البداء و النسخ" میں ۷۰ سے زیادہ روایات نقل کی گئی ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بدا اِثنا عشریہ کا ایک عقیدہ بن چکا ہے، اگرچہ شیعہ کے علما نے اس سے راہِ نجات تلاش کرنے کی پوری کوش کی ہے، تا کہ اس گمراہ عقیدے کو اپنانے کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر سے بچ سکیں۔

اسی طرح عقیدۂ رجعت ہے، جس کو انھوں نے غالیوں کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ جب کہ اہلِ سنت کی کتابوں نے ذکر کیا ہے اور اثنا عشریہ کی کتابوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ رجعت ابن سبا کے عقیدے کے اصول میں ہے، اس کے باوجود یہ اثنا عشریہ کے عقائد کے اصول میں بھی داخل ہے؟![3]

اسی طرح ''ائمہ کو خدا کا درجہ'' دینے کا عقیدہ سبائیہ جیسے غالی فرقوں کا عقیدہ ہے، لیکن آپ کو اثنا عشریہ کی کتابوں میں، جیسے: کافی، بحار الانوار، شیعہ کی کتبِ تفسیر بالماثور، تفسیر قمی، عیاشی اور شیعہ کی کتبِ رجال، جیسے: رجال الکشی وغیرہ میں ایسی بہت ساری عبارتیں ملیں گی، جو ائمہ کو خدا قرار دیتی ہیں، جس طرح بعض کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

ائمہ کو انبیا پر افضلیت دینے کا مسئلہ بھی غالی رافضیوں کا عقیدہ تھا، جس طرح امام عبد القادر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے ثابت کیا ہے، لیکن اثنا عشری گروہ نے اس کو بھی ان کی وراثت سے لے لیا۔[4]

---

[1] دیکھیں: الشهرستاني: الملل والنحل (۱/ ۱۷۳)

[2] مختاریہ، مختار بن ابی عبید کے اَتباع ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا یعنی ظہورِ علم کا قائل تھا۔ (الملل والنحل: ۱/ ۱۴۷۔ ۱۴۸)

[3] دیکھیں: فصلِ رجعت۔

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۶۵۹) دیکھیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث ایک مستقل بحث اور تحقیق کا تقاضا کرتی ہے اور قدیم شیعہ فرقوں کی آرا و افکار کا مطالعہ اور اثنا عشریہ کی کتابوں اور مولفات میں ذکر ہونے والے عقائد و نظریات کے ساتھ ان کا تقابل کرنا ایک نئی تحقیق ہے، جو اس فرقے اور قدیم فرقوں کے درمیان تعلقات کھول سکتی ہے۔

غالی شیعہ فرقوں کے نظریات و افکار اثنا عشریہ کی کتابوں میں ائمہ کی طرف منسوب روایات کی شکل میں سرایت کر چکے ہیں اور معاصرین نے ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آرا و افکار کی اس سرایت کاری اور گھسنے کا سبب خود شیعہ علما تھے، جن کو تعصب نے ہر شیعی روایت قبول کرنے پر اُکسایا، خواہ جو بھی اس کا مذہب ہو اور ان کی روایت سے اعراض پر مجبور کیا، جس کو انھوں نے عامہ کا نام دیا، یعنی اہلِ سنت۔ شیعہ کے عالم طوسی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے اکثر رجالِ حدیث فاسد مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ ان کی کتابیں قابلِ اعتماد ہیں!

جو ان کے رجال کے تراجم اور حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرتا ہے، وہ یہ بات اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے، کیوں کہ واقفی اور فطحی وغیرہ انھی رجال میں شامل ہیں۔[1] عصرِ حاضر کے ایک شیعہ مفکر نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اثنا عشری مکتبہ فکر نے قدیم شیعہ فرقوں کی تمام آرا اور عقائد کو سمیٹ لے لیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''قلم رکھنے سے پہلے یہ اشارہ کرنا لازمی ہے کہ جن شیعہ افکار کا ذکر ہوا ہے، ان میں جو کسی خاص فرقے کے افکار تھے، وہ تمام کے تمام جلد ہی اثنا عشری تشیع میں داخل ہوگئے اور ان کی عقلی دلائل اور نصوص کے ساتھ تائید کی گئی۔
>
> موجودہ تشیع تمام شیعہ تحریکات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، جن کا آغاز عمار، حجر بن عدی، مختار، کیسان، محمد بن حنفیہ، ابو ہاشم، بیان بن سمعان، غالی کوفیوں، عبداللہ بن حارث کے غالی انصار سے ہوتے ہوئے زیدیوں، اسماعیلیوں، پھر امامیہ تک جا پہنچتا ہے، جو اثنا عشریہ بن گئے اور امتزاج و اختلاط کا یہ کام شیعہ کے متکلمین اور مصنفوں نے سرانجام دیا۔''[2]

چنانچہ موجودہ شیعیت نے تمام شیعہ رجحانات کا، ان کے تمام تر غلو اور انتہا پسندی سمیت، مکمل احاطہ کر لیا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی کے بارے میں سبائی رجحانِ فکر مکمل غلو کے ساتھ اثنا عشری روایات کے ذریعے ہمارے سامنے سر نکالتا دکھائی دیتا ہے۔ جو شخص کافی اور بحار کے صرف عناوین پر ایک نظر ڈالتا ہے، اس کو

[1] دیکھیں: فصلِ سنت.

[2] مصطفى الشيبي: الصلة بين التصوف والتشيع (ص: ٢٣٥)

اس امر کا بہ خوبی ادراک ہو جائے گا۔

ایسے ہی باطنی رجحان بھی اثنا عشریہ کی کتابوں میں ان کی قرآنی آیات وارکانِ اسلام کی باطنی تاویل اور تقیہ کی صورت میں واضح نظر آتا ہے، اس طرح اثنا عشریہ وہ دریا بن چکا ہے، جس میں عام شیعہ افکار کی نہریں اپنے تمام تر انحرافات کے ساتھ آ گرتی ہیں، جس میں ہر غلو پسند اور انتہا پسند اپنا گوہرِ مقصود اور اپنے عقائد کی تائید کے لیے دلائل پا لیتا ہے۔

شیعہ کے اس صدی کے علمِ رجال کے سب سے بڑے عالم کے منہ سے ایک خطرناک اقرار اور ہیجان خیز بیان جاری ہوا ہے، جو مذہب میں تبدیلی اور ارتقا کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے مطابق عصرِ حاضر کا اثنا عشری مذہب جن عقائد کا مرقع ہے، وہ قدیم شیعہ کے نزدیک غلو اور انتہا پسندی میں شمار ہوتا تھا۔ عصرِ حاضر کے شیعہ ایسے عقائد رکھتے ہیں، جن کو وہ مذہب کے ارکان اور ضرورت میں شمار کرتے ہیں، لیکن وہ قدیم شیعہ کے ہاں غلو اور کفر تھے۔

یہ شیخ، جس کا نام عبداللہ ممقانی[1] ہے، فضل بن عمرو جعفی کے دفاع میں، جس کو بعض قدیم شیعہ نے متہم قرار دیا تھا، کہتا ہے:

> ''ہم نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ وضاحت کی ہے کہ قدما کا کسی آدمی کو غلو کا الزام دینا قابلِ اعتماد نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات واضح ہے کہ ان (ائمہ) کے ادنیٰ مراتب کا قول واعتقاد قدما کے نزدیک غلو ہے اور جس کو ہم آج مذہبِ تشیع کی ضروریات اور بنیادی ارکان میں شامل کرتے ہیں، وہ شیعہ کے نزدیک غلو ہوگا، اس بارے میں یہی کافی ہے کہ ''صدوق'' نے ان (ائمہ شیعہ) سے سہو کی نفی کرنے کو غلو کہا ہے، حالاں کہ آج وہ مذہب کی ضروریات میں شامل ہے، ایسے ہی جبرائیل اور نبی ﷺ کے ذریعے ان کی آنے والے حالات کے علم پر قدرت کا اثبات ان (قدمائے شیعہ) کے نزدیک غلو ہے تو آج یہ مذہب کے ارکان میں شامل ہے۔''[2]

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ نے اپنے بزرگوں کی تقلید ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ غلو اور انتہائی پسندی میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں، حتی کہ چوتھی صدی کے شیعہ علما جیسے صدوق وغیرہ کی رائے میں

[1] عبداللہ بن حسن ممقانی، شیعہ کا ایک نامور اور بڑا عالم ہے، یہ نجف میں ۱۲۹۰ھ کو پیدا ہوا اور وہیں (۱۳۵۱ھ) میں اس کی وفات ہوئی، اس کی تالیفات میں "تنقيح المقال في الرجال" کا نام آتا ہے، جو تین جلدوں میں ہے۔ (معجم المؤلفین: ٦/ ١١٦)

[2] تنقيح المقال (٣/ ٢٤٠) نیز اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۶) دیکھیں۔

جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ائمہ بھولتے نہیں یا ائمہ آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں یا کلینی کے الفاظ میں ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کچھ مخفی نہیں، جو ان جیسے اعتقادات رکھتا ہے، وہ اس زمانے کے شیعہ علما کے نزدیک ان غالیوں میں شمار ہوتا تھا، جن کی ائمہ سے روایات قبول نہیں کی جاتی تھیں۔

لیکن شیعہ مذہب میں تبدیلی واقع ہوچکی ہے اور آج یہ عقائد مذہبِ تشیع کی ضروریات میں شامل ہو چکے ہیں، جس طرح ممقانی نے تسلیم کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قدیم شیعہ کے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو معاصرین غالی اور ان کے اقوال نا قابلِ اعتماد ہیں۔

یہ بھی مدِنظر رکھیے کہ ان عقائد کے حاملین پر غلو کا حکم اہلِ سنت کے علما نے نہیں لگایا، بلکہ یہ شیعہ علما کی طرف سے جاری ہوا ہے، پھر ان کی یہ رائے چوتھی صدی میں تھی، جب تشیع میں تبدیل اور ارتقا واقع ہو چکا تھا، چناں چہ پہلے شیعہ کا کیا موقف ہوگا، جن کی شیعیت صرف حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم کرنے تک تھی۔

شاید یہی وہ مظاہر ہیں، جنھوں نے شیخ محبّ الدین خطیب کو یہ فیصلہ سنانے کی دعوت دی کہ شیعہ کے نزدیک دین کا مفہوم بدلتا رہتا ہے، اس سیاق میں انھوں نے ممقانی کا مذکور کلام بھی پیش کیا ہے۔ پھر کہا ہے:

یہ ان کی جرح و تعدیل کی سب سے بڑی کتاب میں علمی اور فیصلہ کن بات ہے، جس میں یہ اقرار ہے کہ شیعہ کا مذہب اب وہ نہیں رہا، جو قدیم تھا۔ قدیم مذہب میں وہ جس نظریے کو غلو خیال کرتے تھے، اس کو اور اس کے حامل کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے تھے اور پھینک دیتے تھے، اب وہ۔غلو۔ مذہب کی ضروریات اور ارکان میں داخل ہو چکا ہے۔

شیعہ کا مذہب آج وہ نہیں جو صفویوں سے پہلے تھا۔ صفویوں سے پہلے جو شیعہ کا مذہب تھا، وہ ابن مطہر سے پہلے کے مذہب سے مختلف تھا۔ ابن مطہر سے جو پہلے شیعہ کا مذہب تھا، وہ آلِ بویہ سے پہلے کا ان کا مذہب شیطان الطاق کے مذہب جیسا نہیں تھا اور شیطان طاق سے پہلے جو ان کا مذہب تھا، وہ حضرت حسن، حسین اور علی بن حسین کی زندگی میں ان کے مذہب سے یکسر مختلف تھا۔[1]

---

[1] حاشیہ المنتقی (ص: ۱۹۳)

تیسری فصل

شیعہ قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی تعلق

جب مصادر حصولِ معرفت میں وحدت موجود ہے تو کیا ہمیں قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی رشتے پر گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت ہے؟ بالخصوص ان تمام مصادر نے غالیوں کے ان اکثر آرا و افکار کا احاطہ کر لیا ہے، جن کو عقائد و نظریات کی کتابوں نے نقل کیا ہے اور جو نہیں نقل کیا وہ بھی ان میں موجود ہے تو کیا اس اعتقادی تعلق کے مطالعے اور تحقیق کی کوئی ضرورت ہے؟

حقیقت میں اس کی ضرورت موجود ہے، کیوں کہ معاصرین نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ شیعہ مذہب اہلِ سنت کے مذہب سے مختلف نہیں، بہت زیادہ کتابیں اور رسالے چھاپے ہیں اور عالمِ اسلام کے کونے کونے میں اپنے مبلغین پھیلا دیے ہیں اور یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ فرقہ ایک مظلوم فرقہ ہے، جن پر دشمنوں اور حریفوں نے الزام تراشی کرتے ہوئے یہ عقائد اور اقوال ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں، جن سے وہ بَری ہیں۔

ان مبلغین اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اتحاد اور قرابت پیدا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں اور وہ اتحاد بین المسلمین کے نعرے لگاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مراکز قائم کیے گئے، کتابیں لکھی گئیں اور مبلغین مخصوص کیے گئے ہیں۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاصرین، اس غلو اور شدت پسندی سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، جو ان کے قدما اور پیشرووں میں دیکھا جاتا تھا۔ اب وقت آ چکا ہے کہ شیعہ اور اہلِ سنت اس کلمے کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو جائیں، جو ان میں مشترک ہے، کیوں کہ دشمن کا مکر بہت بڑا ہے اور عالم اسلامی کے حالات خطرناک ہو چکے ہیں۔ یہ بات بھی بہ کثرت دیکھی گئی ہے کہ آپ جب ان سے کہتے ہیں کہ تمھاری حدیث یہ کہتی ہے یا تمھارا فلاں عالم یہ کہتا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں جو کچھ ذکر ہوا ہے، ہم اس سب سے متفق نہیں یا جو فلاں عالم کہتا ہے تو اپنے قول کا وہ خود ذمے دار ہے، حجت صرف معصوم کے کلام میں ہے۔ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت بھی ایسی باتیں کہتے ہیں اور اکثر اوقات اس کے لیے بڑے عجیب انداز میں افترا پردازی، حیلے سازی

اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اس لیے ان بنیادی اور خطرناک مسائل کے بارے میں معاصرین کی رائے بیان کرنا ضروری ہے، جو ان کے اور اہلِ سنت کے درمیان حد فاصل ہے یا ان کے اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ایسے بہت سارے شیعہ اصحابِ قلم ہیں، جن کے قلم عالمِ اسلام کے متعلق لکھنے کے لیے مخصوص ہیں، تاکہ شیعہ کے متعلق جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا جواب دیا جائے۔ عقیدۂ تقیہ نے ان کو بلا جھجک آزادیِ اظہار اور ہر طرح کی بات کہنے کی کھلی چھٹی دے دی ہے، جب کہ ان کی کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں، جو اسلامی دنیا میں نشر نہیں کی جاتیں۔[1]

اس پروپیگنڈے پر مبنی اسلوب یا اعلان کردہ رخ کی جس نے تصدیق کی، سو کی اور جو بھی اس سے متاثر ہوا، سو ہوا۔ شیعیت نے اس پالیسی کے ذریعے سے عالمِ اسلام کے ان نوجوانوں اور اسلامی تحریکات سے وابستہ ان افراد کی غیر معمولی تعداد کے دلوں میں جگہ بنا لی، جن کی راتوں کی نیندیں عالمِ اسلام کی کربناک صورتحال کی وجہ سے اڑ چکی ہیں اور وہ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے کوئی راہ تلاش کرنے لگے۔

ظاہر دشمن کی صورت اپنی تمام مکاریوں، دسیسہ کاریوں اور ستم گریوں کے ساتھ ان کے سامنے تھی، جس نے ان کے اندر ان کے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے چھپے دشمن کے چہرے پر حجاب ڈال دیا، چنانچہ انھوں نے جلد بازی میں جو کہا گیا، اس کو سچ مان لیا اور یہ خیال کیا کہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اختلاف کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ ایک خود ساختہ شور ہے، جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔[2]

اس لیے جو معاصر شیعہ علما اپنے خطرناک عقائد کے متعلق، جو ان کے اور اہلِ سنت کے درمیان ایک حد فاصل ہیں، کہتے ہیں: اسے سننا نہایت ضروری ہے۔ میں ان آرا اور افکار میں ان کا انتخاب کروں گا، جن میں کوئی نیا دعویٰ، کوئی کمی بیشی، یا ان کے پیشروؤں کے غلو میں، جس کا ذکر ہو چکا ہے، کوئی اضافہ یا تدریجی تبدیلی کی گئی ہو، تاکہ بعد میں آنے والوں کا پہلے گزر جانے والوں کے ساتھ دائرہ تعلق واضح ہو جائے۔ درج ذیل مباحث میں اس کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] مثلاً نوری طبرسی "مجوسی" کی کتاب "فصل الخطاب"، "بحار الأنوار" کی بعض جلدیں، کتاب "نبوة أبي طالب" تالیف مزمل حسین میثمی غدیری رافضی، علمی حوزہ قم وغیرہ۔

[2] دیکھیں: السنة والشیعة ضجة مفتعلة.

معاصرین کا کتاب اللہ کے متعلق عقیدہ

اس موضوع کے متعلق گفتگو کے دو محور ہوں گے:

پہلا محور:

شیعہ کی کتابیں جن اساطیر اور فرضی کہانیوں سے بھری پڑی ہیں، جو کہتی ہیں کہ کتاب اللہ میں کمی اور تحریف ہوئی ہے اور جو ان کے بعض زندیق اس نظریے کے قائل ہیں، ہم نے گذشتہ مباحث میں ان کا جائزہ پیش کیا ہے، اب عصرِ حاضر کے شیعہ اس مسئلے کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو ان کے درمیان اور اسلام کے درمیان ایک رکاوٹ ہے، حالانکہ وہ اہلِ سنت کے ساتھ اتحاد و قربت پیدا کرنے کی دعوت کے لیے بڑے سرگرم عمل ہیں اور ملی یکجہتی اور اتحاد بین المسلمین کا شعار اور نعرہ بلند کرتے ہیں؟

دوسرا محور:

عصرِ حاضر کے شیعہ کتاب اللہ کی اس باطنی تاویل کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو اس کے معانی میں تحریف اور آیات میں الحاد ہے اور وہ کتاب اللہ کو اس کتاب کے علاوہ ایک نئی کتاب کی شکل میں پیش کرتی ہے، جو آج مسلمانوں کے پاس ہے؟ گذشتہ صفحات میں ہم نے اس کی بھی جھلک پیش کی ہے۔

پہلا محور:

تحریف کی اس داستان اور کذب بیانی کے متعلق، جس کے بارے میں گفتگو اور بحث شیعہ کی کتابوں میں عام موجود ہے، جب ہم معاصرین کی آرا لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چار مختلف وجوہ اور پہلو ظاہر ہوتے ہیں:

1. اپنی کتابوں میں اس کے وجود کا صاف انکار۔
2. اس کے وجود کا اعتراف، لیکن اس کو جواز مہیا کرنے کے لیے کوشش۔
3. اس افترا کا علانیہ اظہار اور اس کے لیے استدلال۔
4. بہ ظاہر اس کذب بیانی کا انکار، لیکن خفیہ اور مکارانہ انداز میں اس کو ثابت کرنے کی کوشش۔

① شیعہ معاصرین کا اپنی کتابوں میں اس کے وجود کا صاف انکار:

شیعہ کے علما کی ایک قسم اس کے وجود کے صاف انکار کی طرف میلان رکھتی ہے، ان میں عبدالحسین امینی نجفی کا نام آتا ہے، جس نے اپنی کتاب ''الغدیر'' میں اس کا یک قلم انکار کیا ہے۔

وہ امام ابن حزم کی تردید میں لکھتا ہے، جنھوں نے شیعہ کی طرف اس نظریے کے اعتقاد کی نسبت کی ہے کہ کاش یہ اس جھوٹ کی شیعہ کی طرف نسبت کرنے کی جرأت کرنے والا کسی معتبر شیعہ کتاب کا حوالہ دیتا، جو اس الزام اور جھوٹ کا مصدر ہوتا، یا ان کے کسی ایسے عالم سے نقل کرتا، جس کی بات کا کوئی وزن ہوتا، بلکہ ہم تو اس کے ساتھ اس حد تک آنے کو بھی تیار ہیں کہ وہ ان کے کسی جاہل، گنوار دیہاتی، سادہ لوح یا کسی یاوہ گو کا قول ہی نقل کرتا، اس آدمی کی طرح جس نے بے سوچے سمجھے ہی بات کر دی ہے، یہ شیعہ فرقے، جن میں سرفہرست امامیہ ہے، ان کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کتابی صورت میں جو مصحف ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔[1]

عبدالحسن شرف الدین موسوی کہتا ہے:

> ''شیعہ کی طرف کلمات اور آیات حذف کر کے تحریف کا قول منسوب کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اس جہالت سے اللہ کے ہاں بَری ہیں۔ جس نے بھی یہ رائے ہمارے طرف منسوب کی ہے، وہ ہمارے مذہب سے ناواقف ہے، یا پھر ہم پر الزام لگا رہا ہے۔ قرآنِ کریم ہمارے طرق اور اسانید سے اپنے تمام کلمات اور آیات سمیت متواتر ہے۔''[2]

اسی طرح لطف اللہ صافی نے اس بات کی نفی کی ہے کہ کتاب ''فصل الخطاب'' اس جھوٹ اور الزام کو ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی تالیف کا مقصد اس جھوٹ کے خلاف جنگ اور اس کا مقابلہ کرنا ہے۔[3] جس طرح شیعہ کے بعض لوگ کلینی کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جو اس کفر (تحریفِ قرآن) کا ایک ستون ہے۔[4]

---

① اس جیسا انکار شیعہ کے ایک دوسرے عالم لطف اللہ صافی نے بھی اپنی کتاب ''مع الخطیب في خطوطه العریضة'' (ص: ۷۱) میں کیا ہے۔

② أجوبة مسائل جار اللّٰه (ص: ۲۸۔ ۲۹)

③ مع الخطیب في خطوطه العریضة (ص: ٦٤۔ ٦٦)

④ ''عقیدة الشیعة'' کا مولف، کلینی کے دفاع میں کہتا ہے: ''قرآن کریم میں کمی کا کوئی امام اور عالم قائل نہیں، حتی کہ ثقۃ الاسلام امام کلینی بھی نہیں! وہ قرآنِ کریم کے کمی اور زیادتی سے محفوظ اور مبرا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس کے باوجود شیخ ←

نقد وتبصرہ:

حقیقت کا انکار دفاع میں کچھ سود مند ثابت نہیں ہوسکتا، جس کے بارے میں شیعہ کی جانب سے اور ان کی کتابوں سے باخبر اہلِ سنت کی طرف سے نتیجتاً یہی بات کہی جائے گی کہ یہ انکار تقیہ ہے۔

یہ مسئلہ آج ایسا نہیں رہا کہ رد میں اس طرح کے اسلوب کو قبول کر لے۔ نجف اور طہران کے چھاپہ خانوں نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور شیعہ کے شیخ طبرسی نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں جو کچھ جمع کر دیا ہے، اس کے ذریعے ان کے مخفی اور پوشیدہ امور کو بے نقاب کر دیا ہے، لہٰذا اس جیسا موقف چنداں مفید نہیں۔

انکار کا یہ مسلک وہ ہر اس مسئلے میں اختیار کرتے ہیں، جس میں وہ مسلمانوں سے منفرد اور علاحدہ ہیں۔ شیعہ کے شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الاستبصار" میں ایک سے زیادہ جگہوں پر تنبیہ کی ہے کہ جو اہلِ سنت کے ہاں مقامِ اتفاق اور اجماع ہو، اس امر میں تقیہ جاری ہوتا ہے۔[1]

اس قاعدے کے ساتھ انھوں نے ان تمام روایات کو توڑ کر رکھ دیا ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں اور آلِ بیت کا مذہب بیان کرتی ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اسی دھوکے اور جعل سازی کے پردے

← ابو زہرہ نے اس کے خلاف بغض کا اظہار کیا، اس پر بہت زیادہ طعنہ زنی کی اور اس کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔" (عقيدة الشيعة، ص: ١٦٢)

مزید کہتا ہے: کلینی قرآن میں نقص کا قائل نہیں، کسی مسلمان کے لیے کسی طور یہ قول اس کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، تو شیخ ابو زہرہ کا بلا احتیاط اسے اس کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس پر اتنے شدید حملے کرنا، کیوں کر روا ہے؟

میں کہتا ہوں: اس قول کی کلینی کی طرف نسبت کرنے میں اصل کردار خود ان کے شیعہ علما کا ہے اور اس کی کتاب الکافی اس پر شاہد ہے۔ یہ عار خود اس کے لیے اور تمام شیعہ کے لیے ابد الآباد تک ننگ اور عار ہے۔ اگر کتاب "الكافی" ائمہ اسلام کے ہاتھوں لگ جاتی تو ان کا اثنا عشریہ پر اس حکم کے علاوہ کوئی دوسرا ہی حکم ہوتا۔ شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ نے جو کہا ہے تو وہ کاشانی پر اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے، جس نے اپنی تفسیر "الصافي" میں اس کی نسبت کلینی کی طرف کی ہے۔ (تفسير الصافي: ١/ مقدمة: ٦، ص: ٥٢)

یہ کاشانی اثنا عشری مذہب کے ستونوں میں شمار ہوتا ہے، یہ "الوافي" کا مولف ہے، جو ان کے کتب اربعہ کا مجموعہ ہے، جس کو یہ اپنا معتبر ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خاتمۃ العلما اور محدث نوری نے بھی اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں اس کی نسبت کلینی ہی کی طرف کی ہے۔ دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٠۔ ٣١)

کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ ساری باتیں اہلِ سنت کی نظروں سے اوجھل ہیں؟ یہ کس طرح کلینی جیسے لوگوں کا دفاع کر سکتے ہیں، جس نے اس کفر کو تحریر کیا، جب کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی عزت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

[1] دیکھیں: الاستبصار (٤/ ١٥٥)

میں رہن سہن رکھا ہوا ہے، یہ ظاہر میں ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں، لیکن باطن میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

لیکن یہ تقیہ وقتِ حاضر میں بہت جلد بے نقاب ہو چکا ہے، کیوں کہ ان کی کتابیں اب اکثر لوگوں کی پہنچ میں ہیں۔ یہ نجفی، جس نے امام ابن حزم کے رد میں ان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کسی بھی شیعہ فرد کے کلام سے اس دعوے کو ثابت کر دیں، کیا وہ کافی اور بحار میں اس کذب بیانی کے متعلق روایات اور اس گمراہی کے متعلق اپنے علما کی تصریحات سے ناواقف ہے، جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے؟

کیا وہ یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اپنی اس بات کے ساتھ کسی ایسے شخص کو فریب دے سکے گا، جس کے پاس ان کی اس کفر کے راستے پر گامزن کتابوں میں سے کوئی کتاب موجود ہو؟ مقامِ تعجب ہے کہ وہ اپنی کتاب کی تیسری جلد میں تو اس نظریے کے شیعہ کی امہات الکتب میں وجود کا انکار کر رہا ہے، لیکن اپنی اسی کتاب کی نویں جلد میں خود واضح الفاظ میں اس کفر کا اقرار کر رہا ہے!

وہ، مہاجرین و انصار کی صدیقِ امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس عظیم الشان بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے، جس بیعت نے امت کو اکٹھا کر دیا اور دشمنوں کی سازشوں کو مٹا دیا، کہتا ہے:

> ''... یہ ایسی بیعت تھی، جس کی نحوست پورے اسلام پر چھا گئی، اس نے اہلِ اسلام کے دلوں میں گناہ بو دیے، قرآن میں تحریف کر دی اور احکام بدل ڈالے۔''[1]

بلکہ اس نے اسی کتاب میں ایک خود ساختہ آیت بھی ذکر کی ہے[2] ... اسی طرح یہ شخص جس امر کی نفی کر

---

[1] الغدیر (۹/ ۳۸۸)

[2] اس خود ساختہ آیت کی عبارت کچھ اس طرح ہے: "اليوم أكملت لكم دينكم بإمامته، فمن لم يأتم به وممن كان من ولدي (؟!) من صلبه إلى يوم القيامة فأولئك حبطت أعمالهم، وفي النارهم خالدون، إن إبليس أخرج آدم (علیہ السلام) من الجنة مع كونه صفوة الله بالحسد، فلا تحسدوا فتحبط أعمالكم، وتذل أقدامكم" (المصدر السابق: ۱/ ۲۱۴۔ ۲۱۶)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین اس کی امامت کے ساتھ مکمل کر دیا ہے، جو اس کی اقتدا نہ کرے اور ان کی بھی جو قیامت تک اس کی پشت سے میری اولاد میں سے ہوں گے (؟!) ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہونے کے باوجود محض حسد کی وجہ سے آدم کو جنت سے نکلوا دیا، لہٰذا حسد نہ کرو، کہیں تمھارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمھارے قدم پھسل نہ جائیں۔''

اس آیت کے یہ الفاظ اور معانی اتنے رکیک اور عامیانہ ہیں، جو اس کے خود ساختہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس کے باوجود یہ رافضی گمان کرتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: یہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے اور قارئین کو دھوکا دیتے ہوئے اس الزام کو محمد بن جریر طبری سنی کی طرف منسوب کیا ہے، اگر اس کی نسبت اس کی طرف درست ہے تو وہ محمد بن جریر رافضی ہے ... اس آدمی نے اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور ائمہ مسلمین پر الزام تراشی کی ہے۔

رہا ہے، خود اس کو ثابت کر رہا ہے۔ یہ اسلوب اور انداز، یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنا اور دوسری مرتبہ انکار اور لوگوں کے سامنے متضاد اقوال اور تناقض آمیز عبارتیں پیش کرنا، ایسا مسلک ہے جو ان کی احادیث اور علما کے کلام میں ایک قاعدے کی حیثیت سے جاری ہے۔

شیعہ کی روایات میں اس منہج کا سبب بھی بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عامہ یعنی اہلِ سنت ان کے مذہب کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں، لہٰذا وہ ان کے ساتھ کسی چیز کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کر سکیں گے۔[1] جہاں تک اس داستان کی نفی میں عبد الحسین کا اسلوب ہے تو اس میں دھوکا دہی اور مکاری کی بو آتی ہے، جس کی طرف صرف اس کا ذہن جا سکتا ہے، جو ان کے اسالیب اور حیلے بازیوں سے آشنا ہو چکا ہو۔

اس کی عبارت پر ذرا تامل کریں:

''قرآن کریم اپنی تمام آیات اور کلمات سمیت ہمارے طرق اور ہماری اسانید سے متواتر ہے۔''

یہ اپنے طرق سے متواتر قرآن سے کیا مراد لیتا ہے؟ کیا یہ وہ قرآن ہے جو ہمارے پاس ہے، یا وہ قرآن ہے، جو ان کے دعوے کے مطابق ان کے منتظر اور امامِ زمانہ کے ساتھ غائب ہے؟!

اس کا خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کرنا کہ وہ ''ان کے طرق اور ان کی اسانید'' سے متواتر ہے، اس سے اس دوسرے معنی کی طرف اشارہ محسوس کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ایک اہم سبب وہ توجہ اور اہمیت تھی، جو اسلام کی دو عظیم شخصیات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اس کو دی، پھر ان کے بعد ان کے بھائی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے اس کو جمع کر کے اور ایک قراءت پر تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ان کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور یہ سارا اہتمام اس ربانی وعدے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] کی تکمیل تھی۔

چنانچہ شیعہ کا اصحابِ ثلاثہ کے متعلق جو عقیدہ ہے، وہ معروفِ عام ہے، اس لیے یہ قرآن ان کے طرق سے متواتر نہیں، لیکن لطف اللہ صافی اور آغا بزرگ طہرانی نے اثنا عشری شیعہ کی اس بہت بڑی رسوائی، فضیحت اور عار (فصل الخطاب) کو چھپانے کی، جو چھپ نہیں سکتی، احمقانہ کوشش کی ہے۔ یہ ایک مایوسانہ کوشش ہے، خاص طور پر جب یہ کتاب شیعہ حلقوں سے نکل کر اہلِ سنت کے ہاتھوں تک بلکہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں تک بھی جا پہنچی ہے، جو اس امت اور اس کے دین کو نقصان پہنچانے اور سازشوں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔[2]

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٦٥) بحار الأنوار (٢/ ٢٣٦)

[2] محمد مہدی اصفہانی شیعہ نے تو اپنی کتاب "أحسن الوديعة" (ص: ٩٠) میں اس کا کھلے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

اس کتاب کے مولف نے اس کے مقدمے میں واضح الفاظ میں اس کی تالیف کا مقصد ذکر کیا ہے اور اپنی مراد پر خود ساختہ دلائل بھی پیش کیے ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا، تو کیا اس کتاب پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے، جس کے مولف نے اس میں ان کی تمام داستانیں، فرضی کہانیاں اور علما کے اقوال اکٹھے کر دیے ہیں، جو پہلے بکھرے ہوئے تھے؟

② اس کے وجود کا اعتراف اور اس کو جواز مہیا کرنے کی کوشش:

اس اعتراف نے کئی شکلیں اختیار کی ہیں، ان میں ایک قسم کے علما یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی تحریف قرآن کے متعلق بعض روایات ان کے پاس موجود ہیں، تاہم بقول اس کے یہ روایات:

''ضعیف، شاذ اور اخبارِ آحاد ہیں، جو علم اور عمل ثابت کرنے کے لیے غیر مفید ہیں، یا تو ان کی کسی طرح تاویل کی جائے، جو قابلِ قبول ہو یا انھیں دیوار پر دے مارا جائے۔''[1]

دوسری قسم کہتی ہے کہ یہ ثابت ہیں، لیکن: ''روایاتِ تحریف میں ائمہ کے قول: ''یہ اس طرح نازل ہوئی'' سے مراد تفسیر ہے یعنی تاویل اور باطنی معنی کے مقابلے میں، تنزیلِ قرآن کو مدِنظر رکھا جائے تو یہ معنی بنتا ہے۔''[2]

تیسری قسم کہتی ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن موجود ہے، اس میں کوئی تحریف نہیں، لیکن یہ ناقص ہے، اس میں حضرت علی کی ولایت کے متعلق مخصوص یا ساقط ہیں:

''بہتر یہ تھا کہ بحث کا عنوان: ''وحی میں نقص اور کمی (کیا خوب) ہوتا، یا کسی دوسری وحی کے نزول یا عدمِ نزول کی تصریح ہوتی، تاکہ کفار کے لیے کم عقل لوگوں کو یہ دھوکا دینا ممکن نہ ہوتا کہ اسلام کی کتاب میں خود مسلمانوں کے ایک فرقے کے مطابق تحریف ہوئی ہے۔''[3]

چوتھی قسم کا کہنا ہے:

''ہم شیعہ کی جماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے، جو دو جلدوں کے درمیان ہے، یعنی (کتابی صورت میں ہے) یہ وہی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیا ﷺ کے دل پر اتارا، اس میں کوئی کمی یا کوئی اضافہ داخل نہیں ہوا، یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے، جب شارع نے خود اس کی حفاظت کی ذمے داری اٹھائی ہے:

---

[1] محمد حسين آلِ كاشف الغطاء: أصل الشيعة (ص: ٦٣۔ ٦٤)

[2] الطبطبائي: الميزان في تفسير القرآن (١٢/ ١٠٨)

[3] آغا بزرگ الطهراني: الذريعة (٣/ ٣١٣۔ ٣١٤)

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

''ہم شیعہ (اثنا عشری) یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ایک قرآن تھا، جس کو امام علی (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تجہیز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں نافذ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

''وہ اس کو مسجد نبوی میں لے کر آئے تو عمر فاروق نے مسلمانوں سے یہ کہہ کر اسے پھینک دیا تھا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اور تمھارے پاس قرآن موجود ہے، تو امام علی اس کو اپنے گھر واپس لے آئے اور ہر امام اس کو خدائی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا رہا، تا آنکہ وہ امام مہدی قائم آلِ محمد کے پاس محفوظ ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کو جلد ظاہر کرے اور ہمارے لیے آسانی پیدا کرے۔''[1]

پانچواں نقطہ نظر کہتا ہے:

''ہمارے بعض قدیم علما اشتباہ کے شکار ہو گئے اور انھوں نے تحریف کا نظریہ اختیار کر لیا اور ان کے لیے عذر ہے، جس طرح ان کے لیے ان کا اجتہاد ہے، چاہے وہ غلط رائے اختیار کریں، لیکن ہم نے جب اس کی تحقیق و تفتیش کی تو ہمارے سامنے عدمِ تحریف ثابت ہوئی تو ہم نے یہی قول اختیار کیا اور اسی پر اجماع کیا۔''[2]

چھٹا گروہ کہتا ہے:

''یہ الزام اور جھوٹ بیانی ان شیعہ لوگوں کا مذہب ہے، جنھیں صحیح اور ضعیف روایات میں امتیاز کرنا نہیں آتا۔ یہ اخباری شیعہ ہیں۔ اصولی شیعہ اس باطل نظریے کا انکار کرتے ہیں۔''[3]

نقد و تبصرہ:

ان تمام سابقہ آرا پر ہم بالترتیب بحث کرتے ہیں:

① ان کا دعویٰ کہ یہ ''داستانیں'' شیعہ پیمانوں کے مطابق ضعیف اور شاذ روایات ہیں، کی تردید کے لیے تو یہی کافی ہے کہ ان کے علما مثلاً مفید کاشانی اور نعمت اللہ جزائری وغیرہم نے تکرار کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے کہ یہ روایات مشہور اور متواتر ہیں، بلکہ مجلسی نے تو اس کی روایات کو ''امامت'' کی روایات کی طرح کثیر اور

[1] الخراساني: الإسلام علی ضوء التشیع (ص: ٢٠٤)

[2] الشیعة والسنة في المیزان، محاکمة بقلم س خ، نشر نادي الخاقاني (ص: ٤٨۔ ٤٩)

[3] دیکھیں: الطبطبائي: في تعلیقه علی الأنوار النعمانیة (٢/ ٣٥٩)

مشہور و مستفیض قرار دیا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

مزید برآں یہ نظریہ شیعہ کے بڑے اور نامور علما کے ایک گروہ کا مذہب بن چکا ہے۔ اس کے باوجود ان کے ایک بڑے عالم کا ان روایات پر ان کی ۔ان کے علما کے بقول۔ کثرت کے باوجود، شاذ ہونے کا حکم لگانا، اس مذہب میں بہت بڑے پیمانے پر جھوٹ کے عام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اعلان کردہ حکم اگر سچائی پر مبنی ہے تو اسے شیعہ کے دیگر مسلمانوں سے شاذ عقائد پر حکم لگانے کے لیے ایک مہمیز اور محرک ہونا چاہے، اسی طرح اس کو شیعہ کی روایات پر تنقید اور ان کے رجال پر جرح کے لیے بھی نقطہ آغاز ہونا چاہیے اور جنھوں نے یہ روایات روایت کی ہیں اور اس کو مذہب قرار دے دیا ہے، ان پر قطعاً اعتبار نہیں کرنا چاہیے، مثلاً کلینی اور ابراہیم قمی وغیرہ، جن کا شیعہ مذہب میں اس کفر کو داخل کرنے اور پھیلانے میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔[1]

② یہ کہنا کہ اس کے متعلق شیعہ روایات کا مقصود ان بعض نصوص میں تحریف ہے، جو قرآنِ کریم کی آیات کی تفسیر میں نازل ہوئیں، تو یہ قول قرآنِ کریم کے دفاع میں نہیں، بلکہ اس افسانے کی مزید تاکید ہے، کیوں کہ جس نے ان نصوص اور کلمات میں تحریف کی اور انھیں رد کرتے ہوئے قرآنِ کریم سے ساقط کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ کریم کی تفسیر اور بیان میں نازل ہوئیں تو اس کا یہ فعل آیات میں تحریف اور ان کا رد ہی ہے۔ جو معنی میں امین نہیں، لفظ میں کس طرح اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

پھر اگر معانی ہی مفقود ہو جائیں تو الفاظ کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر اس گروہ کی نظر میں تحریف ہے تو قمی، کلینی اور مجلسی نے قرآنِ کریم کے معانی میں جو تحریفات کی ہیں، وہ کس طرح تفسیر ہیں، جن کے بارے میں عربی زبان کے ساتھ ادنیٰ سا تعلق رکھنے والا بھی قطعاً شک نہیں کرتا کہ یہ تحریفات اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد اور تحریف ہیں؟!

اگر قرآنِ کریم کے معانی ہی مفقود ہو جائیں اور منتظر (امامِ زمانہ) کے ساتھ ہی غائب ہو جائیں تو امت اس کی آیات سے کس طرح ہدایت پا سکے گی یا اس طرح حیران و سرگرداں، گم گشتہ راہ رہے گی، اس کے بعد

[1] لیکن اس قول کا قائل جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، محمد حسین آلِ کاشف الغطاء، ان بعض شیعہ ملحدین کی عظمت کے قصیدے پڑھتا ہے، جنھوں نے علی الاعلان اس کفر کا اظہار کیا، چناں چہ وہ نوری طبرسی کے بارے میں کہتا ہے، جو فصل الخطاب کا مولف ہے: "حجة الله على العالمين، معجب الملائكة بتقواه" فرشتے بھی اس کے تقوے پر تعجب کرتے ہیں، وہ ایسا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جاتا تو کہا جاتا: یہ نوری ہے، مولانا ثقة الاسلام محمد حسین کاشف الغطا، مقدمہ کشف الاستار، لحسین نوری طبرسی، مطبع موید العلماء الجدیرة قم ۱۳۱۸، یہ مدح نوری کے اس جرم کے ارتکاب کے بعد ہوتی ہے!

دیکھیے کہ انھوں نے ہمارے سامنے ائمہ سے منقول تفسیر قرآنِ کریم کا جو نمونہ پیش کیا ہے، اس کے جھوٹ کو پہچاننے کے لیے اس پر تامل کرنا ہی کافی ہے۔ اس کو وہ ''تفسیر الٰہی'' کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے، جسے ۔ان کے الزام کے مطابق۔ صحابہ کرام نے رد کر دیا تھا؟

پھر افسانہ تحریف کی نصوص و روایات کی یہ تاویل ان میں سے بہت ساری روایات کے ساتھ میل بھی نہیں کھاتی، کیوں کہ ان کی ان خود ساختہ روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ قرآنی نص اور عبارت میں ۔ان کے نظریے کے مطابق۔ اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ اور کلمات کے ساتھ تبدیلی کی گئی۔[1]

لہٰذا یہ تاویل اس کفر اور ننگ سے نکلنے کا محفوظ راستہ نہیں ...ان کے متعلق صحیح اور سچا موقف یہی ہے کہ ان کو رد کر دیا جائے اور جو اس کا اعتقاد رکھتا ہے، اس کی مرویات کو بھی رد کر دیا جائے، کیوں کہ وہ شخص اہلِ قبلہ میں شامل نہیں۔

③ یہ قول کہ قرآنِ کریم ناقص ہے اور اس میں تحریف نہیں ہوئی، یہ بھی پہلے قول کی طرح دفاع نہیں، بلکہ ان کی کہانیوں اور فرضی داستانوں کی تاکید اور اثبات ہے اور دفاع کی صورت میں کتاب اللہ میں عیب جوئی ہے۔

امت کس طرح ناقص قرآن سے راہِ ہدایت حاصل کر سکتی ہے؟ جو اس کے ایک حصے کو ساقط کرنے کی ہمت اور استطاعت رکھتا ہے، وہ باقی ماندہ میں تحریف بھی کر سکتا ہے، لیکن کسی چیز کا اپنے اصل پر ہونا موجبِ تعجب نہیں ہوتا اور اس قول کا قائل آغا بزرگ طہرانی ''فصل الخطاب في تحريف كتاب رب الأرباب''

---

[1] مثال کے طور پر وہ یہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ میں جہاں تحریف ہوئی ہے، ان میں ایک یہ آیت بھی ہے: ''كنتم خير (أئمة) أخرجت للناس'' اس میں تحریف کرتے ہوئے ائمہ کو ''أمة'' میں بدل دیا گیا، جس میں زنا کار، لونڈے باز، چور، ڈاکو، ظالم، شراب نوش، فرائض میں کوتاہی کرنے والے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے سب داخل ہیں، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے حامل افراد کی مدح سرائی کر رہے ہیں؟

(یعنی اس روایت کا وضع کرنے والا، اللہ اس پر لعنت کرے! قرآنِ کریم اصحابِ رسول ﷺ کی مدح کرتا ہے اور شیعہ کا دین ان کو سب وشتم کرنے پر قائم ہے، چنانچہ انھوں نے محض اس سبب کی وجہ سے کتاب اللہ ہی میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے)۔

اسی طرح یہ آیت بھی ہے: ''ان تكون أمة هي أربىٰ من أئمة'' تو اس کو انھوں (صحابہ) نے ''أمة'' بنا دیا۔

اسی طرح یہ آیت: ''وكذلك جعلناكم ''أئمة'' وسطاً (بين الرسول وبين الناس)'' تو انھوں نے اس میں تحریف کرتے ہوئے اسے ''أمة'' بنا دیا۔

سورت عم میں بھی ایسے ہی ہوا: ''ويقول الكافر يا ليتني كنت ترابيا'' انھوں نے اس میں تحریف کر کے اس کو ''ترابا'' بنا دیا، کیوں کہ رسولِ کریم مجھے اکثر ابو تراب کے لقب سے پکارا کرتے تھے اور اس جیسی آیات بہت زیادہ ہیں۔'' (بحار الأنوار: ۹۳۔ ۲۶۔ ۲۸) تو کیا یہ اور اس جیسی روایات ان کی اس تاویل کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ روایات تفسیر کی قسم سے ہیں؟

کے مولف نوری طبرسی ہی کا شاگرد ہے۔

اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ طہرانی یہ خیال ظاہر کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ فصل الخطاب کے مولف نے اس سے بالمشافہہ کہا تھا کہ اس نے یہ کتاب قرآن کریم کے دفاع میں لکھی ہے، لیکن اس کا نام رکھنے میں غلطی کھائی۔[1] وہ بڑی مکاری اور فریب کاری کے انداز میں اپنے باطل عقیدے کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے اور یہاں اس دفاع کے ذریعے وہ صریح الفاظ میں یہ انکشاف کر رہا ہے کہ قرآن کا باقی حصہ اور وحی کا تکملہ ابھی باقی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہوتا کہ تحریف کے بجائے یہ عنوان ہوتا: ''نقصِ قرآن'' یا ''دوسری وحی الٰہی کا نزول'' یہ بات کہہ کر وہ یہ گمان کر رہا ہے کہ اس میں دشمنوں کے سامنے قرآنِ کریم کا دفاع ہے؟

یہ ہے اس کی قرآنِ کریم اور اسلام کے دفاع کی حقیقت! سبحانك هذا بهتان عظيم!

④ چوتھی قسم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے منتظر اور امامِ زمانہ کے پاس ایک قرآن موجود ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین مکمل نہیں ہوا، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة: ٣]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔''

پھر بندوں کو اس کتاب کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے، جو صدیوں سے ان کے منتظر کے ساتھ غائب ہے؟ اگر اس کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے تو شیعہ کا، ان صدیوں میں گزرنے والے شیعہ کے متعلق، جن میں ان کے اسلاف بھی شامل ہیں، کیا حکم ہوگا؟ کیا وہ گمراہی پر ہیں؟ اگر امت اس کے بغیر بھی ہدایت حاصل کر سکتی ہے تو پھر ان دعووں کی کیا قدر و قیمت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام ''خرافات'' روافض کے تمام شذوذ اور انحراف پر پیروانِ شیعیت کو مطمئن کرنے کی کوشش ہے، جن کی کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں، چنانچہ انھوں نے پیروانِ مذہب کو یہ کہہ کر چکمہ دینے کی کوشش کی کہ ان کی دلیل (اگر اس قرآن میں نہیں تو کیا ہوا) دوسرے یا مکمل یا بالتفسیر غائب قرآن میں منتظر کے پاس ہے۔

پھر ایک دوسرے قرآن کے وجود کا مسئلہ اور کتاب اللہ پر اعتراض اور تنقید کا مسئلہ یہ دونوں شیعہ کی اساسی کتابوں میں ایک ہی مسئلہ ہے، جو ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی نے مکمل قرآن جمع کیا اور اس کو صحابہ کے پاس لے کر آئے، لیکن انھوں نے اسے قبول نہ کیا اور ایک دوسرا قرآن تالیف

---

[1] أعلام الشيعة، القسم الثاني (١/ ٥٥٠)

کرلیا، جس سے ولایتِ علی کے متعلق آیات حذف کر دیں اور یہ مزعوم قرآن ائمہ کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتا رہا، تا آنکہ منتظر کے پاس آ پہنچا۔ یہ رافضی اور اس کا ہم مسلک حقیقت کو چھپانے اور دھوکا دینے کا مرتکب ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ مسلمان قاری کو بتدریج اس جھوٹ اور الزام (قرآن کے منتظر کے پاس موجود ہونے) کا قائل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

⑤ پانچواں گروہ کہتا ہے کہ تحریف کا قول غلط رائے اور گمراہی ہے۔ پہلے ہم بھی اسی کے قائل تھے، لیکن پھر ہمارے سامنے حق واضح ہوگیا، تو ہم نے اس سے رجوع کر لیا... ایک مسلمان کے لیے یہ خوش کن بات ہے کہ وہ اس فاسد مذہب کو چھوڑ دیں ...لیکن اس قول میں تقیے کا اثر بھی ہوسکتا ہے ....، کیوں کہ اس نظریے کے حاملین اور اس کفر پر مشتمل کتابیں ان کی نگاہ میں مقامِ احترام رکھتی ہیں، جب کہ اس مسئلے میں موقف کی سچائی، اس کا اعتقاد رکھنے والوں اور ان کی کتابوں سے براءت اور لاتعلقی کے اعلان کا تقاضا کرتی ہے، جس طرح کلینی اور اس کی کتاب کافی ہے اور قمی اور اس کی تفسیر ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام لوگ جو اس کفر کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان تمام سے اظہارِ لاتعلقی ضروری ہے۔

کیوں یہ لوگ آج تک شیعہ کے لیے قیادت اور ثقاہت کی حیثیت رکھتے ہیں؟ کیوں ان کی کتابوں پر عقیدہ وشریعت کے مسائل حاصل کرنے کے لیے بطور مآخذ اور مصادر اعتبار کیا جاتا ہے اور کیوں ان کے اقوال کی توثیق کی جاتی ہے اور ان کے افعال کی تقلید کی جاتی ہے؟!!

پھر یہ دعویٰ کہ تمام اثنا عشریہ اس نظریے سے رجوع کر چکے ہیں، شیعہ کے معاصر عالم حسین نوری طبرسی کی اپنی کتاب ''فصل الخطاب'' میں کی گئی کارروائی سے ٹوٹ جاتا ہے، جس نے اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب تحریر کی۔

یہ شیعہ کے معاصر سید علی تقی بن سید ابوالحسن نقوی لکھنوی (پیدائش ۱۳۲۳ھ) کی کتاب ''تحریف القرآن'' سے بھی ہوا بردوش ہوجاتا ہے، جو اردو زبان میں ہے۔[1] ان دونوں کتابوں کے علاوہ بھی ان کی اس گمراہی کے متعلق کئی کتابیں ہیں (جو اس دعوے کی دھجیاں بکھیر دیتی ہیں)۔

ہم نے پہلے آغا بزرگ طہرانی اور امینی نجفی وغیرہما سے جو نقل کیا ہے، یہ اس کے بھی خلاف ہے، چنانچہ ابھی تک ان کا ایک گروہ اس گمراہی کی دشت نوردی میں گرداں ہے اور اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ پھر ایک ایسے معاملے میں یعنی کتاب اللہ کے محفوظ اور صحیح سالم ہونے میں مسلمانوں کا اجماع ہوچکا ہے، تو اس کے

[1] الذريعة إلى تصانيف الشيعة (٣/ ٣٩٤)

بارے میں یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے، اس کے لیے اس کا اپنا عذر اور اجتہاد ہے؟ کیا یہ کوئی اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں کسی عذر یا تاویل کی کوئی گنجایش ہو؟!

⑥ آخری گروہ کا جو یہ مذہب ہے کہ اس نظریے کے تمام اثنا عشریہ قائل نہیں، بلکہ یہ شیعہ کے ایک فرقے اخباریہ کا موقف ہے، جو صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز نہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ قول شیعہ کے قدیم عالم شریف مرتضی نے بھی کہا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اس میں جن امامیہ نے اختلاف کیا ہے، ان کے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے کہ اس میں اختلاف (شیعہ) اصحاب الحدیث کی طرف منسوب ہے، جنھوں نے ضعیف روایات نقل کیں اور انھیں صحیح گمان کر لیا۔ ان جیسی روایات کے ساتھ ایک معلوم اور قطعی طور پر درست (نظریے) سے رجوع نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

اسی طرح شیعہ کے اپنے زمانے کے سب سے بڑے مرجع تقلید جعفر نجفی (م ۱۲۲۷ھ) نے بھی تاکید کے ساتھ یہی کہا ہے کہ یہ کذب بیانی ''اخباریہ'' کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن وہ (کشف الغطاء کا مولف) اصولی ہونے کے باوجود شیعہ کی کتابوں میں تحریف کے متعلق وارد شدہ روایات کے بارے میں ایک ایسا مذہب اختیار کرتا ہے، جو اس کے بھائی اخباریوں کی رائے سے کچھ کم خطرناک نہیں، وہ یہ ذکر کر کے کہ یہ جھوٹ اور الزام اخباریہ کی رائے ہے، جو عقل و نقل اور دین کے ضروری امور کے علم کی روشنی میں باطل ہے، کہتا ہے:

''ان روایات کو یا تو آسمانِ دنیا کی طرف نزول سے پہلے پیدا کیے گئے کلمات[2] میں کمی پر یا آسمانِ دنیا سے زمین پر نازل ہونے سے پہلے نقص پر محمول کرنا ضروری ہے، یا اس کی تفسیر میں اس کے معنی میں نقص اور کمی پر محمول کرنا۔ اس کوتاہ فہم کی نظر میں قوی یہ ہے کہ ان روایات کو زمین پر نازل ہونے کے بعد کمی واقع ہونے پر محمول کیا جائے، اس طرح قرآن کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ قسم جس کو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو سنایا، انھوں نے اسے لکھا، یہ ان کے درمیان رہا اور اس کے ساتھ اعجاز واقع ہوا، لیکن دوسری قسم کو چھپا لیا اور اس کو امیر المومنین کے سوا کسی پر ظاہر نہ کیا، اس کے بعد ان کی طرف سے یہ باقی ائمہ کو دے دیا گیا اور اب وہ صاحبِ زمان کے پاس محفوظ ہے، میں اس پر قربان جاؤں۔''[3]

---

[1] الطوسي في التبيان (١/ ٣) الطبرسي في مجمع البيان (١/ ١٥)

[2] کیوں کہ۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ معتزلہ کے منہج کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

[3] كشف الغطاء (ص: ٢٩٩)

کشف الغطا کا مولف، جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں، ان کہانیوں اور اساطیر کی تکذیب کرنے کی جرأت نہیں کر سکا، جس طرح مرتضٰی نے کیا، بلکہ تکلفات اور مکاریوں کے وسیع صحرا میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا اور جس سے بھاگا تھا، اس سے بھی برے موقف کا مکمل طور پر یا تقریباً شکار ہوگیا۔

اس نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی ایک قسم چھپا لی، جو اللہ نے آپ پر نازل کی تھی اور آپ نے اپنی امت میں حضرت علی کے سوا کسی کو اس کی خبر نہ دی، پھر حضرت علی نے اس کو اپنے بیٹوں کے پاس چھپا دیا اور وہ آج امام منتظر کے پاس ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا افترا ہو سکتا ہے؟!

③ اس کفر کا علانیہ اظہار اور استدلال:

اس مصیبت کا اصل مصنف اور بانی حسین نوری طبرسی نامی شخص ہے، جو ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوا اور اس نے اس داستان کے اثبات میں ''فصل الخطاب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ شائد تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ شیعہ کی متفرق کہانیوں، ان کے علما کے اقوال اور ان کی خود ساختہ آیات کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا اور اسے طبع اور شائع کیا گیا۔ یہ کتاب ان کے لیے ابد الآباد تک ننگ اور ان کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکا رہے گی۔

اگر مسلمانوں کے پاس قوت اور اقتدار ہوتا تو اس کتاب اور اس کے مولف پر مقدمہ چلایا جاتا اور اس کی روشنی میں اثنا عشریہ کے اسلام میں داخل ہونے یا اس سے خارج ہونے کا فیصلہ سنایا جاتا، تاکہ مسلمان ان بھاڑے کے ٹٹوؤں سے خلاصی پاتے، جو عالمِ اسلام میں شیعیت پھیلانے کے لیے، پھیل چکے ہیں اور وہ جاہل پیروانِ شیعیت بھی جاگ جاتے اور ہوش کے ناخن لیتے، جن کو شیعہ علما نے دھوکے کا نشہ پلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیعیت میں سے صرف یہی جانتے ہیں کہ وہ آلِ بیت کی محبت کا دوسرا نام ہے، جو ان کو بلا حساب جنت میں داخل کر دے گی!!

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الشیعة والقرآن'' میں اس کتاب کا بہت بڑا حصہ شائع کر دیا ہے اور اس افترا پرداز کے دلائل اور شبہات بھی ذکر کیے ہیں۔ اگرچہ عصرِ حاضر میں اثنا عشریہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، لیکن علامہ صاحب نے کسی تبصرے یا تنقید کے بغیر محض اقتباسات اور نصوص ذکر کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے ... لہٰذا اس کی سنگینی اپنی جگہ برقرار ہے، کیوں کہ شیعہ مولف نے بالخصوص اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لیے بارہ شبہات اور اعتراضات پیش کیے ہیں، اگرچہ ان کی تارِ عنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں، لیکن ان میں ایسی باتیں ضرور موجود ہیں، جو بعض ان افراد کی نگاہوں سے اوجھل رہ سکتی ہیں، جن کا دینی علم کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو، لہٰذا ضروری تھا کہ ان خرافات کو بے نقاب کیا جاتا،

شبہات کومسل دیا جاتا اور ان کی جڑوں کو اکھاڑ دیا جاتا۔

درج ذیل صفحات میں اس کتاب کے مندرجات کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا مولف معاصرین[1] میں شمار ہوتا ہے، نیز اللہ کی مدد سے اس کی غلطیوں اور شبہات کا بھی ازالہ کیا جائے گا۔ چوں کہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی کتاب عالم اسلام کے ہر علاقے میں پہنچ چکی ہے، جو اس بنا پر کہ معاملہ اتنا واضح ہے کہ محتاجِ بیان نہیں، کسی تنقید یا رد سے خالی ہے۔ اس الزام کو صرف پیش کر دینا، اس کے بطلان کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے، مَیں بھی اس سے متفق ہوں کہ اس الزام کے اصل اور آغاز کے اعتبار سے یہی کافی ہے، لیکن اس نے جو شبہات پیدا کیے ہیں، ان کی تردید کرنا اور ان کی گمراہی واضح کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔

مولف کتاب نے اثنا عشریہ کے قرآنِ کریم میں تحریف کے متعلق عقیدے کو بے نقاب کر دیا ہے، اس نے اس کے متعلق ان کی متفرق روایات کو جمع کیا ہے، جو دو ہزار سے زیادہ ہیں اور اس نے شیعہ علما کی یہ وضاحت بھی نقل کی ہے کہ یہ تمام متواتر روایات ہیں، اس نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تحریف اور اس پر اتفاق کا الزام دیا ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ یہ استثنا بھی بس صورت کی حد تک ہے، وگرنہ اس کی اس بات کہ ''تمام نے اتفاق کر لیا'' کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بھی ان میں شامل ہیں، کیوں کہ وہ قرآن جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ،ان کے دعوے کے مطابق، تحریف سے محفوظ تھا، اس کو حضرت علی نے اپنے ایامِ خلافت میں بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔

اس کے بعد اس نے اپنی کتابوں سے ۱۰۶۲ روایات پیش کی ہیں، جن کی اکثریت قرآنِ کریم کی آیات کے متعلق کہتی ہیں کہ یہ غلط ہیں اور وہ اپنی افسانوی کتابوں سے ان کی درستی نقل کرتا ہے، اس طرح اس نے اس امر کا رد اور انکار کیا ہے، جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس شَے پر راضی اور مطمئن ہے، جو الزام تراشوں کی غلیظ فکر کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح اس نے بعض ایسی سورتوں کو مکمل ذکر کرنے سے بھی کسی بزدلی یا خوف کا مظاہرہ نہیں کیا، جن کو شیعہ حلقے آپس میں نقل کرتے ہیں، لیکن ان کا مصحف میں کوئی ذکر تک نہیں۔ ان کی عبارتوں اور معانی میں جھوٹ اور افترا کی علامات اتنی واضح ہیں، جو کسی عجمی جاہل کی نظروں ہی سے اوجھل ہو سکتی ہیں اور ان کو کسی مفاد پرست زندیق کے سوا کوئی شخص رائج اور عام نہیں کر سکتا۔

---

[1] اسی کتاب کے صفحہ (۲۵۹) پر شیعہ کی ان کتابوں کے ضمن میں، جن میں یہ افسانہ ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔ یہاں ہم اس کتاب کے اعتراضات اور مندرجات پر بحث کریں گے۔

اس نے اپنے گروہ کے ان علما کے موقف کا بھی رد کیا ہے، جنھوں نے تحریف کا انکار کیا اور اس نے یہ بیان کیا ہے کہ قدما کا انکار تقیے کی بنا پر تھا، نیز جو تحریف کی روایات کا انکار کرتا ہے، اس کے لیے امامت کی روایات کا انکار کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ان دونوں میں تلازم اور گہری وابستگی ہے۔ یہ کتاب جو اس کفر پر مشتمل ہے، ایران میں ۱۲۹۸ھ کو چھپی۔ جونہی یہ باہر نکلی، بہت زیادہ شیعہ پریشان ہوگئے، اس کیفیت کو شیعہ کے ایک عالم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آپ حوزہ علمیہ (شیعوں کا مرکزِ علم) کی جس مجلس میں داخل ہوتے ہیں، وہاں آپ کو اس کتاب، اس کے مولف اور ناشر کے خلاف ایک آواز اور شور سنائی دیتا ہے، وہ اس کو خوب جلی کٹی سناتے ہیں۔''[1]

استاذ محبّ الدین خطیب کا خیال ہے کہ اس شور وغل کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ صحتِ قرآن میں تشکیک ان کے مخصوص افراد تک ہی محدود رہنی چاہیے اور ان کی سیکڑوں معتبر کتابوں میں مختلف مقدمات پر متفرق ہی رہے، ان تمام معلومات کو ایک کتاب میں جمع کر کے اس کے ہزاروں نسخے شائع نہ کیے جائیں کہ حریف بھی اس سے واقف ہو جائے اور وہ تمام لوگوں کی نظروں میں ان کے خلاف ایک مجسم حجت بن جائے۔

وہ رقم طراز ہے:

''جب شیعہ کے اصحابِ دانش نے یہ اعتراضات اور ملاحظات ظاہر کیے تو اس کتاب کے مولف نے ان کی ان ملاحظات میں مخالفت کی اور ایک دوسری کتاب لکھ دی، جس کا نام ''رد بعض الشبهات عن فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب'' رکھا۔''[2]

اگر غالی شیعہ عقیدۂ تقیہ کی بنا پر، جو ان کا قلعہ اور جائے امان بن چکا ہے، اکثر اوقات اس جگ ہنسائی اور رسوائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ شور وغل جو برپا ہوا، اس میں اس کفر کے قائل نے بھی شرکت کی اور اس فضیحت سے، جس نے ان کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کے عقیدے کے انتشار کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی، اپنے دین کو بچانے کے لیے اور اپنی قوم کی شہرت خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کو چھپانا لازمی سمجھا، تو میں استاذ محبّ الدین خطیب کی طرح اس عقیدے کو بالجزم تمام شیعہ کا عمومیت کے ساتھ عقیدہ قرار نہیں دے سکتا، کیوں کہ شیعہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو تسلسل کے ساتھ اس کفر کا انکار کرتا ہے اور اس سے براءت کا اظہار کرتا ہے، بہ ظاہر اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے کتاب ''فصل الخطاب'' کے رد بھی

---

[1] المرعشي: المعارف الجليلة (ص: ۲۱)

[2] الخطوط العريضة (ص: ۱۱)

لکھے ہیں، جس طرح شیعہ کے عالم آیت محمد حسین مرعشی نے اپنی کتاب "رسالة في حفظ الكتاب الشريف من شبهة القول بالتحريف" میں لکھا ہے۔ یہ "فصل الخطاب" کا جواب ہے۔[1]

اسی طرح ہم "فصل الخطاب" کے مطالعے کے دوران میں یہ امر بھی ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ ہی میں سے اس جھوٹ (تحریف) کا انکار کرنے والوں پر رد کرتا اور ان سے اس بارے میں جھگڑتا ہے، جو شخص بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا، وہ دیکھے گا کہ نوری نے یہ کتاب شیعہ میں سے اس کفر کا انکار کرنے والوں کو مطمئن اور قائل کرنے کے لیے تحریر کی ہے۔[2]

پھر فصل الخطاب کے مولف نے جو بقول محبّ الدین "رد بعض الشبهات عن فصل الخطاب" کے نام سے جواب لکھا ہے، وہ بہ ظاہر اس شخص کا جواب نہیں، جس نے یہ کہا: اس مسئلے کو ان کے درمیان خفیہ ہی رہنا چاہیے تھا، کیوں کہ جو محبّ الدین اشارہ کر رہا ہے، اس کی بہ ظاہر کچھ یوں صورت بنتی ہے، جب فصل الخطاب چھپ کر سامنے آئی تو ان کے معرب طہرانی کے نام سے مشہور عالم محمود بن ابو القاسم نے ایک کتاب میں اس کا جواب لکھا، جس کا نام "كشف الارتياب في عدم تحريف الكتاب" رکھا۔

"الذريعة" کے مولف نے "كشف الارتياب" کے مصنف کا جو پہلا رد ہمارے سامنے پیش کیا، وہ تحریف کے انکار پر دلالت کرتا ہے، اس کو چھپانے کی دعوت نہیں دیتا۔

صاحب "الذريعة" کہتا ہے:

"کشف الارتیاب کا پہلا شبہہ[3] یہ ہے کہ اگر تحریفِ قرآن ثابت ہو جائے تو یہودی کہہ سکتے ہیں کہ عدمِ اعتبار کے لحاظ سے ہماری اور تمھاری کتاب میں کوئی فرق نہیں۔"[4]

تو طبرسی نے اس کا جواب "الرد على كشف الارتياب"[5] میں لکھا، محبّ الدین شاید اسی کی طرف

---

[1] یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوع ہے۔ (دیکھیں: المعارف الجليلة، ص: ٢١)

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٠ وما بعدها)

[3] دیکھیے! وہ اس کے جوابات کو شبہات کا نام دے رہا ہے، کیوں کہ اس کفر میں "الذريعة" کے مصنف اور "فصل الخطاب" کے مولف دونوں کا ایک ہی مذہب ہے، وہ اس کفر کی گہرائی میں اترتے ہوئے "كشف الارتياب" کے دلائل کو شبہات کا نام دے رہا ہے، کیوں کہ "فصل الخطاب" کا مولف آغا بزرگ طہرانی کا استاذ ہے اور اس نے اس کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کی مدح و تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔

[4] دیکھیں: آغا بزرگ الطهراني: الذريعة إلى تصانيف الشيعة (١٨/ ٩) حرف الكاف، و (١٠/ ٢٢١) حرف الزاء.

[5] دیکھیں: المصدر السابق (١٠/ ٢١١)

اشارہ کر رہے ہیں۔ "الذریعة" کا مصنف کہتا ہے:

''وہ ہر اس شخص کو تلقین کرتا تھا، جس کے پاس فصل الخطاب موجود تھی کہ وہ اس کے ساتھ اس رسالے کو بھی ملا لے، جس میں ان شبہات کا ازالہ ہے، جو اس پر شیخ محمود نے اٹھائے تھے۔ یہ فارسی میں ہے اور ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔''

طبرسی کا صاحبِ "کشف الارتیاب" کی دلیل کے رد میں جواب اس کی پیچھے ہٹنے اور پسپائی اختیار کرنے کی ایک کوشش اور تناقض کی برہان ہے۔ وہ کہتا ہے:

''یہ لفظی مغالطہ ہے، کیوں کہ تحریف سے مراد وہ نہیں، جو تم نے لفظ کے ظاہر معنی پر محمول کرتے ہوئے سمجھا ہے، یعنی تغییر، تبدیلی، زیادتی اور کمی وغیرہ، جو تمام معانی یہود اور دوسروں کی کتابوں میں ثابت اور واقع ہیں، بلکہ تحریف سے مراد بالخصوص صرف کمی مراد ہے، وہ بھی بالجزم احکام کی آیات میں نہیں۔

جہاں تک اضافے کی بات ہے، تو تمام مسلمان فرقوں کا اجماع اور اسلام کی طرف منسوب ہر گروہ کا عمومی اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں، جو ان دو جلدوں کے درمیان کتابی صورت میں جمع ہے، کسی ایک کلام کا بھی اضافہ نہیں ہوا، خواہ وہ کلام اس کی چھوٹی ترین آیت کی مقدار کے برابر ہی ہو، جس پر فصیح کلام کا اطلاق ہوسکتا ہو، بلکہ تمام اہلِ قبلہ کا اتفاق و اجماع ہے کہ مکمل قرآن میں ایک کلمے کا بھی اس لحاظ سے اضافہ نہیں ہوا کہ ہمیں اس کی جگہ کا علم نہ ہو، تو کہاں وہ اجمالی کمی جو ہماری مراد ہے اور کہاں وہ تحریف، جس کو ظاہر لفظ پر محمول کیا گیا؟ یہ لفظی مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟''[1]

دونوں رسالوں میں جو بحث ہوئی، یہ اس کا ایک حصہ ہے، جو "الذریعة" کے مصنف نے ہم تک نقل کی ہے۔ وہ یہ بیان کر رہا ہے کہ مکالمہ تحریف کے وقوع اور عدمِ وقوع کے متعلق تھا نہ کہ اس الزام کو چھپانے کے وجوب پر، لیکن یہ بات اس خیال کی قطعاً نفی نہیں کرتی کہ شیعہ کے ہاں کوئی ایسا نقطہ نظر اور رجحانِ فکر موجود ہو، جو مذہب کی حرمت بچانے کی خاطر اس کو چھپانا ضروری خیال کرتا ہو۔

لیکن اس حکم کو وہ تمام پر بالعموم لگانے کی نفی کرتا ہے، مزید برآں صاحب "الذریعة" کے کلام میں، جو اس نے ''فصل الخطاب'' کے مولف کے فارسی رسالے سے تلخیص کیا ہے اور ہم نے اس کو اسی کے اسلوب اور انشا میں نقل کیا ہے، جس پر عجمیت کا اثر بالکل واضح ہے، آمیزش، تناقض اور تقیہ بھی موجود ہے، جس کی عمومی طور

---

[1] الذریعة (١٠/ ٢٢١)

پر روافض کی عادت کے مطابق اثنائے کلام میں دلیل گھڑ لی جاتی ہے۔[1]

اس کتاب کو اس کے مولف نے (علیه من الله ما یستحق) تین مقدمات اور دو ابواب میں ترتیب دیا ہے۔ پہلے مقدمے میں اس نے اپنی ان روایات کا مجموعہ نقل کیا ہے، جو ان زندیقوں کے تصور کے مطابق جمع و تدوینِ قرآن کے متعلق ہیں، جس طرح ان کے دین کے ثقہ کی روایت ہے، جو کہتی ہے:

''جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اس نے سارا قرآن اسی طرح جمع کیا ہے، جس طرح نازل ہوا، وہ کذاب ہے، اس کو، جس طرح اللہ نے نازل کیا، حضرت علی اور ان کے بعد ائمہ کے سوا کسی نے نہ جمع کیا اور نہ حفظ کیا۔''

یہ شیعہ کا ایک آدمی (علی رضی اللہ عنہ) کی عصمت اور پوری امت کی گمراہی کے عقیدے پر مبنی قول ہے اور یہ اس فارسی ماحول کا نتیجہ ہے، جو اپنے بادشاہوں کو تقدس کے ہالے میں گھیرے رکھتے تھے۔ یہ عقلاً بھی کتنی سخیف اور گھٹیا بات ہے کہ جس پر پوری امت کا اجماع ہو، اس کو رد کر دیا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان میں صرف ایک کی نقل کا اعتبار ہے، باوجودیکہ اس دعوے کا ان زندیقوں کے خیالات کی دنیا کے سوا کہیں وجود ہی نہیں۔ حضرت علی اور پوری امت اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن نہیں جانتی، اس کے بعد وہ ''علی کے قرآن'' سے نقل جاری رکھتا ہے، جس میں ۔شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ ایک حرف بھی کم نہیں ہوا اور اپنی چند روایات پیش کرتا ہے، جن کو دیکھ کر قاری بڑی آسانی سے یہ سمجھ جاتا ہے کہ شیعہ عقل، خرافات کی بڑی جلد بازی کے ساتھ تصدیق کرنے والی عقلوں میں داخل ہے، وہ ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہے، جس کا ان کے افسانوں کے سوا کہیں وجود نہیں اور اس قرآن کا انکار کرتی ہے، جس پر امت کا اتفاق ہے، جس میں ائمہ بھی شامل ہیں۔

---

[1] مثلاً دیکھیے! اس نے مطلقاً اضافے کی نفی کی، پھر اس کے بعد کہا: بلکہ تمام قرآن میں اس اعتبار سے ایک کلمے کا بھی اضافہ نہیں ہوا کہ ہم اس کی جگہ نہ جانتے ہوں، اس کی یہ بات سنیے: ''ہم اس کی جگہ نہ جانتے ہوں'' اس جملے کے ساتھ وہ خفیہ انداز میں "فصل الخطاب" کے مولف کے مذہب کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس مذہب پر اس کے ساتھ اتفاق ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ کے کلام میں اضافہ ہوا ہے۔

"فصل الخطاب" کا مولف قرآنِ کریم میں تبدیلی کی صورت ذکر کرتے ہوئے، جو اس کے شیطان نے اس کے دل میں ڈالی، کہتا ہے: ''سات: کلمے کا اضافہ جیسے اس آیت: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں "عن" کا اضافہ۔ (فصل الخطاب، ص: ۲۵)

ایسے ہی اس کا یہ کہنا کہ قرآنِ کریم میں کمی ہوئی ہے، اس کو اس آیت: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] ''بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔'' کی تکذیب اور تردید سے خارج نہیں کرتا۔

یہ اساطیر بیان کرتی ہیں کہ حضرت علی نے قرآنِ کریم جمع کیا اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا، لیکن انھوں نے اسے رد کر دیا۔ ان روایات میں اس شیعی کی خبر بھی ذکر کرتا ہے، جس نے ان کے اس منتظر سے ملاقات کی، جو اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔

اس روایت میں منتظر اس سے کہتا ہے:

''جب سید البشر حضرت محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے اور قریش کے دو صنموں[1] نے خلافت نصب کر کے جو کیا سو کیا، تو امیر المومنین نے سارا قرآن جمع کیا، اس کو اِزار میں رکھا اور ان کے پاس لے کر آئے، وہ سب مسجد میں تھے، پھر ان سے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں اس کو تمھارے سامنے تم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے دن حجت قائم کرنے کے لیے پیش کر دوں، تو اس امت کے فرعون اور نمرود[2] نے کہا: ہمیں تمھارے قرآن کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے کہا: مجھے میرے حبیب محمد ﷺ نے تمھارا یہ جواب بتایا تھا، میں نے یہ کہہ کر صرف تم پر حجت قائم کی ہے، پھر امیر المومنین اپنے گھر لوٹ آئے۔

''اس کے بعد ابن ابی قحافہ نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا: جس کسی کے پاس بھی قرآن کا کوئی حصہ کوئی آیت یا کوئی سورت ہے، اس کو لے کر آؤ، تو ابوعبیدہ بن جراح، عثمان، سعد بن ابی وقاص، معاویہ بن ابی سفیان، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبد اللہ، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت اور مسلمانوں کی جماعتیں جو کچھ ان کے پاس تھا، سب لے کر آ گئے۔ انھوں نے اس قرآن کو جمع کیا اور وہ مثالب اور عیوب جو ان سے صادر ہوئے، انھوں نے ان کو سید المرسلین کی وفات کے بعد اس سے ساقط کر دیا، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی آیات غیر مرتبط اور بے ڈھنگی ہیں، جب کہ وہ قرآن جس کو امیر المومنین نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر جمع کیا، وہ صاحبِ امر کے پاس محفوظ ہے۔ اللہ جلدی جلدی اس کی رہائی کا بندوبست کرے۔ اس میں ہر چیز موجود ہے، حتی کہ خراش کا تاوان بھی مذکور ہے، اس قرآن میں کوئی شک ہے نہ اس کی صحت ہی میں کوئی شبہہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ صاحبِ امر سے ایسے ہی یہ بیان جاری ہوا۔''[3]

---

[1] ان دونوں سے وہ صدیق امت اور فاروقِ امت کو مراد لیتے ہیں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سلطنتِ اسلام قائم کی۔

[2] ان کی مراد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے بلادِ فارس فتح کیے اور وہاں اسلام پھیلایا، جس کی ان حاسدوں کے نزدیک یہ سزا ہے کہ انھیں سب وشتم اور تکفیر کا نشانہ بنایا جائے!

[3] فصل الخطاب (ص: ۹۔ ۱۰)

یہ اقتباس ہم نے طویل ہونے کے باوجود نقل کیا ہے، کیوں کہ ان کی اکثر روایات اس مضمون کے گرد گھومتی ہیں، جو اس میں بیان ہوا ہے۔ یہ مسئلہ اصل میں ان کے اصحابِ رسول کے خلاف حقد اور اس دین کے خلاف بغض کی پیداوار ہے، جس دین کے وہ حامل ہیں، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ صحابہ کے معائب اور عیوب کے بارے میں یہ گفتگو ہے اور ۔ان کے نظریے کے مطابق۔ جس نے قرآن جمع کیا، اس نے ان (صحابہ) کے عیوب پر مشتمل آیات حذف اور ساقط کر دیں، ان لوگوں نے اس سربستہ راز سے پردہ اٹھایا۔ وما تخفي صدورهم أكبر!!

پھر اگر ۔ان کے دعوے کے مطابق۔ صحابہ کرام نے اس قرآن کا انکار کر دیا تو وہ ان کے بعد آنے والی نسلوں اور زمانوں سے کیوں چھپا رہا؟ اگر صحابہ پر حجت قائم ہوگئی تو ان کے بعد میں آنے والوں پر تو قائم نہیں ہوئی؟ پھر حضرت علی جب اپنی خلافت کے دور میں قوت اور اقتدار رکھتے تھے تو تب انھوں نے حجت قائم کیوں نہ کی؟

شیعہ کی داستانیں خود ایک دوسری کو جھٹلاتی ہیں، اگر ۔ان کے دعوے کے مطابق۔ صحابہ کرام نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا امت میں ان تمام صدیوں کے مراحل اور ادوار میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا، جو اس کو قبول کر لیتا؟ ان میں وہ بھی شامل ہے، جس نے ائمہ کی صحبت پائی اور منتظر سے شرف بازیابی بھی حاصل کیا؟ شیعہ کی حکومتیں اور سلطنتیں بھی رہیں، تو ان سے یہ کیوں محجوب رہا اور غائب کے ساتھ اس کی سرداب اور کمین گاہ میں چھپا رہا؟

کیا یہ بات ہر صاحبِ فکر و بینش کو یقین دلانے کے لیے کافی نہیں کہ دوسرے دلائل تو ایک طرف رہے، یہ دعویٰ محض ایک خرافت اور بکواس ہے، بلکہ ”فصل الخطاب“ کے مولف نے تو اس مقدمے میں ایسی روایات بھی نقل کی ہیں، جو کہتی ہیں کہ حضرت علی سے جب صحابہ نے اس قرآن کا مطالبہ کیا، جو انھوں نے ان کے لیے لکھا تھا، تو انھوں نے یہ کہہ کر انھیں دینے سے انکار کر دیا کہ اس کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں اور پاک صرف بارہ امام ہیں۔[1]

خود حضرت علی ۔جس طرح یہ الزام تراشی کرتے ہیں۔ نے قرآن کے ابلاغ سے انکار کر دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ صرف ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے مخصوص ہے۔ اس بات کا تو کوئی ایک مسلمان بھی قائل نہیں، امیر المومنین حضرت علی تو ایک طرف رہے۔

اس کلام کا مقصود اہلِ بیت کی گستاخی اور ان کی عیب جوئی ہے، اس لیے شیعہ کے بعض فرقوں، مثال کے طور پر کاملیہ، کا یہ مذہب ہے کہ امیر المومنین ۔نعوذ باللہ۔ کافر ہوگئے۔ یہ آثار جنھیں اثنا عشریہ کی کتابوں نے جمع

[1] فصل الخطاب (ص: ٧)

کیا ہے، اس مذہب کا باعث ہیں۔ یہ لوگ شیطان کے شیعہ ہیں، حضرت علی کے شیعہ نہیں۔ جو لوگ امیر المومنین کو ان افتراءات اور ان جیسی خرافات سے مبرّا قرار دیتے ہیں، حقیقت میں وہی ان کے شیعہ اور انصار ہیں۔

اس کی کتاب کا دوسرا مقدمہ تحریف کی ان صورتوں پر مشتمل ہے، جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اللہ میں واقع ہوئیں یا انھیں نہیں ہونا چاہیے تھا، چنانچہ اس نے وہ چند شکلیں پیش کی ہیں، جو اس کے شیطان نے اس کے دل میں ڈالیں۔

اس نے یہ فیصلہ سنایا ہے:

''کسی سورت کا اضافہ یا اس کو کسی دوسری میں تبدیل کرنا یہ ناممکن الوقوع چیز ہے۔''[1]

کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٣]

''اور اگر تم اس کے بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی مثل ایک سورت لے آؤ۔''

وہ کہہ رہا ہے کہ وہ قرآن جو مسلمانوں کے پاس ہے، اس میں اصلاً کوئی اضافہ نہیں ہوا، کیوں کہ انسان اس جیسی سورت بنا کر لانے سے قاصر ہیں، لیکن اس کی اس بات کی تردید اس سے ہو جاتی ہے، جب وہ یہ دعویٰ کرتا ہے:

''سورت کا کم ہونا جائز اور ممکن ہے، مثال کے طور پر سورۃ الولایۃ۔''[2]

گویا یہ بات کہہ کر وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کتاب اللہ میں کمی ہوتی ہے، اس کی مثال وہ سورت ولایت کے ساتھ دیتا ہے، لیکن یہی دعویٰ بلاشک وشبہہ کتاب اللہ میں ایک سورت کے اضافے پر ضمناً دلالت کرتا ہے، جس کے متعلق اس نے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ وہ ناممکن الوقوع ہے، کیوں کہ اس خود ساختہ سورت کی عبارت ہی اس کے جھوٹ اور مَن گھڑت ہونے پر گواہی پیش کرتی ہے، جس کا بعض شیعہ علما نے بھی اظہار وانکشاف کیا ہے۔[3]

یہ سورت مَن گھڑت عبارت، گری ہوئی اور سستی ترکیب اور بے قیمت معانی پر مشتمل ہے، جس کو پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ اس کو گھڑنے والا کوئی عجمی اور جاہل شخص ہے۔ جس طرح آگے ذکر ہوگا۔

وہ مزید کہتا ہے:

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

[2] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

[3] شیعہ کے عالم محمد جواد بلاغی نے اپنی تفسیر "آلاء الرحمن" (ص: ٢٤) میں اس کا اظہار کیا ہے۔

''قرآن میں کسی آیت کا اضافہ یا کسی آیت کا دوسری کے ساتھ بدل جانا بھی بالاجماع غیر موجود ہے،
پھر وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ کہ ''آیت کا کم ہونا ممکن ہے۔''[1] اپنی ہی بات کی تردید کر رہا ہے۔

البتہ قرآن میں کسی کلمے کے اضافے کے بارے میں وہ اپنی فرضی داستانوں کی روشنی میں کہتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور اس کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے:

''جس طرح اس آیت: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں ''عن'' کا اضافہ ہے۔''

وہ یہ افترا بازی کرتا ہے کہ قرآن میں کلمہ ''عن'' زیادہ ہے۔ رافضہ کی اس دعوے سے یہ غرض ہے کہ انفال (مالِ غنیمت) رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھا، پھر یہ آپ ﷺ کے بعد ان کے بارہ معصوم ائمہ کے لیے ہے اور صحابہ کرام رسول اللہ سے جو سوال کرتے تھے، تو وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو اس سے بطورِ صدقہ کچھ دے دیں، ان کا اس کے حکم کے بارے میں سوال نہیں تھا، رافضہ کے لیے یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوتا، جب تک وہ کلمہ ''عن'' کو حذف نہ کریں۔

پھر وہ کہتا ہے:

''اس کا کم ہونا، یعنی کسی کلمے کا کم ہونا، تو یہ بہت زیادہ واقع ہوا ہے، جیسے کئی جگہوں پر ''في علي'' یعنی ۔ان کے عقیدے کے مطابق۔ حضرت علی کا نام قرآن میں وارد ہوا، لیکن صحابہ نے اس کو حذف کر دیا۔

یہ دعویٰ ان پیروانِ مذہب کو چپ کروانے کے لیے ہے، جن کے دل میں شیعہ مذہب کے بارے میں شک نے ڈیرے ڈال لیے تھے، جس کی کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان قریب ترین اور اولین اسباب میں ایک سبب ہے، جس نے رافضہ کو یہ نظریہ پیش کرنے پر مجبور کیا۔ جہاں تک اس نظریے کے بعید اسباب اور جڑیں ہیں، تو وہ اصلاً شیعیت کی عمارت کو توڑنا اور شیعہ کو کلی طور پر اسلام سے دور رکھنا ہے۔

اس کے بعد وہ کتاب اللہ میں مزعوم تبدیلی کی صورت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کلمات کی تبدیلی بھی ایک پہلو ہے۔ وہ اپنی خرافات کی راہنمائی میں ثابت کرتا ہے کہ ایسا ہوا ہے، مثال کے طور پر ذکر کرتا ہے: ''جیسے اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ [آل عمران: ٣٣] میں آلِ محمد کو آلِ عمران کے ساتھ بدل دیا گیا۔

شیعہ کی اس تحریف سے واضح غرض یہ ہے کہ وہ کسی وسیلے سے یہ ثابت کر سکیں کہ ان کے ائمہ کا

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

کتاب اللہ میں ذکر ہوا ہے، کیوں کہ آلِ عمران کا تو ذکر ہو رہا ہے، لیکن شیعہ کے ائمہ کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ اس کے بعد حرف کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اپنی اساطیر کے تقاضے کے مطابق خیال ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اضافہ ہونا یا اس کی کمی ہونا، دونوں باتوں کا احتمال موجود ہے، بلکہ ایسا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''حرف کا کم ہونا، جیسے آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ [آل عمران: ١١٠] میں ''ہمزہ'' کا کم ہونا اور اس آیت: ﴿يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا﴾ [النبأ: ٤٠] میں ''ي'' کا کم ہونا۔''

اس افترا پردازی کا ہدف بالکل عریاں ہے، ان لوگوں کی لغت میں امت محمد یہ ایسی قوم ہے، جن کے خلاف ان کے سینے حسد و بغض کی آگ میں جل رہے ہیں، کیوں کہ اس امت نے ان کے ممالک فتح کیے، ان کی بادشاہیاں گرا دیں اور ان کے درمیان اسلام کو پھیلا دیا۔ یہ امت شیعہ کے اعتقاد میں ملعون اور ظالم ہے، جب اللہ تعالیٰ ان کی ثنا خوانی کرتے ہیں تو ان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ اس ثنا خوانی کو اپنے بارہ اماموں کے ساتھ مخصوص کر دیں، جن میں آخری درحقیقت پیدا ہی نہیں ہوا، اس لیے انھوں نے کہہ دیا کہ یہ لفظ ''أمة'' نہیں بلکہ ''أئمة'' ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنے افترا کے زور پر اس آیت ﴿تُرَابًا﴾ میں ''ي'' کا اضافہ کرنے کی جسارت کی، تا کہ اس کو ''ترابیاً'' بنا دیا جائے اور حضرت علی کی طرف اس کی نسبت پیدا کر دی جائے، جن کا ابو تراب لقب تھا۔ اس کے مطابق کافر یہ کہے گا کہ کاش میں ترابی ہوتا، یعنی حضرت علی کا شیعہ ہوتا۔ خدا معلوم یہ کافر یہ خواہش کیوں نہیں کرے گا کہ کاش میں محمدی ہوتا؟ کیا علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں؟

یہ اور اس طرح کی دیگر ہذیان گوئیاں ہیں، جنھوں نے شیعہ کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا اور ان کے چہرے پر ابدی ذلت کی کالک مل دی۔

تیسرا مقدمہ: یہ مقدمہ اس نے قرآنِ کریم میں تبدیلی اور غیر تبدیلی کے متعلق اپنے فرقے کے علما کے اقوال ذکر کرنے کے لیے قائم کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''جان لیجیے! شیعہ کے اس کے بارے میں مشہور دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس میں تبدیلی اور کمی واقع ہوئی ہے۔'' اس کے بعد اس نے اس قول کے قائل اپنے علما کا ذکر کیا ہے، جن میں ایک قمی ہے، جس نے اپنی تفسیر میں یہ کہا اور دوسرا کلینی ہے، جس نے کافی میں اس کا ذکر کیا۔ یہ دونوں اس کے بقول وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اس میں غلو کیا اور اس عقیدے کی کثیر تعداد میں روایات ذکر کیں۔

اسی طرح مجلسی نے ''مرآة العقول'' میں، صفار نے ''بصائر الدرجات'' میں، نعمانی نے ''الغيبة''

میں، عیاشی اور فرات کوفی نے اپنی اپنی تفسیروں میں، شیعہ کے مفید نے "المسائل السروية" میں اور شیعہ کے محدث بحرانی نے "الدرر النجفية" میں اس مذہب کا اقرار کیا ہے۔

اسی نہج پر اس نے اپنے مذہب کے مشہور علما کے نام گنوائے ہیں، جو اس افسانے پر یقین رکھتے تھے، ساتھ ساتھ ان کو بھاری بھرکم القاب سے بھی یاد کیا ہے یا بعض کے بارے میں یہ کہا ہے:

''یہ ان لوگوں میں ہے، جن کی کوئی لغزش معلوم نہیں ہوسکی۔'' (حالانکہ اس کے گمراہی میں ڈوبنے اور کفر میں پھیلنے کے لیے یہ نظریہ ہی کافی ہے)

اس کے بعد اس نے اپنے علما کے نام ذکر کیے ہیں، اس کفر کے موضوع پر ان کی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے بعض الفاظ سے استشہاد بھی کیا ہے، جنھوں نے درحقیقت ان آخری زمانوں میں تشیع کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، مثال کے طور پر اس کا اپنے عالم ابو الحسن شریف، مولف "مرآة الأنوار" کا یہ قول نقل کرنا، جو اس نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے: ''یہ نظریہ شیعہ مذہب کی ضروریات اور اساسیات میں داخل ہے۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع نہیں ہوئی۔ جو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تھا، وہ آج لوگوں کے پاس سارا مجلد صورت میں موجود ہے۔

یہ موقف صدوق نے اپنی کتاب "العقائد" میں، سید مرتضیٰ نے اور شیخ الطائفہ نے "التبيان" میں اپنایا ہے اور قدما میں ان کا کوئی بھی ہم خیال نہیں، بہ جز اس کے جس کا مفید نے اہلِ امامہ کی ایک جماعت سے ذکر کیا ہے، جس سے بہ ظاہر اس کی مراد صدوق اور اس کے ہم نوا ہیں۔''[2]

آپ دیکھ رہے ہیں، جس طرح ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، وہ اس نظریے کو شیعہ مذہب کا اصل اور قاعدہ قرار دے رہا ہے، وگرنہ قدیم علمائے مذہب اس کفر سے کہیں دور تھے ...اس جھوٹ کے اصل اور آغاز کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اس کے بعد اس نے منکرین کی چند عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی کتابوں میں اس جھوٹ کے موقف میں وارد شدہ روایات کی روشنی میں ان کے انکار اور مخالفت پر بحث کی ہے، پھر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ ان کا انکار حقیقی نہیں تھا، بلکہ اہلِ سنت کو دھوکا دینے کی غرض سے تھا۔[3]

---

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٢)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٣٣ وما بعدها)

پہلے باب میں اس نے، اس کے الفاظ میں، ان دلائل کا ذکر کیا ہے، جن سے انھوں نے استدلال کیا، جن سے قرآن میں تبدیلی اور کمی کے وقوع پذیر ہونے پر استدلال کرنا ممکن ہے۔ اس میں اس نے اپنے ائمہ کی تعداد کے برابر ۱۲ شبہات پیش کیے ہیں:

پہلا شبہہ:

یہ ملحد کہتا ہے:

''پہلی دلیل: یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے نبی کی وفات کے بعد اپنی اپنی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کی، لہٰذا یہ امت بھی ضروری ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی وفات کے بعد قرآن میں تبدیلی کرے، کیوں کہ جو کام بنی اسرائیل میں واقع ہوئے، ان کا صادق اور مصدوق نبی اکرم ﷺ کی خبر کے مطابق، اس آیت میں واقع ہونا بھی لازمی ہے۔''[1]

جواب:

اس شبہے کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے:

① ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں وقوع پذیر ہوا، وہ امتِ محمدیہ ﷺ میں بھی ضرور رونما ہوگا، لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عموم سے وہ کام خارج ہو جاتے ہیں، جن کے خارج ہونے پر دلیل دلالت کرے۔

بنا بریں تحریفِ قرآن اس عموم سے نصِ قرآن کی دلیل کی بنا پر خارج ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

کیا اس سے بھی قوی کوئی چیز ہوسکتی ہے کہ قرآن کی نص حدیث کے عموم کی تخصیص کرے؟ ان لوگوں کی عقلیں کہاں گم ہیں؟! اسی لیے باقلانی نے کہا ہے:

''تمھاری سب سے پہلی جہالت تو یہی ہے کہ تم نے خبر واحد کو لے کر یہ قطعی بات کہہ دی کہ قرآن میں تبدیلی اور تغیر ہوا ہے اور جو اس سے قوی تر دلیل ہے، اس کو تم رد کر رہے ہو؟''[2]

پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے تورات کو محفوظ رکھنے کا مطالبہ کیا اور یہ امانت ان

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٦)

[2] نکت الانتصار (ص: ١٠٤)

کے سپرد کی، لیکن انھوں نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کی حفاظت نہ کی، بلکہ عمداً اس کو ضائع کر دیا، لیکن قرآنِ کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کسی کے سپرد نہیں کی، تاکہ اس کو بھی ضائع کر دینا ممکن ہو سکے، اس لیے خود اس کی ذاتِ کریم ومقدس نے اس کام کی ذمے داری اٹھائی، جس طرح اس آیت ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] ''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔'' نیز اس آیت: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ [فصلت: ٤٢] اور دیگر آیات میں اس کی وضاحت ہے۔[1]

کیوں کہ قرآنِ کریم آخری آسمانی کتاب ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی اور رسولِ کریم ﷺ آخری رسول ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی وحی بھی منقطع ہو چکی ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت فرمائی، تاکہ وہ قیامت تک امت کے لیے نورِ ہدایت کا منبع بن کر رہے۔

۴ اس کا یہ دعویٰ کہ جو بھی بنی اسرائیل میں واقع ہوا، وہ اس امت میں بھی ضرور واقع ہوگا، اس مقدمے کو مطلقاً تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس مقدمے پر جو نتیجہ اس نے مرتب کیا ہے، وہ بھی جھوٹا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہ ایسے مقدمے پر بنا رکھتا ہے، جس کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے تو اپنے انبیا کو قتل بھی کیا تھا اور یہ کام اس امت میں نہیں ہوا، اگرچہ منافقوں کی ایک جماعت اور بچھڑے کے پجاری بنی اسرائیل نے یہ گھناؤنی کوشش کی تھی، لیکن امتِ اسلامیہ میں اس کی کوئی نظیر وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ مقدمہ مطلق نہیں اور تحریفِ قرآن کا اس عموم سے، اس نص کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی ہے، مستثنیٰ ہونا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اگرچہ منافقوں کے کچھ گروہوں نے شیعیت کی آڑ میں یہ مذموم کوشش کی ہے۔

ہماری امت بنی اسرائیل سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہے کہ اس میں ہر وقت ایک حق پرست گروہ موجود رہتا ہے، جن کو مخالفین قیامت تک کوئی نقصان اور کسی رسوائی سے دوچار نہیں کر سکتے، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ باہر سے کوئی دشمن مسلط نہیں کریں گے، جو ان کی نسل کشی کر دے۔

یہ دونوں باتیں رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ رہے گا، جو حق پر قائم ہوگا، ان کو ان کی مخالفت کرنے والے قیامت

[1] دیکھیں: الشنقيطي: أضواء البيان (۲/ ۱۰۰۔ ۱۰۱)

تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"[1]

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا:

"آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان پر ان کے باہر سے کسی دشمن کو مسلط نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی، آپ ﷺ نے یہ بھی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عمومی قحط سے ہلاک نہ کرے، اللہ نے یہ بھی آپ کو دے دیا، پھر یہ سوال کیا کہ ان کی آپس میں لڑائی سخت نہ ہو تو اللہ نے یہ سوال پورا نہ کیا۔"[2]

ہم سے پہلے لوگوں میں خلاف عام تھا، حتی کہ ان میں ایک بھی ایسا گروہ نہیں تھا، جو ظاہراً حق پر قائم ہو اور اس کی مدد کی گئی ہو، اس لیے دشمن ان پر مسلط ہوتا اور ان کی بیخ کنی کر دیتا، جس طرح بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا۔ دو مرتبہ بیت المقدس کو ویران کیا گیا اور ان کا کوئی بادشاہ نہ بچا۔[3]

❸ اگر ہم جدلیاتی طور پر تسلیم کر بھی لیں کہ قرآن مذکورہ نص کے ساتھ اس عموم سے نہیں نکلتا تو وہ تحریف جو شیعہ کرتے ہیں، وہ معنوی تحریف ہے اور لفظی تحریف کی کوشش ہے اور جو ہم نے ان کی طرف سے پیش کیا ہے، وہ اس کی واضح دلیل ہے، لیکن وہ اپنے اہداف حاصل نہیں کر سکے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت کی نص اور صریح عبارت کے مطابق اس کی حفاظت کی ذمے داری اٹھائی ہے۔[4]

دوسرا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ دیکھیں: (ص: ٤٤٥)

[2] صحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض (٣/ ٢٢١٦) رقم الحديث (٢٨٩٠) سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في سؤال النبي ﷺ ثلاثاً في أمته (٤/ ٤٧١۔ ٤٧٢) رقم الحديث (٢١٧٥، ٢١٧٦) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب ما يكون من الفتن (٢/ ٣٠٣) رقم الحديث (٣٩٥١) مسند أحمد (١/ ١٧٥، ١٨١۔ ٣/ ١٤٦، ١٥٦۔ ٥/ ١٠٨، ٢٤٠، ٣٤٣۔ ٦/ ٣٩٦)

[3] منهاج السنة (٣/ ٢٤٢)

[4] اس جگہ ڈاکٹر محمد رشاد سالم رحمہ اللہ نے مجھے لکھوایا: "دونوں امتوں کے فعل میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں، جنھوں نے بالفعل اور عملاً تحریفِ قرآن کی کوشش کی ہے، جس طرح رافضہ شیعہ نے کیا، یا جنھوں نے اس کی باطل اور پر تکلف تاویل کی کوشش کی، جس طرح جہمیہ نے کیا ...لیکن نتیجہ مختلف ہے۔ امت بنی اسرائیل میں بالفعل تحریف ہوئی، جنھوں نے تورات کو چھپا دیا اور تحریف شدہ تورات باہر نکال لی۔ عیسائیوں نے اپنی انجیل کے ساتھ بھی ایسے ہی کیا، لیکن امتِ محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی کتاب قرآن کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے۔"

''دوسری دلیل: قرآنِ کریم جمع اور اکٹھا کرنے کی کیفیت عموماً اس میں تبدیلی اور تحریف کے رونما ہونے کومستلزم ہے۔ علامہ مجلسی نے ''مرآۃ العقول'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا کہنا ہے: عقل فیصلہ سناتی ہے کہ اگر قرآن لوگوں کے پاس متفرق اور منتشر تھا اور غیر معصوم نے اس کو جمع کرنے کی ٹھانی تو یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ وہ جمع مکمل اور حقیقت کے مطابق ہو۔''[1]

جواب:

یہ شبہہ امامی عقل وفکر پر مبنی ہے، جو تمام امت کو، اگر وہ اجماع بھی کرے، تو بھی حتماً غلط ہی قرار دیتی ہے اور صرف امت کے ایک فرد کی رائے کو (جو نبی نہیں) درست کہتی ہے۔ یہ بات اس کے ان الفاظ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے کہ ''غیر معصوم نے اس کو جمع کرنے کی ٹھانی'' یہ رائے باطل اور شکستہ ہے، جس طرح ہم نے عصمت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی ہے۔ جس کی بنیاد ہی باطل ہو، وہ باطل ہی ہوتا ہے۔

اس کا اس شبہے کو بنا کر پیش کرنے کا اسلوب اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امامیہ کے اکثر شیوخ وعلما بہتان باز اور واضح حقائق کو جھٹلانے والے اور جھوٹوں اور خرافات کی تصدیق کرنے والی قوم ہے۔ قرآنِ کریم جمع کرنے کا کام ضبط و اِتقان کے دقیق ترین اور ثقہ ترین ذرائع کے ذریعے عمل میں لایا گیا، کاتبینِ وحی، وحی لکھتے ہیں، حفاظ اس کو حفظ کرتے ہیں، پوری کی پوری امت قرآنِ کریم کی آیات اپنی نمازوں اور حلقوں میں بار بار دہراتی ہے، جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی ہے، وہ اس کو یاد کرنے، لکھنے، سیکھنے اور اس پر عمل کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن میں کسی حرف کا اضافہ ہو یا اس سے کوئی دوسرا حرف کم ہو جائے، اس لیے امت نے اس پر اجماع کیا اور اجماع معصوم ہے۔

چنانچہ تمام شیعہ فرقوں میں صرف اثنا عشریہ کی طرف سے جو یہ دعویٰ پیش کیا گیا، جو ایسے قرآن کے بارے میں کہتے ہیں، جس کو حضرت علی نے جمع کیا اور وہ ان کی نگاہ میں کامل ہے اور جس پر امت نے اجماع کیا، اس کا انکار کرتے ہیں، اس دعوے کو ہم نے اپنی عقلوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ سناتی ہیں؟ ہم ان معنوں میں سے کس کو سچا کہیں، قرآن کو یا اس غائب کتاب کو جس کا کوئی اَتا پتا نہیں، جس کو نہ دیکھا گیا نہ جانا گیا، اس کا خروج خیالی منتظر کے ظہور کے ساتھ معلق ہے، جس کو۔ان کے اعتراف کے مطابق۔ صرف ایک فرد نے جمع کیا؟ شیعہ نے ہمارے سامنے اس کی آیات پیش کی، جن کا رب العالمین کا کلام ہونا

---
[1] فصل الخطاب (ص: ۹۷)

مستحیل ہے، کیوں کہ وہ اتنا سخیف کلام ہے کہ ایک عام آدمی کے معیار سے بھی پست ہے، رب العالمین کا معجزانہ کلام تو ایک طرف رہا؟!

ہم نے دیکھا کہ شیعہ جس کی طرف یہ مزعوم کتاب منسوب کرتے ہیں، وہ بھی اسی قرآن کو پڑھ کر عبادت کرتا ہے، جو مسلمانوں کے پاس ہے، لیکن شیعہ اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ تقیہ کرتے ہوئے اس قرآن کو پڑھتا تھا! کیا اس جیسے کام میں تقیہ جائز ہے، جس کے نتیجے میں دین ہی ضائع ہو جائے اور نسلیں گمراہ ہو جائیں؟

یہ ایسا نظریہ ہے کہ تمام شواہد بول بول کر اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے سامنے اس گروہ کی حقیقت بے نقاب ہو جائے، جو امت اسلامیہ میں لمبی صدیوں تک تقیے کی آڑ میں رہتا رہا ہے۔

یہ بھی معلوم حقیقت ہے کہ امت کا صدیق اکبر اور امیر المومنین حضرت عثمان کے ادوار میں جمعِ قرآنِ کریم کا کارنامہ صحابہ کے اجماع کے ساتھ وقوع پذیر ہوا اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دستے کے سربرآوردہ تھے، پھر اکثر متداول قراءات، خود شیعہ کے اقرار کے مطابق، متواتر سندوں کے ساتھ انھی کی طرف لوٹتی ہیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جانے والی ان تمام اسانید میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں، جو امت کے قرآن کے مخالف ہو، بلکہ امیر المومنین حضرت علی نے مصحف کے معاملے میں انجام دیے کارنامے پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔[2]

تو کیا صاف آسمان پر چمکنے والی سورج کی روشنی کا انکار کر دیا جائے اور ایسے اساطیر کی تصدیق کی جائے، جن کو امت اور دین کے دشمنوں کی ایک ٹولی نے نقل کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے، جو اپنے اَتباع کو کتاب اللہ سے اعراض کرنے اور ایک خیالی من گھڑت کتاب کے انتظار کی دعوت دیتا ہے، جو ایک خود ساختہ امام یا ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے سے اپنی کمین گاہ میں بھاگے ہوئے ایک شخص کے پاس ہے؟!

اس موہوم کتاب کے ساتھ بندوں پر کس طرح حجت قائم ہو سکتی ہے؟ جب کہ شیعہ کو اس مصحف کا کوئی علم ہے نہ ان کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی ہے۔ یہ محض گمان کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو لگا رہے ہیں۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۶) دیکھیں۔
[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۶۳) دیکھیں۔

تیسرا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''اکثر عامہ اور خاصہ کی ایک جماعت نے منسوخ آیات کی اقسام میں ایسی آیات کا ذکر کیا ہے، جن کی تلاوت منسوخ ہے، حکم نہیں اور ان کا بھی ذکر کیا ہے، جن کی تلاوت اور حکم دونوں ایک ساتھ منسوخ ہیں۔ انھوں نے دونوں قسموں کی مثالیں پیش کی ہیں اور بہت ساری ظاہر بلکہ صریح روایات نقل کی ہیں، جو بعض آیات یا کلمات کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، جن کا متداول قرآن میں کوئی اثر اور وجود نہیں، لیکن یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس میں تھے اور اصحاب اس کی تلاوت کرتے تھے۔

''انھوں نے ان کو ان دونوں اقسام میں سے ایک قسم پر محمول کیا ہے، حالانکہ اس میں کوئی ایسا اشارہ یا دلالت موجود نہیں۔

''چونکہ ہمارے نزدیک تلاوت منسوخ ہونا غیر واقع ہے، اس لیے یہ آیات اور کلمات ضروری ہے کہ ان کلمات اور آیات میں سے ہوں، جو قرآن سے ساقط ہوگئیں، یا انھوں نے عمداً یا جہلاً اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر ان کو ساقط کر دیا ہو اور یہی مطلوب ہے۔''[1]

جواب:

یہ شبہہ معاصر شیعہ کی زبانوں پر اکثر دہرایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے وہ قاری کی سوچ کو متاثر کرنے اس میں جگہ بنانے اور اس کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے اور ان کا ذکر اہلِ سنت کی روایات میں ہوا ہے، شیعہ کی تحریف کی روایات بھی انھی کی طرح ہیں۔

آپ اس فرقے کی جو کتاب بھی پڑھتے ہیں، جب اس جھوٹ کے موضوع پر گفتگو کا ذکر ہوتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ یہ اپنی کتابوں میں پھیلی ہوئی داستانوں کو اہلِ سنت کی احادیث میں منسوخ احادیث کے ساتھ جواز مہیا کرتے ہیں۔[2]

بلاشبہہ ان کی یہ حجت باطل اور بے کار ہے، کیوں کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] فصل الخطاب (ص: ١٠٦)

[2] جیسے عبدالحسین مولوی نے ''أجوبة مسائل جار الله''، محسن امین نے اپنی کتاب ''الشیعة بین الحقائق والأوهام'' میں، عبدالحسین رشتی نے ''كشف الاشتباه'' میں اور خنیزی نے ''الدعوة إلى وحدة أهل السنة والإمامية'' میں کیا ہے۔

﴿ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ﴾ [البقرۃ: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

لیکن تحریف بشر کا فعل ہے اور ان دونوں میں بعد بین المشرقین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ علما میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو ان داستانوں کی دلالت کے تقاضے کے مطابق اس مذہب (تحریف) کے قائل ہیں، لیکن اہلِ سنت میں کوئی عالم بھی اس جھوٹ کا قائل نہیں، کیوں کہ نسخ اس الزام سے ہٹ کر ایک بالکل دوسری چیز ہے، بلکہ مسلمانوں کے نزدیک تو اس افسانے کی اصلاً کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ سنت میں قرآن سے متعلق جس انحراف کے بارے میں بحث ہوئی ہے، وہ خلقِ قرآن کا مسئلہ یا اس سے ملتے جلتے دیگر اقوال ہیں، جو اہلِ سنت کے عمومی محور و مجالس میں پائے گئے، لیکن یہ مسئلہ تو اصلاً کبھی ان کے ہاں ذکر ہی نہیں ہوا، اس لیے نسخ کے قول کو تحریف کے قول کے مانند کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ کھلی گمراہی اور ارادی سازش ہے۔

ان آثار کی زیادہ سے زیادہ یہی دلالت ہے کہ وہ قرآن تھا، پھر رسولِ کریم ﷺ کی زندگی ہی میں، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، اس کو اٹھا لیا گیا، اس لیے ان آثار کو اہلِ سنت کے ہاں علومِ قرآن کے مباحث میں نسخ کی بحث میں رکھ دیا گیا اور کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال تک نہ آیا کہ یہ آثار نازل شدہ قرآن میں تحریف پر دلالت کرتے ہیں۔ اثنا عشریہ کے نزدیک اس افسانے کی روایات کے خلاف، جو تحریف کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کرتی ہیں، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، کیوں کہ یہ جھوٹوں کی ٹولی کی خبر کی تصدیق کرتی ہیں اور دین کے ضروری و اساسی امور، متواتر روایات اور اللہ اور اس کے رسول کی ان کے لیے گواہی کی تکذیب کرتی ہیں۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اہلِ سنت کے نزدیک، اس جیسا کوئی بھی کام کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں، اگر ہم الزامی طور پر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ انھوں نے ایسا کام کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ کوشش ممکن نہ ہونے دی، وگرنہ اس کے قول میں وعدہ خلافی لازم آئے گی، جو محال ہے، بلکہ ان سے ایسے کسی بھی عمل کا سہواً بھی صادر ہونا مستحیل ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

تلاوت کی منسوخی کا خود روافض بھی اقرار کرتے ہیں، اگرچہ اس نوری طبرسی نے اپنے باطل موقف کی تائید میں اس کا انکار کیا ہے اور یہ انکار تمام شیعہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اگر وہ اس نسبت کرنے میں صادق ہے تو وہ اپنے فرقے کے بعض معاصرین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اس مسئلے میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ غلو رکھتے ہیں۔

شیعہ کے شیخ طبرسی (المتوفی ۵۴۸ھ) نے اس مسئلے میں تلاوت منسوخ ہونے کے ثبوت کا اقرار کیا ہے، وہ مجمع البیان میں کہتا ہے:

''اسی کی قسم سے یہ بھی ہے، جہاں لفظ اٹھ جاتا ہے اور حکم باقی رہتا ہے، جس طرح رجم کی آیت ہے۔''[1]

طبرسی نے تحریف کا انکار کیا ہے اور شیعہ علما اس کے انکار سے، اپنے مذہب کی اس عار اور شرمندگی سے براءت ثابت کرنے کے لیے، استدلال کرتے ہیں، کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس کا تلاوت منسوخ ہونے کو ثابت کرنا تحریف کا موقف ہے۔

اس سے پہلے شیعہ کے شیخ طوسی (المتوفی ۴۶۰ھ) نے بھی اپنی تفسیر ''التبیان'' میں کہا ہے:

''قرآنِ کریم میں نسخ تین اقسام سے خالی نہیں: ① لفظ موجود ہو، لیکن اس کا حکم منسوخ ہو۔ ② لفظ منسوخ ہو، لیکن حکم موجود ہو، جیسے رجم کی آیت ہے۔ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ آیت جو اس حکم پر مشتمل تھی، وہ بھی بلا اختلاف منسوخ ہے، جو اس طرح ہے: الشیخ والشیخة إذا زنیا''[2]۔''

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

''ایک قوم نے نسخِ قرآن کے جواز و امکان کا انکار کیا ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس میں اس قول کے باطل ہونے کی دلیل موجود ہے، ایسی بہت ساری روایات ذکر ہوئی ہیں کہ قرآن میں ایسی اشیا تھیں، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔''[3]

ان دونوں سے بھی پہلے شیخ الشیعہ مرتضیٰ (المتوفی ۴۳۶ھ) بھی ان لوگوں میں شامل ہے، جو اس کذب بیانی کی تردید کرتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اس کو، اس افسانے کے قائل جمہور امامیہ سے، مستثنیٰ کہا ہے۔

[1] مجمع البیان (١/ ١٨٠)

[2] التبیان (١/ ١٣)

[3] المصدر السابق (١/ ٣٩٤)

معاصر شیعہ بھی اس کے انکار سے شیعہ مذہب کی اس کفر سے براءت پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ بھی نسخِ تلاوت کا اقرار کرتا ہے، چناں چہ وہ اپنی کتاب ''الذریعة'' میں لکھتا ہے:

''فصل: تلاوت کے بغیر حکم کے منسوخ ہونے کا جواز اور حکم کی منسوخی کے بغیر تلاوت کے منسوخ ہونے کا بیان'' اس کے بعد اس کے متعلق بحث کی ہے۔[1]

لہٰذا تلاوت منسوخ ہونے کا اقرار کرنا دونوں گروہوں کے درمیان امر مشترک ہے اور یہ تحریف سے علاحدہ دوسری چیز ہے۔ ان کی مکاری اور چالبازی دیکھیے، جس سے شاید ہی کسی معاصر شیعہ کی کوئی کتاب خالی ہو، اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے وہ ظاہر یہ کرتا ہے کہ شیعہ بھی اس کذب بیانی اور خیالی افسانے کی تردید کرتے ہیں اور استدلال کے طور پر وہ مرتضی اور طبرسی وغیرہ کا انکار و تردید پیش کرتا ہے، پھر بڑی چالاکی سے اس کذب بیانی کو اہلِ سنت کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ وہ نسخِ تلاوت کے قائل ہیں، حالاں کہ طبرسی اور مرتضی بھی نسخِ تلاوت کے قائل ہیں!

لیکن اس چالبازی کا مقصد ایسے ہدف کو حاصل کرنا ہے، جس کے اظہار کی وہ جراَت نہیں رکھتے اور وہ ہدف ان کا یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

چوتھا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''چوتھی دلیل: امیر المومنین کا ایک مخصوص قرآن تھا، جو موجود قرآن کی ترتیب کے مخالف تھا، اس میں اضافہ تھا، جو احادیثِ قدسیہ کی قبیل سے تھا، تفسیر و تاویل کی قسم سے نہیں۔''

جواب:

مَیں کہتا ہوں: اگر امیر المومنین کا کوئی مصحف ہوتا تو وہ اس کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے اور ان کے لیے اسے چھپانا ممکن نہ ہوتا، اگر وہ تمھاری سوچ کے مطابق۔ اپنے پیشرووں کی خلافت میں ایسا نہ کر سکے، تو وہ اس کو اپنی خلافت کے عہد کے دوران میں تو ظاہر کر سکتے تھے۔ اس کو چھپانا کفر اور گمراہی ہے، جس شخص نے امیر المومنین پر یہ الزام لگایا ہے، وہ ان کا شیعہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، کیوں کہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہونے کے باوجود محض خوف اور بزدلی کی وجہ سے حق کے اظہار اور بیان کو چھپایا۔

[1] الذريعة إلى أصول الشريعة (ص: ٤٢٨۔ ٤٢٩)

دین کی اصل اور اساس کو چھپانا اسلام سے خروج ہے۔ اگر حضرت علی اس کو نہ نکال سکے تو حضرت حسن اپنی خلافت کے دوران میں نکال دیتے، لیکن جس بات کی سب گواہی دیتے ہیں، حتی کہ روافض بھی، وہ یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنی نمازوں میں بھی اسی قرآن کی تلاوت کی اور اپنی خلافت کے ایام میں اسی کے مطابق فیصلے اور حکومت کی، نہ صرف انھوں نے بلکہ تمام ائمہ اہلِ بیت نے اسی قرآن پر عمل کیا، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔[1]

یہ عمل روافض کے دعوؤں کو باطل قرار دیتا ہے، جن کی اس بات سے راتوں کی نیند اڑ گئی ہے، بستر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگے، شیرازہ منتشر ہوگیا اور جماعت ریزہ ریزہ ہوچکی کہ اسلام کی عظیم کتاب ایسے دلائل سے بالکل خالی ہے، جو ان کے شذوذ اور انحراف کو ثابت کر سکیں، تو انھوں نے ایک غائب قرآن کا دعویٰ کر دیا، جب ان کو مسلمانوں کی کتاب میں اپنا متاع گم گشتہ اور گوہر مقصود نہ مل سکا۔ اسی طرح جب ان کا امام بھی لا ولد فوت ہوگیا تو انھوں نے ایک غائب امام کا بھی دعویٰ کر دیا!!

اگر امیر المومنین کا کوئی مصحف ہوتا بھی تو وہ ایک طبعی امر ہے، جو اس مجوسی کے موقف پر قطعاً دلالت نہیں کرتا۔ یہ بعض صحابہ کی طرح ہی ہے، جنھوں نے اپنے اپنے مخصوص مصاحف لکھے تھے، لیکن وہ ''مصحفِ امام'' کے مرتبے اور معیار کے نہیں تھے، جس کو کاتبینِ وحی رسولِ ہدایت ﷺ کی نگرانی میں لکھتے تھے۔

اگر امیر المومنین کا، ان کے دعوے مطابق، کوئی مصحف تھا، جو مصحفِ امام کے مخالف تھا، تو ایسا مصحف جو اس مصحف کے مخالف ہو، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہو، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، کیوں کہ اجماع معصوم ہے اور اسی کا اعتبار ہوگا، جس پر اہلِ اسلام نے اجماع کیا ہو، حالانکہ امیر المومنین اجماع کرنے والوں اور جمع کرنے والوں میں سرفہرست تھے، ان کی اس کام کی وجہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کی مدح سرائی معروف و مشہور ہے، جس طرح ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

باقلانی کہتے ہیں:

''اگر یہ لوگ کہیں: انھوں نے تقیے کی وجہ سے اس کا انکار کیا نہ اس کو بدلا، تو ان ے کہا جائے گا: وہ بنو ہاشم میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے، بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور انھیں محفوظ پشت پناہی بھی حاصل تھی، تو کیا کوئی ان سے بھی زیادہ طاقتور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا؟ یہ بات غایت درجہ ناممکن اور باطل ہے۔''[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۴) دیکھیں۔

[2] نکت الانتصار (ص: ۱۰۸)

اس کے بعد انھوں نے روافض کے تضاد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا حضرت علی کے بارے میں یہ نظریہ، ان کے ان کے بہادری، حق گوئی اور باطل کے سامنے خاموش نہ رہنے کے متعلق جو دعوے ہیں، ان کے بھی خلاف ہے۔ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین کے اپنی خلافت کے ایام کے احوال و واقعات اس باب میں تقیے کے تصور ہی کی نفی کرتے ہیں:

''جب آپ نے تحریف اور تبدیلیِ قرآن سے کہیں چھوٹے مسئلے میں تلوار ننگی کر لی، صفین میں لڑائی لڑی اور اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان میدانِ جنگ سجا لیا تو اس کے بعد کون سا تقیہ رہ جاتا ہے؟ یہ ایسی بات ہے، جس کا باطل ہونا ہر کسی کے لیے معلوم ہے اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مستحیل ہے۔''[1]

پانچواں اور چھٹا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''پانچویں دلیل: عبداللہ بن مسعود کا بھی مصحف تھا، اس میں جو تھا وہ معتبر تھا اور وہ موجودہ قرآن میں نہیں، اس کے بعد اس نے اپنی روایات کی روشنی میں مصحفِ عبداللہ بن مسعود میں ذکر ہونے والی اشیا کا نمونہ پیش کیا ہے، جو اس نے ذکر کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے: ''وكفى الله المؤمنين القتال بعلي بن أبي طالب، ورفعنا لك ذكرك بعلي صهرك''[2]

مَیں کہتا ہوں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بعض صحابہ کے اپنے مخصوص مصاحف تھے، جن میں وہ جو رسول اکرم ﷺ سے سنتے، ان کو لکھ لیتے۔ یہ مصحفِ امام پر کوئی طعن وتنقید ہے نہ اس میں ان کمینے لوگوں کی مقصد برآری کے لیے کوئی دلیل ہی ہے، کیوں کہ اصل اور قابلِ اعتماد وہی ہے، جس پر تمام مسلمانوں نے اجماع کیا اور جو ان کا انفرادی عمل تھا، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے عبداللہ بن مسعود کے مصحف کو معتبر اور واضح ہدف قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں ۔اس کے گمان کے مطابق۔ علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا ہے، لیکن جن نمونوں سے اس نے استدلال کیا ہے، وہ اس امر کی دلیل ہے کہ جو باتیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا ان کے مصحف کی طرف منسوب کی ہیں، وہ سب انہی کے جھوٹ اور افتراءات ہیں۔

---

[1] المصدر السابق.

[2] فصل الخطاب (ص: ١٣٦)

اس کا یہ کہنا: ''ورفعنا لك ذكرك'' یہ سورۃ الانشراح کی آیت ہے، جس کی تمام آیات مکی ہیں، جس طرح یہ معلوم بات ہے اور جو انھوں نے اضافہ کیا ہے کہ ''وجعلنا عليا صهرك''، یہی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیتا ہے، کیوں کہ مکے میں آپ کے اکیلے داماد حضرت عاص بن ربیع اموی رضی اللہ عنہ تھے۔

انھوں نے جھوٹ بنایا تو سہی، لیکن تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر اچھی طرح نہ بنا سکے۔ کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی بات لکھ سکتے ہیں، جو حقیقت کے خلاف ہو اور انھوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا بھی نہ ہو۔

اسی طرح دوسرا شاہد: ''وكفى الله المؤمنين القتال بعلي'' یہ بھی قرآن کی نص اور حقیقت کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے کن اشیا کے ساتھ مسلمانوں کو قتال سے کفایت کر دی تھی، ان کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے:

﴿ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ [الأحزاب: ٩]

''جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔''

اسی لیے سلف صالحین اس آیت: ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ [الأحزاب: ٢٥] کی تفسیر میں کہتے ہیں، یعنی فرشتوں کے لشکروں اور ہوا کے ساتھ جو اس نے ان پر چلائی تھی۔[1]

یہ حقیقت کے خلاف اس طرح ہے کہ حضرت علی اکیلے ہی، تمام مسلمانوں کے سوا، کافی نہیں تھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت علی ہوتے تو دین قائم نہ ہوتا، حضرت علی تو اس وقت بھی، جب ان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ کے خلاف لڑائی میں ساری دنیا کا سب سے بڑا لشکر تھا، تب بھی اپنے آپ کو کوئی فائدہ نہ دے سکے۔[2]

اسی لیے باقلانی کہتے ہیں:

''ان کا یہ دعویٰ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کو ایسے پڑھا: ''وكفى الله المؤمنين القتال بعلي'' اور اس جیسی دیگر روایات تو یہ جھوٹ اور الزام ہے، جو بالکل نادرست ہے...''[3]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسير الطبري (٢١/ ١٤٨) فتح القدير (٤/ ٢٧٢)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٥٦)

[3] نكت الانتصار (ص: ١٠٧) نیز دیکھیں: روح المعاني (٢١/ ١٧٥)

''ان کا یہ کہنا[1] کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مصحف ہمارے مصحف کے خلاف ہے۔ یہ باطل، جھوٹ اور الزام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں بلاشبہہ قراءات تھیں، ان کی قراءت وہی تھی جو عاصم بن ابی النجود کی قراءت ہے اور آج مشرق ومغرب اور چہار دانگ عالم میں مشہور ہے۔''[2]

اس ملحد کے تعصب اور ہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے، حضرت ابی کا مصحف ان کے نزدیک معتبر ہے، لیکن امت کا مصحف معتبر نہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ امت کے مصحف کو چھوڑ کر حضرت ابی کے مصحف میں جو کچھ مذکور ہے، وہ سب صحیح اور معتبر ہے؟

ان مجوسیوں کے پاس کتاب اللہ پر تنقید کرنے کی رغبت اور حرص کے سوا کوئی دلیل نہیں، لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں! اس قرآن کے سوا کوئی مصحف نہیں اور اس کے کلمات نے ان کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عائشہ اور سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مصاحف تھے، جس طرح اہلِ سنت اور شیعہ کی کتابوں میں اس کے متعلق روایت ذکر ہوئی ہے، تو یہ ذاتی مصاحف تھے، جو بعض صحابہ کا ذاتی اور انفرادی عمل تھا، ان کا ہدف ایسے مصحف کو لکھنا نہیں تھا، جس کے ساتھ ساری امت التزام کرے۔ اس لیے یہ ذاتی مصاحف، عثمان کے سوا جو بھی مصحف ہے، اس کی صحت یقینی نہیں، وہ اخبارِ آحاد کے قائم مقام ہے۔[3]

اگر ان مصاحف سے کوئی ایسی بات نقل کی جائے جو مصحفِ امام کے خلاف ہو تو یہ ایک طبعی بات ہے، کیوں کہ وہ کبھی اپنے اس مصحف پر بعض کلمات کی تفسیر لکھ لیتے تھے اور انھیں التباس کا کوئی خدشہ نہیں تھا، کیوں کہ وہ انھوں نے اپنے لیے لکھا ہوتا تھا۔

امام ابن جزری کہتے ہیں:

''وہ بسا اوقات قراءات میں وضاحت اور بیان کی خاطر تفسیر داخل کر دیتے، کیوں کہ انھوں نے جو قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوتا، انھیں اس کے متعلق یقین ہوتا تھا، لہٰذا وہ التباس اور اختلاط سے مامون تھے، البتہ شاید بعض لوگ اس کے ساتھ ہی کچھ لکھ لیتے۔''[4]

پھر کسی وقت وہ ایسی آیات بھی لکھ لیتے، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہوتی، اس لیے اکثر علما نے صریح

---

1. یعنی عیسائیوں کا یہ کہنا، کیوں کہ وہ بھی امت اسلامیہ پر انھی روافض کے شبہات کی طرح ہی کے شبہات پیش کرتے تھے۔
2. الفصل (۲/ ۲۱۲)
3. البرهان (۱/ ۲۲۲)
4. ابن الجزري: النشر (۱/ ۳۲) السيوطي: الإتقان (۱/ ۷۷)

الفاظ میں کہا ہے:

''وہ حروف جو حضرت ابی اور ابن مسعود وغیرہما سے نقل ہوئے ہیں اور وہ ان مصاحف کے خلاف ہیں، وہ منسوخ ہیں ... اور بلاشبہہ قرآن کے آخری دور اور مراجعت کے وقت (جو جبرائیل نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ کی) کئی کچھ تبدیل اور منسوخ ہوا تھا۔''[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لیے لکھتے تھے، امت کے لیے نہیں، اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ روافض اس باب میں بہت کچھ گھڑتے ہیں اور اسے ان مصاحف کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔[2]

جہاں تک جمعِ قرآن کا تعلق ہے تو یہ کام حفاظ صحابہ کرام نے کیا، انھوں نے ان تمام صحیفوں میں موجود قرآن کو، جن کو کاتبینِ وحی نے نبی اکرم ﷺ کی زیرِ نگرانی لکھا تھا، اسی ترتیب اور کیفیت کے ساتھ جمع کیا، جس ترتیب و کیفیت کے ساتھ حضرت جبرائیل نے رسولِ کریم ﷺ کے سامنے مکمل قرآن آخری مرتبہ پیش کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ دَور بھی کیا، پھر اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور آج جو قرآن ہے، وہ اس آخری نظرِ ثانی کے مطابق ہی ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں، اس لیے اس مسئلے میں دو آدمیوں نے بھی ان سے اختلاف نہ کیا، حتی کہ حضرت علی بن ابی طالب نے بھی یا کسی دوسرے نے کسی حرف کا انکار کیا نہ اسے بدلا۔[3]

ساتواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''ساتویں دلیل: عثمان نے جب دوسری مرتبہ قرآن جمع کیا تو بعض کلمات اور آیات ساقط کر دیں...۔''[4]

اس کے بعد اس دعوے پر دلیل قائم کرنے کی کوشش میں کہتا ہے:

''جو اس نے جمع کیا، اس کے نازل شدہ قرآن کے مطابق ہونے کا علم نقل کرنے والوں یا لکھنے والوں کی عدالت (امانت) وصداقت پر موقوف ہے یا صحیح اور مکمل مصحف کے ساتھ موازنہ کرنے پر ...۔''[5]

---

1. ابن الجزري: النشر (١/ ٣٢)
2. اس لیے اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ قراءات کی کچھ اقسام ایسی ہیں، جو موضوع ہیں۔ (الإتقان: ١/ ٧٧)
3. النشر (١/ ٣٣)
4. فصل الخطاب (ص: ١٥٠)
5. المصدر السابق (ص: ١٥٤)

جواب:

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے اس دعوے کی بنیاد رافضہ کے صحابہ کرام کے متعلق عقیدے پر رکھی ہے، جو کتاب وسنت، اجماعِ امت اور متواتر احوال و واقعات کے مخالف ہے۔[1] اسی طرح اس نے اس وہم اور خیال پر بھی اعتبار کیا ہے، جو شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ایسا مصحف موجود ہے، جس کو حضرت علی نے جمع کیا اور وہ ائمہ کے پاس وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔ یہ مصحف مصحفِ امام کی تصدیق کے لیے اصل ہے۔

اس کی یہ ساری باتیں غیر مسلم ہیں اور اس کا ان اقوال اور روایات کے بے قیمت پلندے سے استدلال بھی ناقابلِ تسلیم ہے، جس کو اس نے اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اپنی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ سب کو معلوم ہے:

> ''مکمل قرآن عہدِ نبوی میں لکھا جا چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو صرف اسے لکھنے کا حکم دیا تھا، جو پہلے ہی لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے انھوں نے سورت براءت کی آخری آیت لکھنے سے اس وقت تک توقف کیا، جب تک وہ انھیں لکھی ہوئی نہ ملی، حالاں کہ وہ ان کو بھی یاد تھی اور ان کے ساتھیوں کے ذہن میں بھی موجود تھی۔''[2]

کیوں کہ وہ قرآن جمع کرنے میں حفظ اور کتابت دونوں پر ایک ساتھ اعتماد کر رہے تھے، انھوں نے صرف حفظ پر انحصار نہیں کیا، کیوں کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ بعینہٖ اسی مکتوب اور لکھے ہوئے سے نقل کریں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا۔ صرف اپنے حفظ اور یاد کیے پر انحصار نہ کریں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بھی بتایا ہے کہ وہ صحف میں جمع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ [البينة: ٢] ''جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔''

لہٰذا قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا تھا، لیکن جدا جدا مقامات پر تھا حضرت ابوبکر صدیق نے اس کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ اس کے بعد وہ محفوظ رہا، تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کئی نقلیں بنانے کا حکم دیا اور انھیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔[4]

---

[1] اسی کتاب میں دیکھیں: صحابہ کرام کے متعلق شیعہ عقائد کی تردید (ص: ۸۰۲ وما بعدها)

[2] فتح الباري (۹/ ۱۲۔ ۱۳)

[3] أبو شامة: المرشد الوجيز (ص: ۵۷) نیز دیکھیں: الإتقان للسيوطي (ص: ۵۸)

[4] فتح الباري (۹/ ۱۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جمعِ قرآن کے عمل کی تلخیص کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب وہ سال آیا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض ہوئی تو جبرائیل نے دو مرتبہ آپ کے سامنے قرآن پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دَور کیا۔ وہ قرآن جو آخری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، وہ زید بن ثابت وغیرہ کی قراءت ہے۔ خلفاے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے اسی قراءت کو مصاحف میں لکھنے کا حکم دیا، اس کو حضرت ابوبکر وعمر نے خلافتِ صدیقی میں مصاحف میں لکھوایا اور حضرت زید بن ثابت کو اس کام پر مامور کیا، پھر حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے ایام میں اس کو مصاحف میں لکھوانے، اسے مختلف علاقوں میں بھجوانے اور حضرت علی اور تمام صحابہ کے اتفاق کے ساتھ تمام لوگوں کو اسی پر اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔''[1]

جو حضرت ابوبکر وعثمان کی غلطی نکالتا ہے، وہ حضرت علی اور تمام صحابہ کی غلطی نکالتا اور انھیں غلط قرار دیتا ہے، کیوں کہ وہ حقیقت جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ حضرت عثمان نے تمام صحابہ کی موافقت اور اجازت کے ساتھ قرآن جمع کیا تھا۔[2]

اگر یہ کام ہوا ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو کسی ایک کے لیے بھی اسلام کی اصل اور اساس میں تبدیلی کرنے والے اس عمل پر خاموش رہنا جائز اور روا نہ ہوتا، وگرنہ اس کی وجہ سے سارے ہی گمراہ ہوجاتے، جن میں حضرت علی بھی شامل تھے، جب کہ اس بات کی متفق دلیلیں موجود ہیں، جن میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں کہ صحابہ کرام تو اس سے کہیں چھوٹے امور میں خاموش نہیں رہے، انھوں نے زکات نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کے خلاف اس سنگین اور عظیم تر معاملے سے کہیں چھوٹے مسئلے میں لڑائی لڑی۔

اگر اس طرح ہوا ہوتا جو رافضہ کہتے ہیں تو اس کو اسلام کے دشمن بھی نقل کرتے، جو ہر دم اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے ہیں، اس کو نقل کرنے میں رافضہ کا ٹولہ اکیلا نہ ہوتا! یہ ٹولہ جس نے یہ کفر نقل کیا ہے، اس نے ایسی باتیں بھی نقل کی ہیں، جو اس کے خلاف حقائق کو ثابت کرتی ہیں۔

ابن طاؤس روایت کرتا ہے، جو شیعہ کے بڑے علما میں شمار ہوتا ہے:

''(حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمارے آقا حضرت علی بن ابی طالب کی رائے کے ساتھ مصحف جمع کیا۔''[3]

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۳/ ۳۹۵)

[2] دیکھیں: المرشد الوجیز لأبي شامة (ص: ۵۳)

[3] تاریخ القرآن للزنجاني (ص: ٦٧)

یہ قول اس افترا کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے، جو شیعہ صدیوں سے باندھتے آئے ہیں، کیوں کہ یہ اجماعِ امت کے مطابق ہے اور شیعہ ہی کا اعتراف اور اقرار ہے....۔

دشمن کا اعتراف دوست کے اعتراف سے دل میں زیادہ اثر رکھتا ہے۔فصل الخطاب کا مولف جو اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے بہت زیادہ آرزومند ہے، وہ اس عبارت کو دیکھ کر اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا اور اسے یہ کہنا پڑا:

''یہ ایک طرح کی عجیب اور نامانوس بات ہے؟''[1]

یہ صرف اسی ملحد اور اس کے ہمنواؤں کی نظر میں عجیب ہے ...ابن ابی داود نے صحیح سند کے ساتھ، جس طرح حافظ ابن حجر نے کہا ہے، حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''حضرت عثمان کے متعلق کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ خدا کی قسم! انھوں نے مصاحف کے متعلق جو بھی کیا، وہ ہماری مرضی سے اور ہمارے سامنے کیا۔''[3]

ان تمام باتوں کے بعد وہ ''نمونہ'' جس کو یہ ''جھوٹے'' ہمارے سامنے پیش کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اس کو حذف کر دیا تھا، وہی ان کے قول کی حقیقت پر سب سے بڑا شاہد ہے....۔

فصل الخطاب کے مولف نے اپنی چار کتابوں سے چار روایات نقل کی ہیں، جو کہتی ہیں:

''علی بن موسی رضا نے کہا: نہیں خدا کی قسم! تم میں سے دو آگ میں کبھی نہیں دیکھے جائیں گے، نہیں! خدا کی قسم! ایک بھی نہیں، اس نے کہا: اللہ آپ کی اصلاح فرمائے! یہ کتاب اللہ میں کہاں لکھا ہے؟ اس نے کہا: یہ سورت رحمٰن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لا یسئل عنه ذنبه "منکم" انس ولا جان" وہ کہتا ہے: میں نے کہا: اس آیت میں "منکم" تو نہیں۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، یہ اس میں ثابت ہے، سب سے پہلے جس نے اس کو بدلا، وہ ابن اروی تھا۔''[3]

باقی تین روایات بھی اسی مفہوم سے خارج ہیں اور ابن اروی سے وہ حضرت عثمان کو مراد لیتے ہیں۔ یہ ''مثال'' جس کو شیعہ کی کتابیں ان کلمات کے شاہد اور دلیل کے طور پر پیش کرتی ہیں، جن کو حضرت عثمان نے ساقط کر دیا، درپردہ حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے۔ جب قرآن نازل ہو رہا تھا، اس وقت نہ شیعہ تھے، نہ مرجیہ اور

---

[1] فصل الخطاب (ص: ۱۵۳)

[2] فتح الباري (۹/ ۱۸) نیز دیکھیں: ابن أبي داود: کتاب المصاحف (ص: ۱۹) أبو شامة: المرشد الوجیز (ص: ۵۳)

[3] فصل الخطاب (ص: ۱۵۷)

نہ کوئی دوسرا فرقہ اور یہ آیت، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، ثابت کرتی ہے کہ شیعہ شخص سے اس کے گناہوں کی باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ ایک خطرناک دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل سند مہیا نہیں کرتی، بلکہ یہ قرآنِ کریم کی نصوص اور اسلام کے ضروری اساسی معلوم شدہ عقائد کے بھی منافی ہے اور اس کے انتہائی خطرناک آثار ہیں، جو شرعی تکالیف اور پابندیوں سے آزادی اور کبیرہ اور مہلک گناہوں کے ارتکاب کے لیے جرأت پیدا کرتے ہیں۔

ان کا امام شیعہ کو قسم کھا کر کہتا ہے کہ ان میں کوئی ایک آدمی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا...کیا اس نے غیب پر جھانک لیا ہے یا اللہ کے ساتھ کوئی عہد کیا ہوا ہے ...؟ وہ یہ دعویٰ کر کے یہود سے بھی غلو میں دو ہاتھ آگے بڑھ چکے ہیں، جنھوں نے کہا تھا:

﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۸۰۔ ۸۱]

''ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن۔ کہہ دے کیا تم نے اللہ کے پاس کوئی عہد لے رکھا ہے تو اللہ کبھی اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ کیوں نہیں! جس نے بڑی برائی کمائی اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا تو وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

یہی مثال ان تمام دعویٰ جات کے جھوٹ کا پردہ فاش کر دیتی ہے۔تحریفِ قرآن کا دعویٰ کرنے کی اصل غرض و غایت انحراف اور شذوذ کو ثابت کرنا ہے، جس کی کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہ امور مزید انکشاف کرتے ہیں کہ اس روایت کو گھڑنے والا کوئی زندیق اور کتاب اللہ کے معانی سے نا آشنا ہے، کیوں کہ یہ آیت مجرموں کے متعلق ہے، لیکن اس نے اس کو صالحین اور نیک لوگوں کے متعلق گمان کیا تو اپنے شیعہ کو اس سے مراد لے لیا، پھر اس نے اس میں "منکم" کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اس میں قطعیت اور تاکید پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کی یہ توجیہ پیش کی کہ اگر وہ اس اضافے کو نہ گھڑتا تو ساری مخلوق سے عذاب ساقط ہوجاتا، جو صرف شیعہ سے ساقط ہوگا، جس طرح وہ افترا پردازی کر رہا ہے، حالانکہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [القصص: ۷۸] ''اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔'' کے مفہوم کی طرح ہے۔

یہ آیت مجرموں اور گناہ گاروں کے متعلق ہے، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا:

''وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا تم نے یہ یہ کام کیے؟ کیوں کہ وہ ان کو ان سے زیادہ جانتا ہے۔''

مجاہد کہتے ہیں:

''فرشتے مجرم سے نہیں پوچھیں گے، وہ ان کی علامات ہی سے ان کو پہچان لیں گے۔''[1]

ہم امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآنِ کریم جمع کرنے کے متعلق ان کے شبہے کو زائل کرنے کے لیے جاحظ کے الفاظ میں اپنی بات ختم کرتے ہیں۔ اس نے کہا:

''جو اس مسئلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطا کار قرار دیتا ہے، اس نے یقیناً حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد، زبیر، طلحہ اور اونچے درجے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غلط قرار دیا۔ اگر یہ حضرت علی کی رائے نہ ہوتی تو وہ اس کو ضرور بدلتے، اگر ان کے لیے بدلنا ممکن نہ ہوتا، تو اس کے متعلق بات ضرور کرتے، اگر حضرت عثمان کے زمانے میں ممکن نہ ہوتا تو ان کے اپنے زمانے میں ضرور ممکن تھا، اگر وہ امت کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو کم از کم اظہارِ حجت سے تو قاصر نہیں تھے۔ اگر انھیں کامیابی کا یقین نہیں تھا تو وہ کم سے کم تجربہ ضرور کر سکتے تھے۔

''بلکہ حضرت عثمان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا، جب تک تمام کے تمام صحابہ اور اصحابِ رائے و قیادت ان کے ساتھ نہ ہوتے، پھر انھوں نے جو کیا، اس کا مقصد اور اس کی صورت بالکل واضح تھی، بلکہ انھوں نے جو کیا، اس کی ہم اصابت (درستی) احتیاط، امت کے درد، دور اندیشی اور معترض کے اعتراض کو کاٹ ڈالنے کے سوا کوئی اور وجہ اور سبب نہیں پاتے۔

''انھوں نے جو کیا اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل نہ ہوتی تو امت کا اول اور آخر اس پر اکٹھا نہ ہوتا۔ وہ کام جس پر معتزلہ، شیعہ، خوارج اور مرجیہ اپنے مختلف نقطہ ہائے نظر کے باوجود، اکٹھے اور متفق ہیں، اس کا درست ہونا بالکل ظاہر اور اس کی برہان بڑی واضح ہے۔

''اگر کوئی کہنے والا کہے: یہ روافض تمام کے تمام اس کا انکار کرتے، اس میں طعن کرتے اور اس کو تبدیل شدہ سمجھتے ہیں تو ہم کہیں گے: روافض کے ساتھ ہمارا کوئی لینا دینا نہیں، ان کی راہ ہم سے بالکل جدا ہے، کیوں کہ جس کی اذان، نماز، طلاق، غلام آزاد کرنا، حج، فقہاء، امام، قراءت، حلال اور

---

[1] تفسیر الطبري (٢٧/ ١٤٢۔ ١٤٣) تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢٩٤)

حرام، ہماری اذان، نماز، طلاق، غلام آزاد کرنے، حج، فقہا، امام، قراءت، حلال اور حرام ہمارے جیسے نہیں، نہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔" [1]

آٹھوں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''آٹھویں دلیل: جو روایات گزری ہیں، ان کے علاوہ بہت ساری ایسی روایات ہیں، جنھیں مخالفین نے روایت کیا ہے اور وہ صریحاً کمی واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔'' [2]

اس کے بعد اس نے اہلِ سنت کی سند سے تلاوت کی منسوخی کے متعلق وارد ہونے والی روایات ذکر کی ہیں، لیکن ان میں اس کی مطلب برآری کا کوئی سامان موجود نہیں، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور تحریف انسانی فعل ہے، اس لیے اس کے متعلق گفتگو اہلِ سنت کی کتب کے ''باب النسخ'' میں ذکر ہوئی ہے ... جو باتیں پہلے ذکر ہوگئی ہیں، ہم ان کا یہاں اعادہ نہیں کریں گے، لیکن وہ مختلف شکلوں کے ساتھ دلیلوں کا تکرار و اعادہ کرتا ہے، تا کہ دلائل کو ائمہ کی تعداد تک پہنچا سکے۔

اس جگہ اس نے ایک خود ساختہ سورت ذکر کی ہے، جس کے متعلق وہ کہتا ہے:

''اس نے یہ سورت ''دبستانِ مذاہب'' [3] نامی کتاب میں پائی، لیکن اس نے اسے اس کے علاوہ کسی دوسری شیعہ کی کتاب میں نہیں دیکھا۔''

پھر کہتا ہے:

''ہوسکتا ہے یہ ''سورۃ الولایۃ'' ہو، جس کا بعض شیعہ علما نے اشارتاً تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے اس کی مکمل عبارت نقل کی ہے۔'' [4]

جواب:

یہ انتہائی رکیک اور بودی عبارتیں، ردی الفاظ، گھٹیا معانی، بے ربط سیاق اور ناموزوں جملے ہیں۔ یہ

---

[1] رسائل الجاحظ رسالة حجج النبوة (٣/ ٢٣٣۔ ٢٣٤)

[2] فصل الخطاب (ص: ١٦٢)

[3] یہ ایرانی (فارسی) زبان میں ہے، اس کا مولف محسن فانی کشمیری ہے۔ یہ ایران میں کئی مرتبہ چھپی ہے۔ یہ سورت مستشرق نولڈیک (Thoodor Noldeke) نے اپنی کتاب "تاریخ المصاحف" (٢/ ١٠٢) میں اسی کتاب سے نقل کی ہے۔ اس کو ١٨٤٢ میں ایشین فرنچ اخبار (ص: ٤٣١۔ ٤٣٩) نے شائع کیا۔ نیز دیکھیں: الخطوط العریضة (ص: ١٣)

[4] فصل الخطاب (ص: ١٨٠)

سورت ایسے کلمات پر مشتمل ہے، جنھیں انتہائی گھٹیا انداز میں بعض قرآنی الفاظ سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس کا موضوع وہ معاملہ ہے، جس نے شیعہ کو ہمیشہ پریشان رکھا ہے، یعنی کتاب اللہ ان کے شذوذ و انحراف سے خالی ہے۔ اس لیے یہ خود ساختہ سورت حضرت علی کی امامت کے لیے وصیت اور تعیین کا تذکرہ کرتی ہے اور صحابہ کرام کی، وصی کی نافرمانی کی وجہ سے، تکفیر کرتی ہے۔

اس کے کلمات کچھ اس طرح ہیں:

"يا أيها الذين آمنوا بالنورين أنزلناهما يتلوان عليكم آياتي. إن الذين يوفون ورسوله في آيات لهم جنات نعيم. والذين كفروا من بعد ما آمنوا بنقضهم ميثاقهم وما عاهدهم الرسول عليه يقذفون في الجحيم. ظلموا أنفسهم وعصوا الوصي الرسول يسقون من حميم. إن الله الذي نور السماوات والأرض بما شاء واصطفىٰ من الملائكة وجعل من المؤمنين أولئك في خلقه يفعل الله ما يشاء ... إن علياً من المتقين وإنا لنوفيه حقه يوم الدين .. فإنه وذريته الصابرون، وإن عدوهم إمام المجرمين.. يا أيها الرسول قد جعلنا لك في أعناق الذين آمنوا عهداً فخذه وكن من الشاكرين بأن علياً قانتاً بالليل. يحذر الآخرة ويرجوا ثواب ربه، قل هل يستوي الذين ظلموا وهم بعذابي يعلمون. سيجعل الأغلال في أعناقهم وهم على أعمالهم يندمون"[1] الخ

یہ اس سورت کے بعض کلمات ہیں، جو کسی تنقید کے محتاج نہیں۔ یہ ہذیان گوئی پر مشتمل، گھٹیا اور بازاری قسم کا کلام، کھوکھلا جھوٹ اور مضطرب الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ادیب بھی، اس کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کرے گا، چہ جائیکہ یہ کتاب اللہ کا حصہ ہو، جس نے اربابِ بیان اور فصاحت کے شاہسواروں کو بھی مات دے دی۔

اس ''خود ساختہ سورت'' پر شیخ یوسف الدجوی نے اپنی کتاب "الجواب المنيف في الرد على مدعي التحريف في القرآن الشريف" میں تنقید کی ہے۔[2]

ایک شیعہ عالم بلاغی نے بھی اپنی تفسیر "آلاء الرحمن" میں اس کا رد کیا اور اس کا جعلی پن واضح کیا

[1] المصدر السابق (ص: ۱۸۰۔ ۱۸۱)

[2] الجواب المنيف (ص: ۱۷٤ وما بعدها)

ہے۔[1] اس کا باطل ہونا واضح ہے کہ محض اس کے الفاظ پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے۔

مثال کے طور پر اس کے یہ الفاظ دیکھیے:

"واصطفٰی من الملائكة، وجعل من المؤمنين أولئك في خلقه"

''اس نے فرشتوں سے چنا اور مومنوں سے بنایا ان کو اپنی مخلوق میں۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کسی عجمی کی کارستانی ہے، جو اپنی مراد بیان کرنے سے بھی قاصر ہے، کیا فرشتوں سے چنا؟ یہ معنی اس نے مکمل نہیں کیا۔ شاید اس کی یہ مراد ہو کہ اس نے فرشتوں سے اوصیا کی طرف بھیجنے کے لیے ایلچی منتخب کیے، لیکن وہ اس جملے کو مکمل نہیں کر سکا، پھر مومنوں سے کیا بنایا؟ "أولئك في خلقه" سے کیا مراد ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ جس کسی نے بھی قرآنِ کریم کی نقل اتارنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جہالت میں مبتلا کر دیا اور سرِ بازار رسوا کر دیا۔

نواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی سابقہ مبارک کتابوں میں اپنے اوصیا کے نام بھی ذکر کیے ہیں اور ان کے اخلاق وشمائل بھی، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں بھی ان کا ذکر کرے، جو ان کتابوں پر نگران ہے۔''[2]

چونکہ یہ پائے نہیں گے، اس لیے یہ اس کے گمان کے مطابق اس میں تحریف ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی روایات کا ایک مجموعہ نقل کیا ہے، جو ذکر تی ہیں کہ ''ان کے بارہ اماموں کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی ہوا ہے۔''[3]

جواب:

مَیں کہتا ہوں: یہ دعویٰ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ بارہ اماموں کے نام سابقہ انبیا کی کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں ... یہ دعویٰ ہی باطل ہے، جو ایک باطل اور جھوٹی بنیاد پر کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسی خرافت اور بکواس ہے، جس کے ثبوت کو ایک دوسری خرافت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔ یہ کون تسلیم کرے گا کہ ان کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہوا ہے، تا کہ قرآن میں ان کے ذکر کو تسلیم کیا جائے؟

[1] دیکھیں: آلاء الرحمن (ص: ٢٤۔ ٢٥)

[2] فصل الخطاب (ص: ١٨٤)

[3] المصدر السابق (ص: ١٨٤۔ ٢٠٤)

یہ انبیا کی کتابیں جو لوگوں نے پیش کیں، ان میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر تو موجود ہے، لیکن ان میں سارے ائمہ تو ایک طرف رہے، حضرت علی کا بھی ذکر نہیں۔ یہ لوگ جو اہلِ کتاب سے مسلمان ہوئے، ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت علی کا ان کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے۔[1]

سابقہ کتابوں میں خاتم المرسلین ﷺ کی بشارت کا تذکرہ تو موجود ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

''وہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

تورات اور انجیل میں صحابہ کا ذکر اور ان کی ثنا خوانی بھی وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ ...﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ، جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے ...''

لیکن اس پر گراں گزرا کہ رسولِ ہدایت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا ذکر تو ان کتابوں میں موجود ہو، لیکن ان کے ائمہ کا ذکر نہ ہو! جب کہ صحابہ شیعہ کے نزدیک دین سے پھر گئے اور شیعہ کے ائمہ انبیا و رسل سے بھی افضل ہیں تو یہ اپنے اَتباع اور پیروکاروں کو کیا کہیں گے اور کیا منہ دکھائیں گے؟ اس لیے انھوں نے ایسی روایات تو گھڑ لیں، جن میں کہا گیا کہ ائمہ کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہوا ہے، لیکن کتاب اللہ میں ان کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ اس کے لیے انھیں اس کے سوا کوئی جواب نہ ملا کہ قرآن میں تحریف کا دعویٰ کر دیں، جس نے ان کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا۔

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤٦)

دسواں شبہہ:

اس میں کہتا ہے:

''اہلِ اسلام کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف اور اِشکال نہیں کہ قرآنِ کریم کے کلمات اور حروف میں کمی بیشی کی صورت میں بہت زیادہ اختلافات اور نا قابلِ شمار تبدیلیوں نے راہ پائی، پھر مخالفین کی آرا حسبِ اختلاب سات یا دس قراء کو منتخب کرنے میں متفق ہوگئیں، اس کے بعد انھوں نے ان کی قراء ت کی توجیہ کرنے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے اور منسوب کرنے پر بھرپور توجہ دی۔

''اس طرح ان کے اس گمان کی روشنی میں قرآن اپنی ذات میں اور اپنے نزول ہی کے وقت سے اختلاف اور مغایرت کی بنا پر تشکیل پایا اور تضاد کی نذر ہوگیا۔ چوں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ اس میں کوئی اختلاف ہی ہے، اس لیے یہ تمام قراء ات ایسی قراء ت ہوں گی، جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق نہیں۔

''اس کے بعد اس نے اپنی چند ایک روایات پیش کی ہیں، جو کہتی ہیں:

''قرآن ایک ہی ہے، جو ایک ہی کی طرف سے نازل ہوا، اس میں اختلاف راویوں کا پیدا کردہ ہے۔''

پھر اس نے سات راویانِ قرآن پر بھی طعن و اعتراض کے تیر برسائے ہیں اور ان کی قراء ات کو نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کے بقول:

''قراء کا پہلا طبقہ مطلق العنان اور خود رائے لوگ تھے اور انھوں نے اپنے زمانے کے امام امیر المومنین کی بیعت نہ کی۔''[1]

یہ ملحد کوشش کر رہا ہے کہ اپنے فرقے کے جھوٹ اور افسانے کو ثابت کرنے کے لیے، جو قراء ات وارد ہوئی ہیں، ان سے استدلال کر سکے، لیکن اس میں اس کے لیے کوئی دلیل اور تمسک کا کوئی سامان موجود نہیں، کیوں کہ قراء ات کا اختلاف کسی ایسی چیز کا باعث نہیں بنتا، جس طرح یہ الزام تراشی کر رہا ہے، کیوں کہ ایسا اس وقت ممکن ہوتا، جب بعض آیات کی قراء ات میں اختلاف کرنے والے تمام قراء اپنی طرف سے جس طرح خیال کرتے پڑھ لیتے، لیکن ایسا نہیں، کیوں کہ احادیث صریحاً الفاظ میں دلالت کرتی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے

[1] فصل الخطاب (ص: ۲۱۰)

اپنی قراءت رسول اللہ ﷺ سے لی تھی، جو اس کے ساتھی کی قراءت کے مخالف تھی اور آپ ﷺ نے دونوں کو ثابت رکھا اور کہا کہ یہ اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔[1]

جس سے واضح ہوا کہ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ اس کے درمیان اور شیعہ کے افسانے کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ اس جھوٹ ساز شخص پر قراءات اور قرآن کا مسئلہ گڈ مڈ ہوگیا، اس لیے اس نے یہ سمجھ لیا کہ ان دونوں کے درمیان لازم وملزوم کا رشتہ ہے، جو بالکل واضح جہالت ہے۔

قرآنِ کریم مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ متواتر ہے، جس کو بعد والی نسلیں پہلی نسلوں سے برابر نقل کرتی آئی ہیں، حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچتا ہے، جب کہ قراءات میں کچھ متواتر ہیں، کچھ آحاد، کچھ شاذ کچھ مُدرج[2] اور کچھ موضوع۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ قرآن کو سات یا دس قرا سے حاصل کیا گیا ہے، کیوں کہ قراءات تو قرآنِ کریم کے نطق اور تلفظ کے مذاہب میں ایک مذہب ہے، جس کو کسی امامِ قراءت نے اختیار کیا اور اس میں وہ دوسرے کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے ...۔

زرکشی کہتے ہیں:

''جان لو! قرآن اور قراءات دونوں ایک دوسرے کے مخالف حقیقتیں ہیں۔ قرآن وحی ہے جو محمد ﷺ پر اعجاز اور بیان کے لیے نازل ہوئی، جب کہ قراءت مذکورہ وحی کے حروف لکھنے یا ان کی تخفیف وثقل (بھاری پن) وغیرہ جیسی کیفیات میں اختلاف کا نام ہے۔''[3]

قراءات سات حروف کے علاوہ چیزیں ہیں[4]، جن کا اس رافضی نے انکار کیا ہے۔ اس نے ان کو سات قراءات کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ حالاں کہ سات حروف کے بارے میں حدیث رسول اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔[5]

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري مع الفتح (٩/ ٢٢)

[2] جو قراءات میں تفسیر کے طور پر اضافہ کیا گیا ہو۔ (الإتقان، ص: ٧٧)

[3] البرهان (١/ ٣١٨)

[4] اہلِ علم کے درمیان اس میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔ بعض جاہل لوگ ان دونوں کو ایک چیز سمجھتے ہیں، حالاں کہ سب سے پہلے ابوبکر بن مجاہد نے چوتھی صدی کے دوران میں سات قراءات کو جمع کیا تھا۔ دیکھیں: المرشد الوجيز لأبي شامة (ص: ١٤٦) مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام ابن تيمية (١٣/ ٣٩٠) النشر لابن الجزري (١/ ٢٤)

[5] صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف، من البخاري مع شرحه فتح الباري (٩/ ٢٣) رقم الحديث (٤٩٩٢) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب بيان أن القرآن على سبعة أحرف وبيان معناه، رقم الحديث (٨١٨) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف (٢/ ١٥٨) رقم الحديث (١٤٧٥)

بلکہ خود شیعہ کی کتابوں میں بھی کئی احادیث میں قرآنِ کریم کے ساتھ حروف میں نازل ہونے کے متعلق روایت ذکر ہوئی ہے کہ قمی نے اپنی کتاب ''الخصال''[1] میں اس کے لیے باب باندھا ہے۔ ان قراءات کی سندوں پر غور کرنے والے دیکھے گا کہ ان میں کئی سندیں ان کے ساتھ جا ملتی ہیں، جن کی امامت کا شیعہ دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جعفر صادق وغیرہما، اس سلسلے میں شیعہ کے اعتراف کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔[2]

گیارھواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''گیارھویں دلیل: ان معتبر اور صریح اخبار و روایات کے بیان میں جو موجودہ قرآن میں سقوط اور کمی کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ قرآن اس مقدار سے کم ہے، جو جن و انس کے سردار ﷺ کے دل پر معجزانہ نازل ہوا۔ یہ (آیات) ان معتبر کتابوں میں متفرق اور جدا جدا ہیں، جو اصحاب کے نزدیک قابلِ اعتماد ہیں۔''

جواب:

اس کے بعد اس نے اپنے فرقے کی کتابوں سے اس کے متعلق بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ یہ کثیر روایات جن سے اس نے استدلال کیا ہے، قرآن کریم میں تحریف پر دلالت نہیں کرتیں، جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور قطعی دلائل اور قرائن اس کے سلامت اور محفوظ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ یہ روایات خود ہی ان احادیث کے جھوٹ اور ساقط الاعتبار ہونے پر گواہی پیش کرتی ہیں، جن کو یہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کے بعد ان کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں رہتا، ان کی یہ کتابیں ہی تحریف شدہ اور خود ساختہ ہیں، اسی جھوٹ نے ان روایات کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور اس فرضی داستان نے خود ان کی حقیقت ننگی کر دی ہے۔

اس کی روایات کی اس کے مطلوب و مقصود پر دلالت اس کی ملت اور قوم پر تو لازم ہو سکتی ہے، امتِ اسلام پر قطعاً نہیں۔ ان کے گھر کے ایک بھیدی ہی نے ان کی لنکا ڈھاتے ہوئے کہا ہے:

''ان کی اس باب اور مسئلے میں جتنی روایات ہیں، ان سب کو غالیوں، جھوٹوں اور دین میں بدنام

---

[1] الخصال: نزل القرآن علی سبعة أحرف (ص: ۳۵۸)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۶) دیکھیں۔

لوگوں نے روایت کیا ہے، جن سے روایت کرنا حلال ہی نہیں۔‘‘

یہ گواہی شیعہ کے شیخ بلاغی نے اپنی تفسیر ’’آلاء الرحمن‘‘ میں دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’اس کے ساتھ ساتھ، معاصر محدث نے فصل الخطاب میں ایسی روایت جمع کرنے کی بڑی مشقت اٹھائی ہے، جن سے اس نے اس عیب پر استدلال کیا ہے۔ یہ جملہ روایات جو اس نے ذکر کی ہیں، ایسی ہیں، جن کو سچا ماننا آسان نہیں، ان میں کچھ ایسی ہیں، جن میں اتنا اختلاف ہے، جو تعارض اور ایک دوسری کی نفی پر ختم ہوتا ہے، ...اس کے ساتھ ساتھ ان روایات کی ایک بہت بڑی قسم ایسی ہے، جس کی سندیں صرف چند اشخاص تک پہنچتی ہیں، جن تمام کو علمائے رجال نے یا تو ضعیف الحدیث، فاسد المذہب اور ساقط الروایت قرار دیا ہے یا مضطرب الحدیث اور مضطرب المذہب کہا ہے، وہ معروف ومنکر ہر طرح کی روایت کرتا ہے۔ وہ ضعفا سے روایت کرتا ہے، یا وہ کذاب اور تہمت زدہ ہے، مَیں اس کی تفسیر سے ایک روایت بھی نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا، وہ مشہور واقفی ہے اور امام رضا کا سب سے بڑا دشمن ہے یا پھر وہ غالی جھوٹا ہے یا ایسا ضعیف ہے کہ جس کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے نہ اس پر اعتماد ہی کیا جاتا ہے اور جھوٹوں میں سے ہے یا پھر وہ فاسد الروایہ ہے اور اسے غلو کا الزام دیا جاتا ہے۔ واضح بات ہے کہ ان جیسے لوگوں کی کثرت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔‘‘[1]

اسی طرح اپنے زمانے کا شیعہ مرجع تقلید مرزا مہدی شیرازی ذکر کرتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی روایات شاذ اور ضعیف سند کی حامل ہیں، جن کے متنوں میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’وہ روایات جن کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ بعض آیات میں تحریف ہوئی ہے، ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ روایات شاذ ہیں اور ان کی سندیں ضعیف ہیں، ان میں اکثر روایات سیاری[2] سے مروی ہیں، جس کو علمائے رجال نے ضعیف کہا ہے، جس طرح شیخ الطائفہ کی ’’الفہرست‘‘، علامہ کی ’’الخلاصۃ‘‘ اور نجاشی کی ’’الرجال‘‘ میں ہے، وہ ضعیف الحدیث، فاسد المذہب اور مردود الروایت ہے۔‘‘[3]

---

[1] البلاغي: آلاء الرحمن (ص: ٢٦)

[2] شیعہ کے ہاں اس کا ترجمہ اس طرح ذکر ہوا ہے: ’’ابو عبداللہ احمد بن محمد بن سیار، بصری کاتب سیاری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ضعیف الحدیث، مردود الروایت اور کثیر المراسیل ہے۔ (الفهرست للطوسي، ص: ٥١، رجال النجاشي، ص: ٦٢، رجال الحلي، ص: ٢٠٣) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ’’یہ تیسری صدی کے آخر میں ہوا ہے۔‘‘ (لسان الميزان: ١/ ٢٥٢)

[3] المعارف الجلية (ص: ١٨)

اس کے بعد اس نے اس کے متن میں تناقض بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''یہ دوصورتوں میں سے ایک دوسرے کے متضاد و معارض ہے: ① ساقط کی تعیین میں ان میں تعارض ہے۔② بعض روایات میں ذکر ہوا ہے کہ بہت ساری جگہوں سے حضرت علی کا نام ساقط ہوا ہے، جب کہ بعض روایات یہ دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت علی کا نام ذکر ہی نہیں کیا۔''

یہ ان کے رجال اور ان کی سندوں کے بارے میں بلاغی اور شیرازی کے اقوال ہیں۔ہمیں روافض کے حکم کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہم یہ صرف ان کے اقوال میں تناقض، ان کے اپنے قول کے گھٹیا اور ساقط ہونے کے احساس، اپنے مذہب پر پردہ ڈالنے کی کوشش یا ان کی اس کفر اور ننگ و عار کی تردید بیان کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں، جو شیعہ کے کلینی، ابراہیم القمی، مجلسی اور اس کے ہمنوا پہلے علما نے اس کفر اور الحاد کو ان کے اصول میں رکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس فرقے کے منہ پر کالک مَل دی ہے۔

صرف اس وجہ سے ہم ان کے وہ اقوال لیتے ہیں، جو ان کی سندوں پر حکم لگاتے ہیں۔

بارھواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''بارھویں دلیل: قرآن کریم کی مخصوص مقامات کے متعلق وارد ہونے والی اخبار جو گذشتہ گیارہ شکلوں میں کسی ایک شکل کے ساتھ بعض کلمات، آیات اور سورتوں میں تبدیلی پر دلالت کرتی ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں (یعنی ان کے فرضی افسانوں کے مطابق) حتی کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض مولفات میں، جس طرح اس سے نقل کیا گیا ہے، کہا ہے: اس پر دلالت کرنے والی اخبار و روایات دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں، ایک جماعت، جیسے: مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ نے ان کے مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے، بلکہ شیخ نے بھی ''التبیان'' میں ان کی کثرت کا صریحاً ذکر کیا ہے، یہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ان کے متواتر ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں، جو ان کے دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔''[1]

جواب:

اس کے بعد اس نے اپنی روایات میں ذکر ہونے والی آیات کا بیان شروع کیا ہے، جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ وہی وہ قرآن ہے، جو تحریف سے سالم اور محفوظ ہے، پھر اس نے قرآن کی سورتوں کی ترتیب

[1] فصل الخطاب (ص: ۲۵۱۔ ۲۵۲)

کے مطابق ایک سو صفحے پر ۱۰۶۲ مثالیں ذکر کی ہیں۔ میں ان میں چند ایک مثالیں ذکر کروں گا، تا کہ ان افترا پردازیوں کے مطلوبہ اہداف کی حقیقت واضح ہو جائے۔

اس سے پہلے میں یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ اس موضوع پر ان کی روایت کی کثرت اس کے اپنے ہم مذہبوں کے لیے تو کچھ لازم اور ثابت کر سکتی ہے، امتِ اسلام کے لیے نہیں ... یہ کثرت جو وہ بیان کر رہا ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شیعہ کے دین کا تانا بانا جھوٹ سے اور اسلام کے عظیم رکن اور بنیاد؛ قرآنِ کریم جس پر اس کی بنیاد قائم ہے، اس کے خلاف محاذ آرائی کر کے اسلام کے خلاف سازش کرنے سے بُنا گیا ہے۔ یہ ملحد ان کے ہاں اس باطل کی کثرت اور اس کا مستفیض و مشہور ہونا بیان کرتا ہے، جب کہ دوسرے اس کے شاذ و نادر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ سب لوگ ان کے معتبر علما اور شیوخ میں شمار ہوتے ہیں تو کیا یہ اس مذہب اور اس کے ماننے والوں کے تناقض کا عنوان نہیں؟

یہ دعویٰ جس کو وہ اپنی مراد ثابت کرنے کے لیے دلیل خیال کر رہا ہے، یہ اس کے کفر کا عنوان، کلنک کا ٹیکا اور کالک ہے، جو اس نے قیامت تک اپنی قوم کے چہرے پر مل دی ہے۔

شرم مگر تم کو آتی نہیں

جب حیا ختم ہو جائے تو جو جی میں آئے کرتے پھرو۔ کفر کے بعد کوئی گناہ بڑا نہیں۔ وہ یہ دعویٰ کر کے اپنی قوم کو کتاب اللہ سے پھیرنا چاہتا ہے، کیوں کہ ان کی مزعوم کتاب ابھی تک ان کے موہوم اور خیالی غائب کے پاس ہے، جو دائمی عزلت اور ہمیشہ کی پوشیدگی کی قبر میں دفن ہو چکا ہے، کیوں کہ وہ اصلاً پیدا ہی نہیں ہوا۔

البتہ جو مثالیں اس نے پیش کی ہیں، وہ کتاب اللہ میں اپنے عقائد کی سند گھڑنے کی ایک مایوسانہ کوشش ہے، تا کہ اپنے پیروکاروں اور فرزندانِ قوم کے دل کی تسلی کا کوئی سامان کر سکیں، جو اس وجہ سے حیران اور متزلزل ہیں کہ اسلام کی عظیم بنیاد اور اصل کتاب قرآنِ کریم میں بارہ اماموں کی امامت و ولایت کا کوئی ذکر تک نہیں، جس میں ان کا سارے کا سارا دین بند ہے!

اس سلسلے میں اس ملحد نے جو کچھ کہا، اس کی چند ایک مثالیں سنیے:

1 سورۃ بقرۃ: ''.... جابر جعفی سے مروی ہے، ابو عبداللہ نے اس آیت کے بارے میں کہا: ''وإذا قيل لهم آمنو بما أنزل اللّٰه (في علي) قالوا أنؤمن بما أنزل علينا'' [1]

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٥٤)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ انھوں نے اس آیت کریمہ میں "في علي" کا اضافہ کرلیا ہے اور یہ زندیق اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے متعلق ہے، جو انھوں نے اضافہ کیا ہے۔ سیاقِ کلام اس کو ایک طرف پھینکتا ہے اور آیت کا لفظ بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔ شیعہ کا یہ کہنا: "بما أنزل علينا" (جو ہم پر نازل ہوا) صریح نص ہے کہ یہ آیت اس امت کے متعلق نہیں۔

لیکن یہ لوگ یا تو عجمی زندیق ہیں، جو آیات کے معانی نہیں سمجھتے یا پھر شیعہ کو گمراہ کرنے اور ان کو کفر اور الحاد کی راہ پر چلانے کے لیے جان بوجھ کر اس کا قصد کیا گیا ہے۔

2 سورۃ انعام: کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے: "إن الذين فارقوا أمير المؤمنين وصاروا أحزابا"[1] (وہ لوگ جنھوں نے امیر المومنین کو چھوڑا اور وہ گروہوں میں تقسیم ہوگئے) اس طرح کہہ کر یہ لوگ اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٥٩] کو بدلنا چاہتے ہیں۔

لیکن یہ ملحد وضع کرنا بھی نہیں جانتے، کیوں کہ یہ آیت مکی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں کوئی امیر المومنین نہیں تھا، تمام رسول اللہ ﷺ کے اَتباع اور پیروکار تھے، حضرت علی کے پیروکار نہیں، جو آپ ﷺ کو چھوڑ جاتے!

3 سورت براءت: ملحد کہتا ہے: کلینی اور عیاشی نے ابوالحسن رضا سے روایت کیا ہے کہ حسین بن جہم نے ان سے کہا: وہ اس آیت: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة: ٤٠] سے ہمارے خلاف استدلال کرتے ہیں اور اس کو ہمارے خلاف بہ طورِ حجت پیش کرتے ہیں۔

اس نے کہا: اس میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فأنزل الله سكينته على رسوله" اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، وہ کہتا ہے: میں نے ان سے کہا: کیا اس طرح اس کی قراءت ہے؟ اس نے کہا: ہاں اسی طرح اس کی قراءت ہے۔ ابوجعفر سے بھی اس سے ملتی جلتی بات منقول ہے۔ اس نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ سکینت اللہ کے رسول پر نازل ہوئی اور اس نے ان لوگوں کے کلمے کو نیچے کر دیا، جنھوں نے کفر کیا، یہ کلام تمھارے عتیق (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ہے۔ ملحد کہتا ہے: یہ آیت اس صاحبِ (غار) کے عدمِ ایمان پر دلالت کرتی ہے۔"[2]

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ زنادقہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ﴾ [التوبة: ٤٠]

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٦٢)

[2] فصل الخطاب (ص: ٢٦٦)

میں ''علیہ'' کو حذف کر کے اور اس کی جگہ ''علی رسولہ'' کا اضافہ کر کے تحریف کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس نص میں رافضہ کی تحریف کرنے کا مقصد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنا ہے، جبکہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سب سے بڑی دلیل ہے، لیکن ان عجمیوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ تبدیلی ان کے اختیار کردہ موقف اور مطلوبہ غرض کو پورا نہیں کرتی۔[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی ''تحریفات'' اور اساطیر ولایت کے محور میں گھومتی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتی ہیں۔ اس ملحد کی ذکر کردہ اکثر کہانیاں اسی رنگ ڈھنگ کی ہیں۔ اس الحاد پسند نے اپنے بارہ شبہات[2] پیش کرنے کے بعد شیعہ کے دوسرے بازو اور اس افسانے کے واضح طور پر فاسد ہونے کی وجہ سے اس کی موافقت سے انکار کرنے والے گروہ کی تردید کی کوشش کی ہے اور اپنی کتاب کا ایک باب اس موضوع پر باندھا ہے، جس میں اس نے شیعہ کے دلائل پیش کیے ہیں اور ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ میں آیندہ صفحات پر اس الزام کا انکار کرنے والے شیعہ کے دلائل ذکر کروں گا، اس ملحد نے جو ان کے جوابات دیے ہیں، ان کی طرف بھی اشارہ کرتا جاؤں گا اور اس کے ساتھ بحث و مناقشہ بھی کروں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ باب جو اس نے باندھا ہے، اس کے ساتھ اس نے خود اپنے الزامات اور افتراءات کی تردید کی ہے، کیوں کہ یہ اپنی قوم کے منکرینِ تحریف کا جواب نہیں دے سکا، جس طرح آپ دیکھیں گے۔

ملحد کہتا ہے:

کتاب اللہ میں مطلقاً تبدیلی واقع نہ ہونے کے قائلین کے دلائل کا بیان، جو یہ کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مکمل طور پر وہی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور یہ متعدد امور ہیں:

---

[1] امام ابن کثیر نے اس آیت: ﴿فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلَيْهِ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ نے اس پر یعنی اپنے رسول پر سکینت نازل کی اور یہ دو مشہور قولوں میں سے ایک قول ہے۔ (ابن کثیر: ٢/ ٣٨٤) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس اور حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے۔ (زاد المسیر: ٣/ ٤١)

[2] اس باب میں تفصیل کے ساتھ شیعہ کے جھوٹوں کا جواب جاننے کے لیے قاری، امام باقلانی کی کتاب "الانتصار" کی طرف رجوع کر سکتا ہے، (اس کا پہلا حصہ ۳۰۴ اوراق میں، معهد المخطوطات العربية، قاہرہ میں قلمی صورت میں موجود ہے) یا پھر "نکت الانتصار لنقل القرآن" بتحقیق ڈاکٹر محمد زغلول، کو دیکھا جا سکتا ہے۔
اس رافضی کے شبہات نئے نہیں، کیوں کہ یہ اس کے اسلاف زنادقہ نے بھی پیش کیے اور علمائے مسلمین نے ان کے جوابات دیے۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس رافضی نے یہ شبہات بعض علمائے مسلمین کی تحریروں سے ان کے جوابات نقل کیے بغیر لیے ہیں، تاکہ اپنی قوم کو سیدھی راہ سے بھٹکا سکے۔ حقیقتِ امر معلوم کرنے کے لیے اس کے شبہات کا "نكت الانتصار بلألقاني" میں وارد ہونے والے شبہات سے تقابل کیجیے۔

① فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

ملحد کہتا ہے:

''اعتراض کیا گیا کہ حفاظتِ قرآن سے مراد یہ ہے کہ اس میں معاندین اور دشمنانِ دین کے شبہات راہ نہیں پا سکیں گے، کیوں کہ اس میں الحمد للہ کسی اعتراض اور تنقیص کے لیے کوئی راستہ نہیں۔''[1]

دیکھیے! اس ملحد کا یہ احمقانہ اعتراض جو اپنے ''تحریف'' کے قول کو معاندین کے شبہات ہی میں شمار نہیں کرتا، چنانچہ وہ حفاظت کے عموم میں داخل ہی نہیں؟ حفاظت کا سب سے قریب اور پہلا معنی تبدیلی اور تغییر سے حفاظت ہے اور یہ آیت اس عموم میں بالکل ظاہر ہے، چاہے کافر ناپسند ہی کریں۔

کہتا ہے: یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ ''اس آیت میں ''له'' کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف لوٹتی ہے، قرآن کی طرف نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی دلیل نہیں۔''[2]

یہ بالکل واضح اور جلی ہے کہ ضمیر ﴿اَلذِّكْرَ﴾ کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر عربی زبان میں قریب ترین مذکور کی طرف لوٹتی ہے، جو ''سیاق سے بالکل واضح ہے۔''[3] پھر کیا اللہ اپنے رسول کی تو حفاظت کریں، لیکن اپنی کتاب کو ضائع ہونے دیں؟ ان لوگوں کو کیا ہے کہ کوئی بھی بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے۔

ملحد کہتا ہے:

''اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حفاظت تبدیلی کو بھی شامل ہے (یعنی صرف معاندین کے شبہات سے ہی نہیں، اس کی عبارت بھی تبدیلی سے محفوظ ہے، جس طرح یہ ملحدین سمجھ رہے ہیں) تو وہ اجمالی طور پر قرآن کو حاصل ہے، اس کی ایک ایک آیت کو نہیں، کیوں کہ ایسا رونما ہوا، بلکہ بعض اوقات اسے پھاڑ دیا گیا، جس طرح ولید وغیرہ نے کیا تھا۔''[4]

یہ جاہل شخص کا اعتراض ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کے کسی نسخے کو جلانا اس کو تبدیل کرنا ہے، اس لیے

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٥٩٢)

[4] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

اس کا جواب اس کفر کا انکار کرنے والے ایک شیعہ عالم ہی نے دیا ہے، وہ کہتا ہے:

''یہ کلام غور وفکر کا نتیجہ نہیں۔ تبدیلی سے مراد اس حیثیت سے ہے کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا گیا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہ نہیں جو نسخوں میں لکھا گیا، کیوں کہ یہ تمام ضائع ہو سکتے ہیں، جب کہ قرآن تو سینوں اور صحیفوں دونوں میں محفوظ ہے، حتی کہ اگر ۔نعوذ باللہ۔ یہ فرض کر لیا جائے کہ زمین پر موجود قرآنِ کریم کے تمام نسخے تلف ہوگئے ہیں تو وہ پھر بھی محفوظ ہی رہے گا۔''[1]

② فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ [حم السجدة: ٤١۔ ٤٢]

''اور بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت کتاب ہے۔ اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

اس آیت کے جواب میں اس ملحد کو بہت زیادہ تذبذب اور اضطراب کا سامنا کرنا پڑا ہے، کبھی کہتا ہے:

''حذف اور تغییر اگرچہ باطل ہے، لیکن اس آیت سے یہ مراد نہیں۔''[2]

یہ کیوں مراد نہیں، حالاں کہ قرآن میں تبدیلی سب سے بڑا باطل ہے؟ اس ملحد کی تعصب کی شہوت پرستی کہتی ہے:

''اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ اس میں ایسی چیز واقع ہو، جو اس کے باطل ہونے کو لازمی قرار دیتی ہو، جیسے اس کے احکام میں تناقض ہونا یا اس کی خبروں اور واقعات کا جھوٹا ہونا۔''[3]

اس تاویل پر غور کیجیے، جو بیمار ذہنیت پر یا برضا و رغبت اختیار کردہ زندیقیت پر، یا پھر ایک ساتھ دونوں ہی پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن میں ۔معاذ اللہ۔ اگر وہ واقع ہوجاتا، جس کو یہ ملحد تبدیلی سمجھتا ہے تو اس کے احکام میں تناقض اور اس کی خبروں میں جھوٹ واقع ہوجاتا۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''ثانیاً: اس وجہ سے بھی کہ یہ ان آیات سے بھی منہدم ہوجاتا ہے، جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں، یا صرف تلاوت منسوخ ہوچکی ہے۔''[4]

---

① یہ محسن کاظمی کا قول ہے، جو اس کی کتاب "شرح الوافیة" میں مذکور ہے اور اسی سے "فصل الخطاب" (ص: ٣٦٠) کے مولف نے نقل کیا ہے۔

② فصل الخطاب (ص: ٣٦٢)

③ المصدر السابق.

④ فصل الخطاب (ص: ٣٦٢)

یہ اس دلیل کی طرف دوبارہ واپسی ہے، جس کو ہم نے پہلے توڑ دیا ہے۔ گویا وہ اس کے ساتھ رب العالمین کی تکذیب کر رہا ہے، کیوں کہ اس کا گمان ہے کہ نسخ باطل امور میں سے ہے، جو کتاب اللہ میں واقع ہوا ہے۔ دیکھیے! یہ اس کا کتنا بڑا جرم ہے؟

نسخ حق ہے، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جس کا اس ملحد کے مرتضیٰ طوسی اور طبرسی[1] جیسے بڑے علما نے بھی اقرار کیا ہے۔

گویا یہ اور اس کے ہم قدم اور ہم نوا معاصرین غلو کے اس مرحلے پر سوار ہو چکے ہیں، جس کا ان کے اسلاف کے دل میں بھی خیال پیدا نہیں ہوا۔

اس کے بعد ملحد کہتا ہے:

''اس سے باطل کی نفی کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اہلِ بیت کے پاس یکتا محفوظ نسخہ اس باطل سے خالی ہے۔''[2]

ان روافض کے نقطۂ نظر پر تعجب ہے کہ یہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب کی حفاظت کے متعلق آیات کی تاویل اپنی موہوم کتاب سے کرتے ہیں، جو ان کے مزعوم غائب امام کے پاس ہے، جن دونوں کے بارے میں امت کچھ جانتی ہے نہ ان دونوں کا کوئی اَتا پتا ہی ہے۔

پھر اس کا منتظر کے پاس محفوظ ہونا کیا فائدہ دے رہا ہے؟ اگر یہ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دے رہا تو اس کا اللہ کے پاس ہی رہنا زیادہ مفید تھا، تاکہ تحریف سے تو محفوظ رہتا، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کرنے کے بعد محفوظ کیا، تاکہ وہ امت کے لیے قیامت تک دستورِ زندگی اور منہجِ حیات رہے۔ حفاظتِ قرآن کا اس کے سوا کوئی مفہوم اور کوئی حکمت نہیں۔

۳ ''ان کے ہاں قرآن کی سورتوں کے ثواب میں ذکر ہونے والی بہت زیادہ روایات۔''

صدوق کہتا ہے:

''قرآن کی ہر سورت کے پڑھنے کے ثواب، سارا قرآن ختم کرنے کے ثواب، ہر نفل رکعت میں دو سورتوں کو اکٹھا کرنے کا جواز اور فرض رکعت میں دو سورتوں کو اکٹھا کرنے سے منع (یہ ان کی روایات کے مطابق ہے) کے بارے میں ذکر ہونے والی روایات قرآن کریم کے بارے میں جو ہم

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۵۲) دیکھیں۔

[2] فصل الخطاب (ص: ۳٦۳)

نے کہا ہے، اس کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ کہ جو لوگوں کے پاس اس کی مقدار ہے (وہی اصل ہے) ایک ہی رات میں سارے قرآن کی تلاوت سے نہی اور تین دن سے کم مدت میں اس کو ختم کرنے سے منع کے بارے میں جو کچھ روایت کیا گیا، وہ ہمارے مذہب کی تصدیق ہے۔''[1]

④ نبی اکرم ﷺ اور ائمہ سے متواتر منقول روایات جو ان کی اخبار اور روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا کہتی ہیں اور اگر یہ قرآن تحریف شدہ اور تبدیل شدہ ہے تو اس پر پیش کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور جو (غائب امام کے پاس) نازل محفوظ ہے، اس پر پیش کرنا استطاعت سے باہر ہے۔[2]

⑤ جن دلائل سے تحریف کی خرافت کے مخالف بازو اور جماعت نے استدلال کیا ہے، ان میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کتاب و سنت اور عترت (آلِ نبی) کو لازماً پکڑے رکھنے کے حکم کے بارے میں ان کے ہاں متواتر روایات وارد ہوئی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر زمانے میں موجود ہے، کیونکہ یہ عقلاً محال ہے کہ امت کو ایک ایسی چیز پکڑے رکھنے کا حکم دیا جائے، جس کو پکڑے رکھنے پر وہ قادر نہ ہو۔[3]

---

[1] الاعتقادات (ص: ۱۰۲) فصل الخطاب (ص: ٣٦٣) اس کے جواب کی کوشش میں اس نے کہا ہے کہ قرآن کو پڑھنے اور ختم کرنے کا حکم ... الخ سے یہ مراد نہیں کہ اس میں تحریف نہیں ہو سکتی، اس نے اس دعوے کے خلاف دلیل اپنے غلط اور منکر اصول کے تقاضے کے مطابق دی ہے، جو باطل پر مبنی ہے، وہ کہتا ہے: ''یہ ایک طرح سے امام کی اتباع اختیار کرنے کی ترغیب ہے یا جو امانت اس کے سپرد کی گئی ہے، تقیے یا خوف کے پیشِ نظر اس کے اظہار کی عدمِ قدرت کی وجہ سے، اس پر قدرت نہ رکھنے جیسا ہے۔'' (فصل الخطاب، ص: ٣٦٣)

یہ روافض کے غیبت، تقیہ اور ولایتِ امام کے مذہب پر مبنی ہے، جس کا باطل ہونا اور عقل و نقل، دین کے ضروری امور کے علم اور تواتر کے مخالف ہونا پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ اس موضوع کو ہوا دینا درحقیقت ان کے اس شذوذ اور انحراف پر مبنی ہے، جس کی انھیں کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں ملی۔

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٤) اس صورت نے بڑے واشگاف انداز میں شیعہ کے تناقض سے پردہ ہٹایا ہے، فصل الخطاب کے مولف کے ذہن میں اس کے بند نہیں کھل سکے، چنانچہ اس کے جواب میں حق کا کچھ اعتراف کیے بغیر اس کی نہیں بنی اور کہتا ہے: ''یہ قرینہ ہے کہ جو ساقط ہے، وہ موجود کے لیے نقصان دہ نہیں، اس کا تمام کا تمام ہونا اعجاز کے لیے ہے، لہٰذا اس پر روایات کو پیش کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نیز اس کا زیادہ تعلق اور اختصاص احکام کی آیات کے ساتھ ہے کہ جن میں خلفا کی طرف سے کوئی کمی نہیں کی گئی۔'' (فصل الخطاب، ص: ٣٤٦)

یہ جواب شیعہ کی ان روایات میں پائے جانے والے تناقض کو دور کرنے کے لیے کافی نہیں، جو ایک طرف تو روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا حکم دیتی ہیں اور دوسری طرف تحریف کا قول اور نظریہ بھی پیش کرتی ہیں۔ عدمِ تحریف و سقوط کو احکام کی آیات کے ساتھ مخصوص کرنے کا دعویٰ بلا دلیل ہے، کیوں کہ ان کی روایات ان کی تمام روایات کو بالعموم قرآن پر پیش کرنے کا حکم دیتی ہیں، صرف احکام کی آیات کی تخصیص نہیں کرتیں۔

[3] الطوسي: التبیان (۱/ ۳) فصل الخطاب (٣٦٤) ملحد نے اس دلیل کا رد بھی شیعہ کی خرافات کے تقاضے کے مطابق دیا ہے، ←

⑥ اگر اس سے کچھ بھی ساقط ہو جاتا تو اس کی طرف رجوع کرنے میں کوئی اعتماد باقی نہیں رہتا۔[1]

⑦ قرآن کریم کی حفاظت اور ضبط کے اتنے زبردست اہتمام کے بعد اس سے کسی چیز کا ساقط ہو جانا عادات جاریہ کے خلاف ہے، ایسا نہیں ہوتا۔

اس کے متعلق سید شارح وافیہ[2] کہتا ہے:

''یہ طویل مدت، اس کو ضبط کرنے کا بہت بڑا داعی اور سبب ہے، جس کی طرف دیکھتے دیکھتے گردنیں پھیل جاتی ہیں۔ اس جیسی چیز کس طرح مخفی رہ سکتی ہے، آپ ﷺ تو جب آپ کو وحی ڈھانپ لیتی، اتنا بوجھ محسوس کرتے کہ اگر سوار ہوتے تو آپ ﷺ کی سواری کی ٹانگیں مڑ جاتیں، جب آپ ﷺ

← کیوں کہ ان کے ہاں عترت کو پکڑے رکھنے کا حکم ذکر ہوا ہے، حالانکہ امام اور کتاب دونوں ہی صدیوں سے غائب ہیں۔ شیعہ کے ایک عالم محسن کاظمی نے ''شرح الوافیۃ'' میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے: ''ان کو پکڑے رکھنا غیوبت (یعنی منتظر کی غیوبت) کے ساتھ بھی ممکن ہے، یعنی ان کے بارے میں اور ان کے طریقے کے بارے میں جان کر، لیکن یہ کتاب کو پکڑے رکھنے کے خلاف ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ تمسک کرنا، اس کو پکڑے بنا ممکن نہیں اور یہ اس کو دیکھے اور پڑھے بغیر محال ہے۔ (دیکھیں: فصل الخطاب، ص: ۳٦٥)

ملحد کو اس کا یہ جواب پسند نہیں آیا، تو اس نے کہہ دیا: ''غیوبت میں امام کے تمام طریقوں کے علم کا کسی عالم نے بھی دعویٰ نہیں کیا۔'' اس کے بعد اس نے جو کہا، اس کا لب لباب یہ ہے کہ ''امام کے بعض طریقوں کا علم بھی کافی ہے، اسی طرح تحریف سے محفوظ سارے نہیں تو بعض قرآن کا علم بھی کافی ہے۔'' (فصل الخطاب، ص: ۳٦٥) اس طرح یہ مذہب خود اپنی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے۔

[1] یہاں بھی ملحد نے اپنے جواب میں اس دلیل سے پردہ اٹھایا ہے، چنانچہ کہتا ہے: ''یہ اعتراض نہیں بنتا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ ظاہر، جس کو اس کے ظاہر سے پھیر دیا گیا ہو، ایسے ظواہر سے ہو، جو عملی شرعی احکام کے متعلق نہ ہوں، جن میں ہمیں کتاب کے ظاہر سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (فصل الخطاب: ۳٦٥)

گویا وہ یہ اشارہ کر رہا ہے کہ ان کا قرآن سے رجوع صرف احکام کی آیات میں ہے، یا وہ احکام کی آیات کے سوا قرآنِ کریم کی اپنی باطنی تاویلات سے رجوع کرتے ہیں ... پھر کہتا ہے: ''ائمہ کا ان کے ساتھ تمسک (یعنی احکام کی آیات کے ساتھ) اصحاب کو اسی پر پکا کرنا اور کئی ایک جگہوں میں ان ان آیات کو لینا، ایسا عدمِ سقوط بیان کرنے والا ہو، جو احکام کی آیات میں موجود اجمال کو لازمی کرتا ہے اور ان کے علاوہ میں سقوط کے منافی نہ ہو۔'' (المصدر السابق: ۳٦٥)

وہ یہاں اپنی روایات اور اساطیر کو قرآن پر حاکم قرار دے رہا ہے، اس لیے آیاتِ احکام میں قرآن سے رجوع کرنے کا ان کا حکم قبول کرتا ہے، جبکہ حقیقت میں ان کے ہاں تناقض بالکل واضح ہے۔ کتاب کے ساتھ تمسک کا حکم بھی عام ہے، جو احکام اور غیر احکام سب آیات کو شامل ہے اور تحریف کی کہانیاں بھی عام ہیں، چنانچہ تناقض ان کی روایات کے ساقط اور بے حقیقت ہونے کی دلیل ہے۔

[2] محسن بن سید حسن الاعرجی، الحسینی، الکاظمی (المتوفی ۱۲۲۷ھ) اس کی کتاب کا نام ''شرح الوافیۃ'' یا ''المحصول'' ہے۔ ''الذریعۃ'' کے مولف نے کہا ہے کہ اس نے اپنے بعض اساتذہ کے پاس اس کے کئی نسخے دیکھے ہیں۔ (الذریعۃ: ۲۰/ ۱۵۱)

سے یہ کیفیت دور ہوتی، جو آپ پر نازل ہوتا، آپ ان کے سامنے اس کی تلاوت فرما دیتے۔

''ایک قادر الکلام خطیب یا شاعر کی طرح جو حکمت کے مقامات اور حسبِ موقع وضرورت، خصوصاً جب اس کے ورود اور آمد کا کوئی معلوم شاہد اور واضح نشانی ہو، شعر پر شعر سناتا ہے یا ایک بات کے بعد دوسری بات کرتا جاتا ہے۔

''آپ ﷺ ان کے پاس وعدو وعید، ترغیب وترہیب، پیش آمدہ تکالیف، گذشتہ امتوں کے واقعات اور نئے اقوال لے کر آتے۔ وہاں لوگوں کی ایسی جماعتیں تھیں، جو بصد شوق منتظر ہوتیں کہ آنخضرت ﷺ کی طرف سے ترغیب وترہیب کے سلسلے میں ظاہر کی جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اس کو سیکھنے، اس کی تلاوت کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے معانی میں ان کو غور وفکر کرنے کا پابند کیا تھا اور اس پر ان کو جنت کا وعدہ دیا اور اس کی تلاوت کو عبادات کی تمام انواع سے عظیم قرار دیا۔

''اس لیے ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو ساری رات اس کی تلاوت میں کاٹ دیتے، لیکن آپ ان تمام کاموں پر مطمئن نہیں ہوئے، بلکہ اس کی کتابت، حفاظت اور حراست کے لیے چودہ لوگوں کی ذمے داری لگائی،[1] جو اس کو آپ ﷺ پر پیش کرتے اور آپ ﷺ کے سامنے اس کو پڑھتے، کیوں کہ وہ نبوت کا معجزہ، شرعی احکام کا ماخذ، امت کا مرجع اور ائمہ کی دلیل ہے، حتی کہ ان کی جماعت جیسے عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ نے اس کو آپ ﷺ کے سامنے کئی مرتبہ ختم کیا۔''

مسلسل اس کا معاملہ پھیلتا رہا، روز بہ روز اس کی روشنی عام ہوتی رہی ہے، سال بہ سال اور صدی بہ صدی اس کی چمک دمک بلند و بالا ہوتی رہی، حتی کہ یہ دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام متواتر امور میں عظیم تر متواتر امر کی شکل اختیار کر گیا۔ یہاں سے ہمارے سید مرتضیٰ کے قول کا راز سامنے آجاتا ہے، جو ان سے ہمارے شیخ ابو علی نے مجمع میں نقل کیا ہے:

''قرآن کریم کے منقول ہونے کی صحت کا علم ملکوں اور دنیا میں رونما ہونے والے بڑے بڑے

---

[1] نبی اکرم ﷺ کے متعدد کاتب تھے، کئی علما نے ان کے نام شمار کیے ہیں۔ ابو شامہ نے ان میں سے پچیس کے قریب نام گنوائے ہیں۔ دیکھیں: المرشد الوجیز (ص: ٤٦) امام ابن قیم نے ان میں ۱۷ صحابہ کا نام ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۱۱۷) شاید ان کا ان سب سے زیادہ احاطہ حافظ عراقی نے کیا ہے، جنھوں نے ۴۲ کاتبین رسول ﷺ ذکر کیے ہیں۔ (دیکھیں: التراتیب الإداریة للکتاب: ١/ ١١٦) برہان حلبی نے ان کو الشفاء کے حواشی میں شمار کیا ہے اور ۴۳ تک جا پہنچے ہیں۔ (المصدر السابق: ۱/ ۱۱۷، نیز دیکھیں: الصباغ، لمحات في علوم القرآن، ص: ٦٧)

واقعات اور عظیم تر حادثات کے علم کی طرح ہے ....'' اس کے بعد اس نے شریف مرتضیٰ کا وہ کلام ذکر کیا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔[2]

پھر وہ کہتا ہے کہ قرآن کریم اتنا زیادہ نہیں کہ جس کو جمع کرنا ناممکن ہو نہ اتنا منتشر اور متفرق تھا کہ جس کو اکٹھا نہ کیا جا سکتا ہو، وہ تو کسی بھی بڑے شاعر کے دیوان کی طرح ہے، جو نفیس اشعار، حکمت کے موتیوں اور بکھری ہوئی ضرب المثل پر مشتمل ہو، جس کو یاد کرنے والے اور آگے منتقل کرنے والے ہوتے ہیں، لوگ اپنی محفلوں میں پڑھ کر اسے سناتے ہیں اور اسے اپنے رجسٹروں میں لکھ لیتے ہیں۔ پورا قصیدہ یا کوئی ٹکڑا تو ایک طرف رہا، اگر ایک شعر بھی ان سے کم ہو جائے، پھر سلطان اعلان کروائے کہ جو اس دیوان کو یاد کرنے والے، اس کو منتقل کرنے والے، اپنی مجلسوں میں سنانے والے اور اپنے پاس لکھنے والے ہیں، ان کے پاس جو کچھ لکھا ہوا ہے اور موجود ہے، سب لے آئیں، تو کیا آپ کے خیال میں اس کے بعد بھی اس کا کوئی حصہ باقی اور مفقود رہ جائے گا؟

کتاب عظیم ہماری بیان کردہ مثال سے بہت زیادہ اعلیٰ اور بالا ہے، اس کے حاملین، کاتبین اور حافظین، جو ہم نے کہا، اس سے بہت بہت زیادہ ہیں، اس کی طرف رغبتوں کی توجہ بھی شدید تر ہے، اس کے قراء اور حفاظ بھی کثیر تعداد میں ہیں، اس کو آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے ایام ہی میں، بعد کی باتیں تو ایک طرف رہیں، ایک جماعت نے جمع کیا، حتی کہ قرطبی کے بقول: جنگِ یمامہ میں ستر قراء شہید ہوگئے اور عہدِ نبوی میں بئر معونہ کے واقعے میں بھی اتنے ہی شہید ہوئے۔

بخاری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عہدِ رسالت میں کس نے قرآن جمع کیا؟ انھوں نے جواب دیا: چار انصاریوں نے، جن میں ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید تھے۔ میں نے پوچھا: ابو زید کون تھے؟ انھوں نے کہا: میرے ایک چچا تھے ....

یہ تمام امور اس زبردست توجہ اور اہتمام پر مستزاد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا اور اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا وعدہ اور اس دین کے اظہار کا پیمان پورا ہوا، جو اس کا سب سے بڑا رکن ہے، حتی کہ اس نے اس کے ظہور کا انکار کرنے والے سب بڑے منکروں اور اس کے مرتبے کو سب سے کم اہمیت دینے والوں کو اس کی حفاظت اور صیانت کا علمبردار بنا دیا، اسی طرح اس نے سلطنتِ اسلام کی حفاظت بھی کی، باوجودیکہ انھوں نے اس کی اولاد تک کو مٹانے پر اکٹھ کر لیا ہوا تھا۔[1]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۲۴) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ۳٦٥۔ ۳٦٧)

پھر اس کو اعجاز اور چیلنج کے طور پر پیش کرنے کے لیے مسلمانوں، کافروں اور منافقوں میں پھیلا دینے کے اسباب کا میسر ہونا، اس کا بڑے بڑے اور بنیادی احکام پر مشتمل ہونا، مصحف میں اس کی تلاوت کرنا، اس میں موجود علم کو حاصل کرنا، اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینا، ماہِ رمضان میں اس کو ختم کرنا، ہر مہینے میں ایک مرتبہ مکمل قرآن کی تلاوت کرنا، ہر ہفتے میں، تین دن بعد یا ایک ہی رات میں اس کو مکمل پڑھنا، یا ہر رات اس کے کچھ حصے کی تلاوت کرنا، اس کو حفظ کرنا، اس کو اٹھانے اور اس میں دیکھنے کا شرف حاصل کرنا، اس کے معانی میں تفکر کرنا اور اس کی مثالوں اور وعدہ وعید پر تدبر کرنا؛ یہ اور اس جیسے نا قابلِ شمار امور ہیں، جو اس کی حفاظت کا باعث ہیں، پھر مسلمانوں کی کثرت اور ان کا غلبہ بھی ایک بڑا اہم عنصر ہے، حتی کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام تیس ہزار نفوس پر مشتمل تھا اور حجۃ الوداع میں ستر ہزار (مسلمان) اکٹھے ہوئے ...[1]

فصل الخطاب کے مولف کا سینہ، اپنے ان علما کے، یہ کلمات جو اس الزام کے منکر ہیں، نقل کرتے کرتے تنگ ہوگیا، چنانچہ وہ ان پر تعقیب کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’وہ کلمات، جنھیں ہم نے نقل کرنا چاہا، ختم ہوگئے ہیں، جو ایسے شخص کے کلام سے مشابہت رکھتے ہیں، جس کو امامت کے مباحث سے کوئی سروکار اور اصحابِ نبی ﷺ کی آپ ﷺ کی زندگی میں اور وفات کے بعد گمراہی اور گم گشتگی کے حالات کی کوئی خبر نہیں۔‘‘[2]

ان کے کئی علما کے اس طرح کے کلمات ہیں، جو اس الزام کے واضح طور پر فاسد اور باطل ہونے کی بنا پر اس کی تردید کرتے ہیں، اس لیے علامہ آلوسی نے طبرسی کے اس کفر کا انکار ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

’’یہ ایسا کلام ہے، جس کے مذہب کا فساد بچوں پر بھی واضح ہے، اللہ کا شکر ہے کہ حق ظاہر ہوگیا ہے، وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال‘‘[3]

بہر حال یہ کتاب جس کو اس کے مولف نے کتاب اللہ کو نشانہ بنانے کے لیے لکھا ہے، اس نے کتاب اللہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ الٹا اس کے مذہب ہی کو اس کا نقصان پہنچا ہے اور اس نے اس کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

یہ شیعہ کے ماتھے پر رسوائی کا سب سے بڑا داغ بن چکا ہے، جو ان کی اخبار و روایات کے ساقط اور بے قیمت ہونے کی سب سے بڑی دلیل اور برہان ہے، ان کے متواتر اور مستفیض ہونے کی بھی کوئی حیثیت نہیں،

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٧)

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٧)

[3] روح المعاني (١/ ٢٤)

اس لیے شیعہ کے ایک معاصر عالم نے کہا ہے:

''اس نے اس کی تالیف میں کوئی عمدگی دکھائی ہے نہ اس کو جمع کر کے درست اور صحیح موقف کی موافقت ہی کی ہے۔ کاش! یہ اس کو نہ ہی لکھتا۔ اگر لکھتا بھی تو اس کی اشاعت نہ کرتا، اس کا نقصان فائدے سے بڑھ چکا ہے، بلکہ اس کی اشاعت میں کوئی فائدہ خیال نہیں کیا جا سکتا، اس نے تو خود اسلحہ تیار کر کے دشمن کے ہاتھ میں تھما دیا ہے...''

اس کے بعد کہتا ہے:

''کہا جاتا ہے: بعض دین کے دشمنوں اور مذہب کے حریفوں نے اسے یہ کتاب لکھنے پر اُکسایا، لیکن وہ اس اس بری غرض کا احساس نہیں کر سکا۔ یہ اندازہ یا نقل کچھ بعید نہیں۔''[1]

اس طرح یہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ نہ عام ہوتا، بلکہ چھپا ہی رہتا اور ان کی روایات اکٹھی نہ کی جاتیں، بلکہ متفرق ہی رہتیں، کیوں کہ اس کا ان کو فائدے سے زیادہ نقصان ہوا ہے، بلکہ اس کی اشاعت میں سر دست کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ان کے درمیان خفیہ انداز ہی میں متداول رہنا چاہیے تھا۔

کیا یہ بات ہمیں بتاتی نہیں کہ ان کے پاس ایسی کتابیں ہیں، جو اشاعت سے بہرہ ور نہیں ہوتیں؟ کیونکہ ان میں پیش کی گئی معلومات عالمِ اسلام کو بھڑکا سکتی ہیں، جن کے آثار بہت زیادہ خطرناک ہیں، چنانچہ وہ انھی کے درمیان متداول رہنے کے لیے خاص ہو چکی ہیں۔ یہ کچھ بعید نہیں۔[2]

④ ظاہری طور پر اس کذب بیانی کا انکار، لیکن خفیہ اور مکارانہ طریقوں سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش:

شیعہ کے بعض معاصر علما نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ بہ ظاہر اس الزام کا انکار کرتے ہیں اور کتاب اللہ کا دفاع کرتے ہیں ...لیکن آپ کو اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ میں یہ منکر اور غلط عقیدہ پھیلتا دکھائی دے گا اور آپ دیکھیں گے کہ وہ یہاں وہاں اس باطل کو داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طریقے پر چلنے والا سب سے زیادہ خبیث شخص ان کا عالم خوئی[3] ہے، جس نے اپنی تفسیر ''البیان'' میں یہ راہ اپنائی ہے۔

وہ توثیق کرتا ہے:

---

[1] الطبطبائي: الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٤ حاشيه)

[2] بلکہ یہ حقیقت ہو سکتی ہے، حتی کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے حوزات اور علمی مراکز کے حکم سے "بحار الأنوار" کے بعض اجزا اور جلدوں کو شائع کرنے پر پابندی عائد ہے۔

[3] ابو القاسم موسوی الخوئی، عراق اور دیگر علاقوں میں شیعہ کا موجودہ مرجعِ تقلید۔

''علماے شیعہ اور محققین کے درمیان مشہور بلکہ، جس بات پر انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق اور مصالحت کر لی ہے، وہ عدمِ تحریف کا قول ہے۔''[1]

لیکن وہ تحریف کی جملہ روایات کی صحت کو بھی قطعی اور یقینی قرار دیتا ہے:

''روایات کی کثرت بعض کے معصومین سے قطعی اور یقینی طور پر صادر ہونے کو نسل در نسل نقل کرتی ہے، جو اس پر اطمینان کے لیے کم نہیں، ان میں ایسی روایات بھی ہیں، جو معتبر سند سے مروی ہیں۔''[2]

وہ اس موضوع کے متعلق مخصوص روایات اور اساطیر تلاش کرتا ہے اور اپنی ان روایات کو معتبر قرار دیتا ہے، جو مصحفِ علی کے بارے میں کہتی ہیں کہ اس میں اضافہ جات ہیں، جو اللہ کی کتاب قرآن میں نہیں، ان اضافہ جات میں ائمہ کے نام ذکر ہوئے ہیں اور وہ کہانیاں جو قرآن میں کمی بیان کرتی ہیں، ان تمام کو بھی وہ ثابت اور معتبر خیال کرتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تفسیر کی قبیل سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور یہ اضافہ جات تاویل اور کلام جن معانی کی طرف لوٹ سکتا ہے، اس کے عنوان سے تفسیر ہے، یا اس عنوان سے تفسیر کہ ''مراد کی شرح کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنزیل ہے''[3]

لیکن ان کی وہ فرضی داستانیں، جو اس کے عنوان یا اس کی ترکیب کے مطابق تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور وہ اس کے اعتراف کے مطابق ۲۰ روایات تک پہنچتی ہیں، وہ ان سے وہ کہانیاں مراد لیتا ہے، جن کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کی اور انھوں نے اس کو بدل ڈالا۔ اپنی اس بات کے لیے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ کافی اور صدوق سے ان دونوں کی سندوں کے ساتھ علی بن سوید سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوالحسن کے نام ایک خط لکھا... یہاں تک کہ اس نے اس میں اس کا مکمل جواب ذکر کیا، جس میں ابوالحسن کا یہ قول بھی ہے:

''کتاب اللہ کی امانت ان کے سپرد کی گئی، تو انھوں نے اس میں تحریف کر دی اور اس کو بدل ڈالا۔''

ان کہانیوں کے بارے میں اس کا موقف ان کو قبول کرنا تھا، لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تحریف پر دلالت نہیں کرتیں، ان کی ظاہری اور واضح دلالت یہ ہے کہ تحریف سے مراد آیات کو ان کے غیر مراد معانی پر محمول کرنا ہے ... اگر یہ تحریف نہ ہوتی تو عترت کے حقوق آج تک محفوظ رہتے، نبی کی حرمت کا خیال رکھا جاتا اور عترت کے حقوق کی بے حرمتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں معاملہ جہاں پہنچا ہے، وہاں نہ پہنچتا۔[4]

---

[1] البیان (ص: ۲۲٦)

[2] البیان (ص: ۲۲۲)

[3] دیکھیں: المصدر السابق (۲۲۳ وما بعدھا)

[4] البیان (ص: ۲۲۹)

اس کا گمان ہے کہ امت جس کے ''ہراول دستہ'' صحابہ کرام نے قرآنی آیات کو ان کے غیر حقیقی معانی پر محمول کیا، لیکن جو کلینی، قمی اور عیاشی کی قرآنی آیات کی تحریفات ہیں، وہ اس کے نزدیک کتاب اللہ کی حقیقی تفسیر ہے۔ اگر آج شیعہ کے سب سے بڑے مرجع کا یہ منتہائے علم ہے اور کتاب اللہ کے دفاع کی یہ اس کی آخری حد ہے تو پھر آج شیعہ کا معاملہ غایت درجہ خطرے میں ہے ... جب وہ اس زہر کو اِدھر اُدھر پھیلاتا ہے تو قاری کے غضب کو ٹھنڈا کرنا بالکل نہیں بھولتا، خصوصاً جب اس کو احساس ہو کہ اس کی یہ تاویلات اس شخص کے نزدیک ناقابلِ تصدیق ہیں، جو ان کی روایات اور اخبار کی خبر رکھتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''اگر یہ محمول کرنا درست نہ ہو تو پھر ان روایات کو پھینک دینا ضروری ہے۔''[1]

وہ قرآن میں کمی کی کہانیوں کے بارے میں کہتا ہے:

''ان میں اکثر روایات بلکہ کثیر کی سندیں ضعیف ہیں، پھر اپنے ایک عالم کا قول نقل کرتا ہے: کتاب اللہ میں کمی واقع ہونا ایک بے اصل بات ہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو بڑے بڑے واقعات میں عادت کو دیکھتے ہوئے یہ نقص مشہور اور متواتر ہوتا اور یہ کام یعنی کمی واقع ہونا بھی ان بڑے واقعات میں بلکہ سب سے بڑا واقعہ ہوتا۔''[2]

اس کے بعد اپنی ان کہانیوں کے بارے میں جو قرآن میں کمی یا زیادتی کی صورت میں تحریف واقع ہونے پر دلالت کرتی اور کہتی ہیں کہ امت نے نبی اکرم ﷺ کے بعد بعض کلمات میں تبدیلی کر دی اور ان کی جگہ دوسرے کلمات رکھ دیے، اس کی اس نے مثالیں بھی ذکر کی ہیں، اس سلسلے میں اس نے جو نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

''عیاشی عن ہشام بن سالم کی سند سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ﴾ [آل عمران: ٣٣] کے بارے میں پوچھا: تو انھوں نے کہا: دراصل ''آل إبراهيم و آل محمد على العالمين'' ہے، انھوں نے نام کی جگہ نام داخل کر دیا، یعنی انھوں نے تبدیلی کی اور آلِ محمد کی جگہ ''آلِ عمران'' کر دیا۔''

اس کا اس کے متعلق یہ جواب تھا کہ یہ کتاب و سنت اور قرآن میں کسی ایک حرف کا اضافہ بھی نہ ہونے پر مسلمانوں کے اجماع، حتی کہ تحریف کے قائلین کے بھی مخالف ہے۔

دھوکا دہی کی انتہا دیکھیے! وہ اپنی کہانیوں کے اس آخری زمرے پر تبصرہ کرتے ہوئے قاری کو یہ باور کروا

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٣٠۔ ٢٣١)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٣٣)

رہا ہے کہ پہلے ان کی کہانیوں کی جن انواع کا ذکر ہوا ہے، ان کا باطل ہونا، مسلمانوں کے نزدیک متفقہ مسئلہ نہیں، پھر وہ کتاب اللہ پر تحریف کا الزام لگانے والے ٹولے کو ان لوگوں میں شمار کر رہا ہے، جن کے قول کا مسلمانوں کے اجماع کے ضمن میں اعتبار کیا جاتا ہے ...

یہ شیعہ شیخ کی کوشش ایک خبیث ہدف کے حصول کے لیے صرف ایک خوبصورت پردہ ہے۔ یہ ایک ایسی سازش ہے، جس کا ہدف خفیہ اور مکارانہ انداز میں کتاب اللہ کو بری نیت سے چھونا ہے، اس لیے ان کی کتاب نے وہ آگ نہیں لگائی، جو فصل الخطاب نے لگائی، بلکہ ان کے بعض لوگوں نے تو اس کو دفاعِ قرآن کی ایک کوشش قرار دیا ہے!!

آپ نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے ''افسانے'' کو اہلِ سنت کے طرق اور اسانید سے ایک عجیب اور پرفریب انداز میں ثابت کرتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''(بہ ظاہر وہ کتاب اللہ کا دفاع کر رہا ہے) تلاوت منسوخ ہونے کا قول بعینہٖ تحریف کا قول ہے، اس بنیاد پر علمائے اہلِ سنت کے نزدیک تلاوت منسوخ ہونے کا قول (اس کے گمان میں) تحریف کے قول کے مشہور ہونے کو مستلزم ہے۔''[1]

وہ کہتا ہے:

''ان روایات (منسوخی تلاوت کی روایات) کی صحت کا التزام قرآن میں تحریف واقع ہونے کو لازم قرار دیتا ہے۔''[2]

آگے کہتا ہے:

''چنانچہ یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ تحریف کا قول اکثر اہلِ سنت کا قول ہے، کیوں کہ وہ آیات کی تلاوت منسوخ ہونے کے جواز کے قائل ہیں۔''[3]

یہ چال جو عصرِ حاضر میں شیعہ کے شیخ اور مرجع نے چلی ہے، کوئی نئی نہیں۔ بعض ملاحدہ نے اس سے پہلے بھی اس کی صدا بلند کی ہے اور اہلِ سنت نے ان کی تردید کی ہے۔[4]

---

[1] البيان (ص: ٢٠١)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق (ص: ٢٠٦)

[4] دیکھیں: الباقلاني: نكت الانتصار (ص: ١٠٣)

نسخ اور تحریف کے درمیان معاملہ بالکل واضح اور جلی ہے، جو کسی مفاد پرست اور نفس کے پجاری ہی پر مخفی اور پوشیدہ رہ سکتا ہے، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تحریف بشر کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ [النساء: ٤٦، المائدة: ١٣]

''ان میں سے کچھ لوگ بات کو اس کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں۔''

جب کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

یہ کسی صورت میں کتاب اللہ کو بری نیت کے ساتھ ہاتھ لگانے اور اس میں تحریف کو مستلزم نہیں۔ وہ قدیم شیعہ علما جو اس الزام اور جھوٹ کی تردید و انکار کرتے ہیں، وہ نسخ کا اقرار کرتے ہیں، جس طرح طبرسی نے "مجمع البیان" اور مرتضی نے "الذریعة" میں اور دیگر نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں، جب وہ یہ مقرر کرتا ہے کہ ''عدمِ تحریف کا قول ہی مشہور قول، بلکہ شیعہ علما اور محققین نے اسی پر مصالحت کر لی ہے۔''[1] تو وہ اس بات میں بھی دھوکا دے رہا ہے، کیوں کہ وہ اپنی اس بات پر طبرسی کے "مجمع البیان"[2] میں اس الزام کی تردید سے استدلال کرتا ہے۔ حالانکہ طبرسی نے اس کی تردید کے چند ہی صفحات بعد منسوخی تلاوت کو بھی ثابت کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے، لیکن خوئی سمجھتا ہے کہ منسوخی تلاوت کا موقف اور تحریف کا موقف دونوں ایک ہی ہیں۔ کیا یہ تناقض نہیں؟

بلکہ آپ اس کو دیکھتے ہیں، کہتا ہے کہ عدمِ تحریف کا قول علمائے شیعہ اور محققین کا قول ہے، جبکہ ان کے جملہ اساطین، شیوخ اور بڑے علما جیسے کلینی، قمی اور احتجاج کا مولف طبرسی وغیرہم نہ صرف علانیہ اس کفر کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ وہ تو اس کفر کے ''امام'' ہیں۔[3]

یہی شیعہ کے بڑے علما اور محققین ہیں، تو کیا یہ دھوکا نہیں؟ بلکہ معاملہ تو اس سے بھی کہیں سنگین ہے،

[1] البیان (ص: ٢٠٠)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (١٠٥٢) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٣٠٤) دیکھیں۔

کیوں کہ ان کے شیخ قمی نے اپنی تفسیر میں اس افسانے کی روایات بڑی کثیر تعداد میں نقل کی ہیں اور ان کے دیگر علما کے ساتھ اس کا بھی یہی مذہب ہے۔

کاشانی کہتا ہے:

''جہاں تک ہمارے علما و مشائخ کا اس کے متعلق عقیدہ ہے تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف اور کمی کا اعتقاد رکھتا تھا...اسی طرح اس کا استاذ علی بن ابراہیم قمی بھی، اس کی تفسیر اس سے بھری ہوئی ہے اور وہ اس میں غلو رکھتا تھا۔'' اس کے بعد اس نے اپنے ان باقی علما کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے اسی الحاد کی راہ اپنائی۔[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے تسلیم کیا ہے کہ قمی کی تفسیر اس کفر سے بھری ہوئی ہے، اس کے باوجود خوئی، جو بہ ظاہر انکار کرتا ہے، قمی کی تفسیر کی صحت کا موقف رکھتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اس کی تفسیر کی تمام روایات ثابت شدہ اور معصومین کی طرف سے صادر ہوئی ہیں، کیوں کہ وہ روایات اس تک شیعہ کے ثقہ شیوخ و اساتذہ کے ذریعے پہنچی ہیں، جس طرح اس کا دعویٰ ہے۔[2]

اس بحث کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ "البیان"، کا مولف الخوئی "فصل الخطاب" کے مولف کی غرض و غایت ہی رکھتا ہے، لیکن موخر الذکر نے کھلم کھلا طریقہ اپنایا، جب کہ اول الذکر نے حیلے بازی اور مکاری کا اسلوب اور مسلک اپنایا۔

دوسرا محور؛ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تاویل و تفسیر میں معاصرین کا رجحان:

کیا عصرِ حاضر کے شیعہ باطنی تاویل کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے رجحانِ فکر کی گندگی سے اپنے دامن کو بچا سکے ہیں، جو کتاب اللہ کی تاویل میں شیعہ کے قدیم علما، جیسے: قمی، کلینی، عیاشی، کاشانی، بحرانی اور ان جیسے دیگر علما کا اسلوب اور وتیرہ رہا ہے یا وہ بھی انھی کے آثار اور قدموں کے نشانات کے پیچھے پیچھے ہی ہانپتے کانپتے بھاگ رہے ہیں؟

کتاب اللہ کی تفسیر کے متعلق عصرِ حاضر کے شیعہ کی تحریروں میں دلچسپی اور ان کی جستجو رکھنے والا یہ دیکھتا ہے کہ معاصر شیعہ کی عقل اور سوچ غالباً ابھی تک انھی تاویلات کے سحر اور قید میں جکڑی ہوئی ہے، جو ان کے پہلے علما نے وضع کیں، جن کا ہم نے گذشتہ مباحث میں جائزہ پیش کیا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ باطنی

[1] تفسیر الصافي، المقدمة السادسة (١/ ٥٢)

[2] مجمع رجال الحدیث (١/ ٦٣)، ط: الأولیٰ بالنجف ١٣٩٨ھ، أو (ص: ٤٩) ط الثالثة: بیروت ١٤٠٣ھ. مقدمہ کتاب میں اس کے الفاظ گزر چکے ہیں۔

تفاسیر شیعہ کے ہاں اعتماد اور اعتبار میں سب سے پہلا درجہ رکھتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر اس کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ عصرِ حاضر میں شیعہ کے سب سے بڑے مرجع تقلید خوئی نے قمی کی تفسیر میں ذکر کردہ روایات اور اسانید کی توثیق کی ہے[1]، جبکہ تفسیر قمی وہ ہے جو باطنی تاویل میں آخری درجے اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

اسی طرح طبطبائی، جس کا شیعہ کے عصرِ حاضر کے کبار علما میں شمار ہوتا ہے، مقرر کرتا ہے کہ تفسیر عیاشی ہمارے آج کے زمانے تک شیعہ کے نزدیک ثقاہت اور اعتماد کے مقام پر ہے۔[2] تفسیر عیاشی بھی باطنی اور غالی اسلوب میں قمی ہی کے نقشِ قدم پر ہے، جو صحابہ کی تکفیر کرتا ہے، قرآن کی ہر آیت کی تفسیر ائمہ اور ان کے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے اور اپنی تفسیر میں تحریف کے اساطیر ٹھونس کر داخل کرتا ہے۔ اسی طرح غالی رجحان کی تمام تفاسیر شیعہ کے اعتماد اور توثیق سے بہرہ ور ہیں، مثلاً: تفسیر البرہان، تفسیر الصافی اور مرآۃ الانوار وغیرہ۔[3]

اس کے بعد کیا باقی بچتا ہے؟

تاہم کتاب اللہ کی تاویل میں معاصرین کا رجحان دو مختلف راستوں پر چل نکلتا ہے۔ ایک غالی اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر اور دوسرا معتدل اور درمیانہ نقطۂ نظر ہے۔ اگر ہم غلو پسند رجحان پر قیاس کریں، تو قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کی تاویل ان عقائد کے ساتھ کرنے میں، جن میں یہ امتِ اسلام سے علاحدہ ہیں، غلو اور انتہا پسندی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

شیعہ کا ایک معاصر عالم علی محمد دخیل اپنے مہدی منتظر کی پوشیدگی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، اس کی یہ کتاب ایک شیعہ ادیب کے بقول امامیہ کی سب سے مشہور کتاب ہے، جنھوں نے غیوبت اور پوشیدگی کے موضوع پر بحث کی۔[4]

اس نے اپنی کتاب میں ایک فصل ''مہدی قرآنِ کریم میں'' کے عنوان سے قائم کی ہے۔ اس فصل میں اس نے قرآنِ کریم سے پچاس آیات نقل کی ہیں اور اس نے ان تمام کی تاویل مہدی سے کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور حاصل بحث یہ ذکر کیا ہے کہ مہدی کا موضوع اسلام کی دیگر ضروریات اور بنیادی عقائد سے مختلف نہیں، جس کا انکار دین کی کسی بھی ضرورت اور بنیادی عقیدے کا انکار ہے۔[5]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۴) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵) دیکھیں۔

[3] ان تفاسیر کے مقدمات پر ایک نظر ڈالیے۔

[4] عبداللّٰہ الفیاض: تاریخ الإمامیة (ص: ١٦٢)

[5] علی دخیل: الإمام المهدي (عن المصدر السابق، ص: ١٦٢)

بلکہ شیعہ کے متاخر علما کی قرآنی آیات کی مہدی کے ساتھ تاویلات ۱۲۰ آیات تک جا پہنچی ہیں۔[1] ایک معاصر اسی پر مطمئن نہیں رہا، بلکہ اس نے ان کا استدراک کرتے ہوئے انھیں ۱۳۲ آیات تک پہنچا دیا ہے۔[2]

ہم شیعہ کے ایک معاصر عالم محمد رضا طبیسی نجفی (المتوفی ۱۳۶۵ھ) کو دیکھتے ہیں کہ اس نے کتاب اللہ کی ۶۷ آیات کی تفسیر اپنے عقیدہ رجعت سے کی ہے۔[3] یہ تجاوز اور تفریط کی وہ حد ہے، جس تک شیعہ کے قدیم علما بھی نہیں پہنچ پائے۔ ابن سبا نے تو صرف ایک آیت کی تاویل مسئلہ رجعت سے کی تھی،[4] پھر اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور ان کے قدیم علما نے بیس کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ آیات کی رجعت کے ساتھ تاویل کی،[5] بارھویں صدی میں معاملہ ۶۴ آیات تک جا پہنچا، جن کی تاویل شیعہ کے شیخ حر عاملی کے ہاتھوں اس باطل عقیدے کے ساتھ کی گئی۔[6] پھر اس تفریط کا اختتام اس طبیسی اور اس کے علاوہ دیگر ان کے معاصر علما کے ہاتھوں ہوا۔

اس تاویل کا سفر مزید اعداد تک جاری بھی رہ سکتا ہے۔ شیعہ کے امام اعظم محمد حسین طبطبائی کی تفسیر ''المیزان'' میں، بہت زیادہ باطنی تفاسیر ہیں، جن کو وہ اپنی پرانی کتابوں سے منتخب کرتا ہے اور ''بحث روائي'' کے عنوان سے انھیں ذکر کرتا ہے، چند ایک مثالیں ملاحظہ کیجیے، جن کا اقرار و توثیق کرتے ہوئے وہ انھیں ان کی تفسیر ''البرهان'' سے نقل کرتا ہے۔

اس آیت: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ﴾ [التحریم: ۱۰]

''اللہ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا، نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی۔''

کی تاویل میں کہتا ہے:

''یہ آیت مثال ہے، جو اللہ نے عائشہ اور حفصہ کے لیے بیان کی، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اکٹھ کر لیا اور آپ کا راز فاش کر دیا۔''[7]

دیکھیے! یہ کس طرح قرآنِ کریم کے معانی میں تحریف کر رہا ہے اور اس کے ساتھ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی

---

[1] دیکھیں: هاشم البحراني: المحجة فیما نزل في القائم الحجة.

[2] دیکھیں: محمد منیر المیلاني: مستدرك الحجة.

[3] اس کی کتاب دیکھیں: ''الشیعة والرجعة'' مطبعة الآداب، النجف ۱۳۸۵ھ

[4] دیکھیں: تاریخ الطبري (۴/ ۳۴۰)

[5] دیکھیں: جواد تارا: دائرة المعارف العلویة (ص: ۲۵۶)

[6] دیکھیں: الحر العاملي: الإیقاظ من الهجعة بالبرهان علی الرجعة (ص: ۷۲۔ ۹۸)

[7] الطبطبائي: المیزان (۱۹/ ۳۴۶)

تکفیر کرتا ہے۔

اس آیت: ﴿ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ [الرحمن: ۲۷] ''اور تمھارے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔''

کی تاویل میں اپنی روایت نقل کرتا ہے، جس کو وہ صادق سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: ''ہم اللہ کا چہرہ ہیں۔''[1] اس طرح ماضی کی باطنی تاویل زمانہ حاضر کی تاویل کے ساتھ جا ملتی ہے، ایک ہی شکل ہے اور ایک ہی چہرہ۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، لیکن ایک معتدل معاصر نقطۂ نظر اور رجحانِ فکر بھی ہے، جس کے اعتدال کے مظاہر تین نمایاں پہلوؤں میں چھپے ہوئے ہیں:

۱۔ قرآنِ کریم کی بہت ساری آیات کی امامت اور اس کے محور میں گردش کرنے والے مفہوم کے ساتھ تفسیر کے غلو کا غائب ہو جانا۔

۲۔ اپنی تفسیر کو تحریف کے افسانے اور اس کی روایات کے آثار اور نشانات سے پاک کرنا۔

۳۔ انسانیت کی آج تک گزرنے والی تمام نسلوں میں سے بہترین نسل یعنی اصحابِ محمد ﷺ سے اس صریح اور واضح تکفیر سے براءت کا اظہار کرنا۔

اس رجحان کی تفاسیر کی مثالوں میں محمد جواد مغنیہ کی تفسیر ''الکاشف'' اور اس کی ''التفسیر المبین'' کا نام آتا ہے۔ آپ اس آیت: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ...﴾ [الحشر: ۸] ''(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔'' کی تفسیر میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام کی تعریف کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

> ''کسی اور وجہ سے نہیں، صرف ان کے حق کے ساتھ کھڑا رہنے، کلمہ اسلام کو بلند کرنے اور اس کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کی وجہ سے۔
>
> ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحشر: ۸] یہ ایمان، قول اور عمل میں سچے ہیں، ان مہاجرین اور ان جیسے انصار کی ہی وجہ سے اسلام درست سمت میں قائم رہا اور مشرق و مغرب میں پھیل گیا، اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیونکہ ان کے قائد محمد (ﷺ) تھے۔ وہ امت کبھی فاسد نہیں ہوسکتی، جس کا قائد صالح ہو۔ ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''اَلذین'' سے مراد، انصار ہیں، ''تبوؤا''

[1] المیزان (۱۹/ ۱۰۳)

انھوں نے جگہ دی اور ٹھہرایا، ''الدار'' اس سے دارِ ہجرت مراد ہے، جو مدینہ طیبہ ہے اور ''ایمان'' محذوف فعل کا مفعول ہے، یعنی ''أخلصوا الإیمان'' انھوں نے ایمان کو خالص کیا (یعنی وہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں) اللہ تعالیٰ نے انصار کی ثنا خوانی کی، کیوں کہ وہ ﴿یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلاَ یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾۔

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اس کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے، جو صحابہ کے بعد آئے، ان سے مراد وہ ہیں، جو ان کی احسان اور اخلاص میں پیروی کرنے والے ہیں، یعنی تابعین، سیاقِ کلام کا قرینہ اور اشارہ یہی کہتا ہے۔ اس کے باوجود یہ ثنا خوانی ہر اس کو عام اور شامل ہے، جو قیامت تک صحابہ کی سیرت پر چلتا رہے گا۔''[1]

اگر آپ اس گفتگو کا مطالعہ کریں تو آپ یہ نہیں جان پائیں گے کہ اس کا قائل کوئی رافضی ہے، جو صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں اور انھیں سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس نے بھی بعض صحابہ کرام کے بارے میں طعن وتنقید آمیز گفتگو کی ہے، لیکن اس نے دوسرے شیعہ کی طرح ان کو صریحاً کافر نہیں کہا۔

اس آیت: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾[الحجر: ۹] کی تفسیر میں کہتا ہے:

''یہاں ''الذکر'' سے مراد قرآن کریم ہے اور ''لہ'' کی ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ معنی یہ ہوا کہ وہ قرآن جو عملاً مجلد صورت میں موجود ہے، تمام لوگ اس سے واقف اور مانوس ہیں، وہ بالذات وہی ہے، جو محمد ﷺ پر کسی کمی بیشی کے بغیر نازل ہوا، تورات کے نام سے مشہور کتاب کے عکس، جو وہ نہیں، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، اسی طرح انجیل کے نام سے معروف کتاب، یہ بھی وہ نہیں، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔''[2]

اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شخص مذکور نے بعض آیات کی اپنے عقیدے کے اصول کے تقاضے کے مطابق تاویل کرنا نہیں چھوڑا، لیکن اس نے اپنے فرقے کے بعض دوسرے لوگوں کی طرح تاویل میں غلو کا بھی اظہار واعلان نہیں کیا۔ مثلاً وہ اپنی تفسیر ''الکاشف'' میں اس آیت: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ﴾

[1] التفسیر المبین (ص: ٦٣١) اس کی تفسیر کا، جو آیات کے سیاق اور مفہوم کے ساتھ مکمل لگاؤ رکھتی ہے، ان روایات سے تقابل کیجیے، جو بحرانی نے اس آیت کی تفسیر میں ائمہ سے نقل کی ہیں۔ دیکھیں: البرھان (٤/ ٣١٦۔ ٣١٩)

[2] التفسیر المبین (ص: ٢٨٦)

[المائدة: ۳] ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔'' کی تفسیر میں کہتا ہے:

''...آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آج کے دن کے ساتھ ہی حضرت علی کی خلافت کی تعیین کر کے دین مکمل کر دیا۔''

یہ معتدل رجحان شیعہ کے ایک عالم طبرسی کی ''جمع الجوامع'' پر اعتماد کا ثمر اور نتیجہ ہے، جس طرح اس نے اپنے مقدمے میں اشارتاً ذکر کیا ہے اور طبرسی نے غالب روایات میں اہلِ سنت کی مرویات اور تفاسیر پر اعتبار کیا ہے، جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[1]

قصہ کوتاہ! قرآن کی تاویل میں شیعہ رجحان کے دو رخ ہیں، ایک غالی رخ اور دوسرا معتدل۔ جس طرح گزری ہوئی صدیوں میں شیعہ کی باطنی تفسیر سے بھری ہوئی کتبِ تفسیر تھیں، جیسے: قمی، عیاشی، کاشانی اور بحرانی وغیرہم کی تفاسیر، ایسے ہی ان کی معتدل تفاسیر بھی تھیں، جیسے: تفسیر البیان للطوسی، مجمع البیان اور طبرسی کی جمع الجوامع....۔

ان کی روایات میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دو مختلف چہروں اور متضاد نقطہ ہائے نظر کے ساتھ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں، تاکہ لوگ ان کے مذہب کی حقیقت سے آشنا نہ ہوسکیں۔ ان کا امام کہتا ہے:

''یہ ہمارے لیے بھی اور تمھارے لیے بھی بہتر ہے، اگر تم نے ایک ہی معاملے پر اتفاق کر لیا، تو جو تم ہم سے نقل کرتے ہو، لوگ اس کی تصدیق کریں گے (یعنی لوگ مذہب کو جان جائیں گے) جو ہماری بقا اور تمھاری بقا کی عمر کم کر دے گا۔''[2]

اگر آپ ان دونوں مناہج اور اسالیب کا تقابل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ غلو پرست اور شدت پسند رجحان شیعہ کی روایات اور ان کی اخبار سے مواد حاصل کرتا ہے، لیکن اعتدال پسند رجحانِ فکر نے اپنے دل و دماغ کو اہلِ سنت کی روایات اور تفسیری آثار کے لیے کھول دیا، لہٰذا وہ غلو اور انتہا پسندی کی جنونی کیفیت سے نکل آئے، یا یہ تقیے کی بنا پر تھا یا پھر خود رائے اور مکمل رضا و رغبت کے ساتھ تھا، لیکن آپ کو کوئی ایسی شیعہ تفسیر نہیں ملے گی، جس کے مفسر نے صرف ان کی روایات پر اعتماد کیا ہو اور وہ تفسیر میں باطنی اسلوب سے خالی ہو۔[3]

چنانچہ ان دونوں اسالیب میں سے کون سا اسلوب شیعہ مذہب کی نمایندگی کرتا ہے؟ شیعہ کے شیخ مجلسی

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (۳/ ۲٤٦)

[2] أصول الكافي (۱/ ٥٦)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۲۲۲) دیکھیں۔

نے کھلے لفظوں میں کہا ہے کہ ان کا اہلِ سنت کی روایات پر اعتماد محض ان کے خلاف حجت قائم کرنے کی وجہ سے ہے، اس کے لیے اس نے بہ عنوان: ''باب ۲۸: جو عامہ (اہلِ سنت) رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کرتے ہیں، ان میں سے ان (یعنی شیعہ) کے نزدیک صحیح روایات اور مخالفین کی روایات کی طرف رجوع کی ممانعت''[1] باب باندھا ہے۔ اس کے بعد اس نے، شیعہ مذہب کی اشاعت کے لیے ان روایات کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جو اہلِ سنت کے خلاف بطورِ حجت پیش کی جا سکتی ہیں، بلکہ عراق میں شیعہ کا مرجع ''خوئی'' صحابہ کرام سے منقول تفسیری روایات کو اس تحریف کے ہم معنی خیال کرتا ہے، جو ان کی روایات میں ذکر ہوئی ہے۔[2]

جب شیخ محبّ الدین خطیب نے کہا کہ وہ قرآن جس کو ہمیں اور ان کو اتحاد کے قریب کرنے کے لیے اکٹھا کرنے والا ہونا چاہیے، شیعہ کے اصولِ دین اس کی آیات کی تاویل اور اس کے معانی، صحابہ کرام کے فہمِ قرآن، جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا، پھر ان صحابہ کرام کی نسل سے، جن پر قرآن نازل ہوا، اس فہم اور سمجھ کو حاصل کرنے والے ائمہ اسلام کی فہم کے خلاف معانی پر محمول کرنے پر قائم ہیں۔[3]

تو ایک شیعہ عالم نے اس بات کا ان الفاظ میں جواب دیا:

''شیعہ اس کو اسلام کے خلاف سازش کرنا سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر ان سے لیں، جن کو تم خاص طور پر مراد لیتے ہو، جیسے ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب اور انس بن مالک جیسے لوگوں سے، جو جھوٹ سازی، افترا بازی، گھڑنے اور ملاوٹ کرنے کے فن کے ماہر تھے۔''[4] ۔العیاذ باللہ۔

یہ مولف اپنے اس جواب کو شیعہ کی طرف منسوب کرتا ہے، ...اگر شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے طریق سے دین حاصل کرنا اسلام کے خلاف سازش ہے تو ان کو ان کا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین مبارک ہو!! کیوں کہ ان کا یہ قول اسلام کو کلیتًا چھوڑ دینے کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ معتدل راستہ اور دوسرا رخ تقیہ کے باب سے ہے؟

اس معتدل رجحان کا حامل محمد جواد مغنیہ شیعہ کے ہاں تفسیر میں باطنی رجحان کے وجود کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اثنا عشریہ ان گمراہیوں اور بدعتوں سے تمام لوگوں سے زیادہ دور بھاگنے والے ہیں اور ان کی کتابیں

[1] بحار الأنوار (۲/ ۲۱٤)

[2] اس سلسلے میں شیعہ کہانیوں اور روایات کا یہ طوفان دیکھیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام کی کتاب اللہ کی تحریف سے مراد اس کی آیات کو غلط معانی پہنانا ہے۔ (البیان، ص: ۲۲۹)

[3] الخطوط العريضة (ص: ١٠)

[4] عد الواحد الأنصاري: أضواء على خطوط محب الدين (ص: ٦٥)

اس کی گواہ ہیں، جو ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کا ایک دوسرا عالم محسن امین ان کے وجود کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن کہتا ہے کہ یہ شاذ روایات ہیں۔[2]

خنیزی بھی، شیعہ کی کتابوں میں موجود بعض روایات کے انکار کے باوجود، اس جیسی بات ہی کہتا ہے۔[3]

موجود شے اور حقیقت کا یہ انکار تقیہ کی علامت ہے۔ معاملہ صرف شاذ روایات تک محدود نہیں، بلکہ مکمل تفاسیر باطنی تاویل کے لیے مخصوص کی گئیں، جن میں سر فہرست قمی کی تفسیر کا نام آتا ہے، جو ان کے ہاں قابلِ اعتماد ہے اور کبار علما میں شمار ہوتا ہے۔

ان کی حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب "الکافی" میں مکمل ابواب ہیں اور "بحار الأنوار" وغیرہ میں دسیوں ایسی احادیث پر مشتمل ابواب موجود ہیں، جو تمام کی تمام آیات کی باطنی تفسیر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان واضح حقائق کے انکار کی جراَت کیوں ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس ذریعے سے اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں؟

اسی طرح یہ انکار شیعہ کے معاصر علما کے ایک گروہ کے عمل سے بھی پختہ ہو جاتا ہے، جو ابھی تک اس گم راہی کی بھول بھلیوں میں گم گشتہ راہ ہیں۔

بلکہ شیعہ کا شیخ اور آیت عبد الحسین شرف الدین موسوی تو یہ خیال کرتا ہے کہ آیات کی یہ باطنی تاویلات اور ائمہ کے حق میں وارد ہونے والی یہ تفسیریں ان کے نزدیک ضرورت اور بنیادی عقیدے کے تقاضے کے مطابق مسلّمہ ہیں۔[4]

---

[1] تفسير الكاشف (٧/ ١٠٤)

[2] دیکھیں: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ٤١٩۔ ٤٢٠)

[3] دیکھیں: الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية (١/ ١٧٨۔ ٢٠٢)

[4] اس نے یہ بات اس وقت کہی، جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے کہا: ''شیعہ کی کتابوں میں ان آیات اور سورتوں کے باقاعدہ ابواب ہیں، جو ائمہ اور شیعہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور ان آیات اور سورتوں کے بھی ابواب ہیں، جو ابوبکر و عمر اور ان کے پیروکاروں کے کفر کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہ آیات ١٠٠ سے زیادہ ہیں، بلکہ ان میں مستقل سورتیں بھی ہیں...ان کو شیعہ کا سب سے بڑا امام ان کی سب سے مقدس کتاب "أصول الكافي" میں ذکر کرتا ہے۔ (الوشيعة، ص: ٢٧، نیز دیکھیں: ص: ٦٥)
تو شیعہ کے عالم عبد الحسین علی نے اس کا ان الفاظ میں جواب دیا: ''جو اہلِ بیت میں سے ائمہ اور ان کے شیعہ کے متعلق نازل ہوا، وہ روایات سے منقول علمِ تفسیر کی ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے اور سنت مقدسہ میں ثابت شدہ اسبابِ نزول کے سبب مسلّم ہے، لیکن جہاں تک قرآن میں کسی چیز کا فلاں فلاں کے کفر کے بارے میں نازل ہونے کا تعلق ہے، تو ہم اس سے اللہ کی عدالت میں بَری ہیں، اس میں جو مصیبت در آئی ہے، وہ بعض غالی مفوّضہ کا کیا دھرا ہے، شاید یہ ان کی کتابوں ←

لہٰذا تاویل کے میدان میں شکل وصورت اوائل اور اواخر کے درمیان ایک دوسری سے ملتی جلتی ہی ہے۔
معاصرین کے نزدیک جدید یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف حتی کہ ان میں سے متاخرین کی بھی تحریروں سے خوش اور مطمئن ہیں، چنانچہ انھوں نے، مجلسی وغیرہ جیسے متاخرین نے جو لکھا، اس کو روایت میں معتبر مراجع کی حیثیت دے دی۔

اس طرح شیعہ کے ہاں تاویل کا دائرہ وسیع ہوگیا اور دولتِ صفویہ کے علما کی کوششوں کے نتیجے میں، جنھوں نے اس کو انتہا تک پہنچا دیا، اس کا دائرہ کار، وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔ لیکن بعض معاصرین نے کچھ معتدل تفاسیر بھی لکھی ہیں، جس طرح شیعہ کے بعض قدیم علما نے بھی یہ کام کیا ہے اور اس نے ان انتہا پسندانہ تاویلات کے وجود کا انکار کیا ہے۔ یہ انکار زمانہ قدیم میں تو سچا ہوسکتا تھا، لیکن آج نشر و اشاعت کے اس دور میں یہ چنداں مفید اور کارگر نہیں، لہٰذا لامحالہ اس کو تقیے ہی پر محمول کیا جائے گا۔

جہاں تک دو متضاد نقطہ ہائے نظر کا سامنے آنا ہے تو یہ ان کے مذہب میں ایک قاعدے کی حیثیت رکھتا ہے، تاکہ لوگ ان کی حقیقت سے واقف نہ ہوسکیں۔[1]

شیعہ معاصرین کے نزدیک سنت:

معاصر شیعہ کے ہاں ان مسائل کے متعلق موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جن کو ہم نے سنت کی بحث میں موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ تسلسل کے ساتھ اپنے بارہ ائمہ کے اقوال کو اللہ اور اس کے رسول کے اقوال کے

← میں مذکور تھا، اس آدمی نے اس کو وہاں دیکھا تو حقائق کے حالات سے بے خبر کی طرح معصوم شخص کو مجرم سمجھ کر پتھر مارنا شروع کر دیے۔'' (أجوبة مسائل جار الله، ص: ٦٧)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ شیعہ کی اس ''آیت'' نے کافی میں مذکور قرآنِ کریم کی امام اور امامت سے کی گئی تاویلات کو ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے تسلیم شدہ قرار دیا ہے، لیکن جب اس نے کفر اور کافروں کے متعلق آیات کی ابوبکر و عمر سے کی گئی تاویلات کی تردید کی اور یہ گمان کیا کہ یہ کافی میں موجود نہیں، تو تب اس نے تقیہ استعمال کیا۔ یہ بلاشبہہ تقیہ ہے، کیوں کہ اس نے کافی میں ان کے وجود کا انکار کیا ہے، حالاں کہ وہ اس میں موجود ہیں اور دسیوں ایسی روایات میں ان کا وجود نظر آتا ہے، جو کفر اور کافروں کے متعلق آیات کی شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ تفسیر کرتی ہیں۔ (دیکھیں: أصول الكافي، باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية: ١/ ٤١٢)

لیکن یہ شخص لوگوں کو دھوکا دینا اور حقیقت کا انکار کرنا چاہتا ہے اور اس کو مفوّضہ کے سر تھوپ رہا ہے کہ جن کے متعلق لکھنے والے محققین میں سے کسی نے بھی ان کا یہ مذہب اور عقیدہ بیان نہیں کیا۔ (مفوّضہ کے عقیدے کی تفاصیل جاننے کے لیے مفید کی شرح ''عقائد الصدوق'' (ص: ٢٥٨) دیکھیں) پھر اب یہ فرقہ مکمل طور پر مٹ چکا ہے اور مرجع شیعہ محمد حسین آلِ کاشف الغطا کے بقول نہ یہ خود موجود ہے نہ اس کی کتابیں ہی موجود ہیں۔ دیکھیں: أصل الشيعة (ص: ٣٨)

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٦٥) نیز اسی کتاب کا صفحہ (١٠٩٤) دیکھیں۔

مانند ہی قرار دیتے ہیں۔ شیعہ کا شیخ خمینی کہتا ہے:

''ائمہ کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات ہی کی طرح ہیں، جن کو اپنانا اور نافذ کرنا لازمی ہے۔''[1]

محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''معصوم کا قول اور حکم مکمل طور پر اللہ عزیز وعلیم کے نازل کرنے کی طرح ہی ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم: ٣۔٤]''

گویا انھوں نے اپنے اس موقف میں ان ائمہ کو، جن میں یہ غائب بھی شامل ہے، جو حقیقت میں موجود ہی نہیں اور حسن عسکری بھی، جس کو ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' میں ضعفا میں شمار کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے انبیا اور رسولوں کی طرح خیال کیا ہے ...اور یہ ان کی عصمت کے دعوے پر مبنی ہے، جس کا جھوٹ اور باطل ہونا گذشتہ مباحث میں ذکر ہو چکا ہے۔

جہاں تک شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے شریعت کا ایک حصہ چھپا لیا اور وہ حضرت علی کے سپرد کر دیا تو اس کو صاف صاف لفظوں میں کہنے سے بھی نہیں کتراتے، حتی کہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے لکھی گئی اپنی کتابوں میں بھی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں، چناں چہ یہی بات شیعہ کے شیخ محمد حسین آلِ کاشف الغطا نے اپنی کتاب ''أصل الشيعة وأصولها'' میں بھی لکھی ہے۔[2]

پھر ان کی وہ خیالی کتابیں، جیسے: جفر اور جامعہ وغیرہ، جن کے متعلق ان کی روایت کی کتابیں ذکر کرتی ہیں، جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے معاصرین شیعہ کی ان اوہام کی تصدیق کرنے پر مذمت اور تشہیر کی، تو شیعہ کے ایک معاصر مرجع محسن امین نے بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا:

''اگر صحیفہ فرائض، الجفر اور الجامعہ اور جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے اور اس کے ہمنواؤں (یعنی موسیٰ جار اللہ) کے پاس ضائع اور مفقود ہو چکے ہیں تو ان کو ماننے والوں کے پاس بالکل ضائع نہیں ہوئے۔''[3]

بلکہ شیعہ کے کبار معاصر علما میں ایک ایسا عالم بھی ہے، جو ان خیالی خزانوں اور بلاحقیقت کے ناموں کو ذکر کر کے فخر محسوس کرتا اور بڑی کم عقلی کے ساتھ ان کتابوں کو شمار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ ان بے

---

1. الحكومة الإسلامية (ص: ١٣)
2. دیکھیں: أصل الشيعة وأصولها (ص: ٧٧) میں نے اس کی عبارت صفحہ نمبر (١٦٥) میں نقل کر دی ہے۔
3. الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ٢٥٤)

حقیقت خیالی کتابوں کی کثرت پر سر فخر سے بلند کرتا ہے، جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ مزعومہ کتابیں کہاں ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ وہ منتظر کے پاس ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان کی اس کے بارے میں گفتگو نقل کرتے۔[1]

شیعہ کا منتظر جس کی زندگی اور پوشیدگی کا وہ سیکڑوں سالوں سے دعویٰ کر رہے ہیں، یہ دعویٰ ان کے لیے رسوائی اور عار کا باعث بنا ہوا ہے اور روز بہ روز اس میں اضافہ ہو رہا ہے، شیعہ کا یہ منتظر اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ بعض جھوٹوں نے اس کی طرف ''رقاع'' منسوب کر دیے کہ وہ اس سے جاری ہوئے ہیں، ان کے بارے میں گفتگو بھی گزر چکی ہے۔[2] عصرِ حاضر کے شیعہ کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا تھا، بالخصوص جب وہ اہلِ سنت کے ساتھ قربت پیدا کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کا شعار بلند کرتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کو ماضی کی ان خرافات سے نجات دلا دیتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، انھوں نے بھی ان ''رقاع'' کو ایسی سنت کا درجہ دے دیا، جس میں باطل داخل نہیں ہوسکتا۔[3]

اس سے بھی حیران کن یہ امر ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ شیعہ کے اس منتظر کا ان کے بعض علما کے ساتھ براہِ راست رابطہ اور تعلق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ''توقیعات'' کی کہانی تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور معصوم فتاویٰ اور نصوص آج بھی جاری ہو رہی ہیں، جو ان کے دعوے کے مطابق وحی الٰہی کی طرح ہیں۔

شیعہ کا عالم محمد تقی مدرسی کہتا ہے:

''ہم امام[4] اور مراجع شیعہ کے درمیان خفیہ رابطوں کے وجود کو بعید (بلکہ یہ عملاً ہو رہا ہے) خیال نہیں کرتے اور یہ بہت بڑا راز ہے۔''[5]

ان اوہام پر اعتماد کر کے اور جھوٹوں کی روایات قبول کر کے وہ مسلسل بلا حجت و برہان، سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے اعراض برت رہے ہیں اور اپنی گمراہی میں اندھے پھر رہے ہیں۔ یہ سنت جس کو اصحابِ رسول ﷺ نے آپ ﷺ سے نقل کیا، اس سے وہ صرف اس دعوے کی وجہ سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی کی ۔شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ منصوص اور وصیت کردہ امامت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] دیکھیں: محمد آصف المحسني: صراط الحق (٣/ ٣٤٧) محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ١٥٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٣٦٣) ملاحظہ کریں۔

[2] الخنيزي: الدعوة الإسلامية (٢/ ١١٢)

[3] شیعہ کا خیالی امام، جو صرف شیعہ کتابوں ہی میں نظر آتا ہے۔

[4] الفكر الإسلامي مواجهة حضارية (ص: ٣٠٥)

حتی کہ شیعہ کا عصرِ حاضر کا ایک مرجع اور آیت کہتا ہے:

''ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب، عمرو بن عاص جیسے اور ان کے نظائر، جن کو وہ (اہلِ سنت) کچھ سمجھتے ہیں، امامیہ کے نزدیک مچھر کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتے۔''[1]

بلکہ ایک شیعہ معاصر نے تو صراحت کی ہے کہ ''شیعہ کی رائے میں اصحابِ رسول ﷺ کی روایت قبول کرنا اسلام کے خلاف سازش کرنا ہے۔''[2]

اس لیے ایک دوسرے معاصر کا کہنا ہے:

''شیعہ ان اسانید (یعنی اہلِ سنت کی اسانید) پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ انھیں کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ یہ ان کے نزدیک قابلِ استدلال نہیں، لہٰذا یہ مذہب کے موافق ہوں یا مخالف، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''[3]

مزید کہتا ہے:

''شیعہ کے پاس احادیث ہیں، جن کو انھوں نے اپنے معتبر طرق سے روایت کیا ہے اور اپنی مخصوص کتابوں میں انھیں جمع کیا ہے، وہ کافی ہیں اور دین کے اصول و فروع کے مقاصد پورے کرتی ہیں، انھی پر ان کے علم عمل کا مدار ہے، ان کے نزدیک ان کے سوا اور کوئی حجت نہیں۔''[4]

چوں کہ سنت نبویہ کے متعلق ان کے موقف کی یہ حقیقت ہے ...اس لیے سنت میں شک پیدا کرنے اور اس کے خلاف محاذ آرائی قائم کرنے کے لیے ان کی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ شیعہ کے کبار علما اصحابِ رسول ﷺ میں سے کثرت کے ساتھ روایات نقل کرنے والے افراد کے خلاف بڑے زہریلے حملے کرتے ہیں، جس طرح ان کے آیت عظمیٰ عبدالحسین موسوی نے اپنی کتاب ''ابو ہریرۃ'' وغیرہ میں یہ کام کیا ہے، پھر یہ امت اسلامیہ کے محدثین اور مسلمانوں کی بنیادی بڑی بڑی کتابوں کو بھی شدید سب وشتم اور طعن وتنقید کا نشانہ بناتے ہیں، جس کی نظیر کسی کافر فرقے کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔ جس طرح ہم شیعہ کے شیخ امینی کی کتاب ''الغدیر'' میں دیکھتے ہیں۔ یہاں اس تلچھٹ اور بے قیمت مواد کے شواہد اور ذکر کرنے کی گنجایش نہیں۔

---

[1] محمد حسين آل كاشف الغطا: أصل الشيعة وأصولها (ص: ٧٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (١٠٩٥) دیکھیں۔

[3] عبدالله السبيتي: تحت راية الحق (ص: ١٤٦)

[4] المصدر السابق (ص: ١٦٢)

شیعہ معاصرین کے نزدیک اجماع:

اس سلسلے میں ان کی گفتگو میں سرِدست کوئی نئی چیز نہیں، جس کا ہم ذکر کریں۔ صرف ''اجماع'' کے متعلق اپنے مذہب کو دھوکے کے اسلوب میں ڈھال کر پیش کرنے کی ایک کوشش ہے، جس سے ممکن ہے ایسا شخص دھوکا کھا جائے، جو شیعہ کے نظریے کی حقیقت سے ناشنا ہو۔ مثلاً: محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''صحابہ کا اجماع یہ ہے کہ تمام اصحاب کی بات کسی شرعی حکم میں ایک ہو۔ شیعہ اور اہلِ سنت نے اس اجماع کو بطورِ دلیل لینا اور شریعت کے اصول میں سے ایک اصل اور قانون خیال کرنا لازمی قرار دیا ہے۔''

اس کے بعد ذکر کرتا ہے:

''شیعہ اس کی حجت کے تب قائل ہیں، جب اصحاب کے ساتھ اس میں امام کا وجود بھی ہو۔''[1]

اس حیلے سازی کی طرف دیکھیے! اس کے باوجود کہ اس کے قول کا مدعا اور مفہوم یہی ہے کہ شیعہ معصوم کے قول میں حجت سمجھتے ہیں، بہ ذاتِ خود اجماع میں نہیں، لیکن اس نے دھوکا دینے[2] اور الجھانے کے لیے یہ گھما پھرا کر بات کرنے والا اسلوب اپنایا ہے، جس سے بعض لوگ دھوکا کھا بھی گئے۔[3]

اصولِ دین کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ:

توحیدِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں اکیلا تسلیم کرنے کے مقام پر معاصرین کے ائمہ کو رب جل شانہ کے افعال دینے کے متعلق ایسے ایسے کلمات ہیں، جو شیعہ کے اثنا عشری اسلاف سے بھی منقول نہیں۔ شیعہ کا عبدالحسین عاملی کے نام سے معروف ایک عالم ہے، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ ان کے ایسے ''آیات'' میں سے تھا، جس کو وہ، جھوٹ بولتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ عاملی امیر المومنین کی مدح میں کہتا ہے۔ اللہ نے ان کو شیعہ کے افترا سے بَری کیا ہوا ہے:

أبا حسن أنت عين الله و عنوان قدرته السامية

و أنت المحيط بعلم الغيوب فهل عندك تعزب من كافية

---

[1] الشيعة في الميزان (ص: ٣٢١)

[2] اجماع کے سلسلے میں ان کے عقیدے کے متعلق گزرنے والے مباحث دیکھیں: (ص: .... وما بعدها)

[3] جیسے شیخ محمد غزالی، جس نے مغنیہ کا یہ کلام نقل کر کے اس سے یہ استدلال کیا کہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اصولِ احکام میں کوئی فرق نہیں۔ (دیکھیں: ليس من الإسلام، ص: ۷۹۔ ۸۰)

وأنت مدير رحى الكائنات وعلة إيجادها الباقية
لك الأمر إن شئت تنجي غداً وإن شئت تسفع بالناصية [1]

''ابوالحسن تم اللہ کی آنکھ ہو اور اس کی بلند و بالا قدرت کا عنوان ہو۔ تم علمِ غیب کا احاطہ کرنے والے ہو۔ کیا آپ سے کچھ پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ آپ ہی اس کائنات کی چکی کو چلانے والے والے ہیں اور اس کے وجود کی باقی رہنے والی علت۔ حکم آپ ہی کا ہے، چاہے تو کل آپ نجات دے دیں اور چاہے تو پیشانی سے سے پکڑ کر گھسیٹ دیں۔''

دیکھیے ! اس نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو بعینہٖ اللہ قرار دیا ہے۔ رب تعالیٰ کی جو تدبیر و ایجاد اور زندہ کرنے اور مارنے کی صفات ہیں، ان کے ساتھ وہ حضرت علی کو موصوف کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے نزدیک کائنات کے امور کی تدبیر کرنے والے، اس کی ایجاد کی علت اور قدرت الٰہیہ کے مظہر ہیں، وہ علمِ غیب کا احاطہ کرنے والے، بلکہ قیامت کے دن کے مالک بھی وہی ہیں، کیوں کہ اس دن انھی کا حکم چلے گا اور بندوں کی نجات اور ہلاکت انھی کی مشیت کے مرہونِ منت ہوگی۔ [2]

یہ کلینی، قمی اور مجلسی کی روایات کا طبعی کڑوا پھل ہے، جن سے اس مواد کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں، جو اس رجحان کا حاصل ہے۔

آج اثنا عشریہ اپنی روایات اور اپنے علما کے ایک گروہ کی زبان سے سبائی اور ان دیگر فرقوں کی ترجمانی کرتے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کا درجہ دیتے تھے، جن کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ وہ مٹ چکے اور قصہ پارینہ بن چکے ہیں، لیکن یہ تو اثنا عشریہ کی گود میں پرورش پا رہے ہیں اور ان کے سائے تلے رہ رہے ہیں، بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ سبائی ایک ہی حقیقت کا پرانا نام ہے اور اثنا عشریہ اسی کا نیا نام ہے، یعنی شراب کہن در جام نو!!

یہ کلمات شیعہ کے کسی عام آدمی یا چھوٹے موٹے لکھاری کے منہ سے نہیں نکلے، بلکہ ان کے ''آیات'' میں سے ایک آیت کی زبان سے نکلے ہیں، جس کے قول کی طرف ہزاروں لوگ رجوع کرتے ہیں۔

---

[1] ديوان الحسين: الجزء الأول من القسم الثاني الخاص في الأدب العربي (ص: ٤٨)

[2] بلکہ شیعہ کے ایک دوسرے شاعر نے صریحاً کہا ہے کہ حضرت علی میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جمع ہوگئیں۔ وہ کہتا ہے:

جميع صفات الرب فيه تجمعت وما اجتمعت إلا لسر و حكمة

''رب کی تمام صفات اس میں جمع ہوگئیں اور یہ نہیں جمع ہوئیں مگر ایک راز اور حکمت کی وجہ سے۔'' (دیکھیں: الحائري: مقتبس الأثر: ١/ ٢٤٦)

آپ محمد حسین آلِ کاشف الغطا، کو دیکھتے ہیں۔اس کا شیعہ کے کبار علما اور آیات میں شمار ہوتا ہے اور وہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان قربت کا داعی ہے، وہ اپنے ائمہ کی منقبت میں کہتا ہے:

یا کعبة الله إن حجت لها الـ أملاك فعرشه ميقاتها
أنتم مشيئته التي خلقت بها الـ أشياء بل ذرئت بها ذراتها
أنا في الورى قال لكم إن لم أقل ما لم تقله في المسيح غلاتها[1]

''اے اللہ کے کعبہ! اگر فرشتے اس کا حج کرتے ہیں، تو اس کا عرش ان کے لیے میقات ہے۔تم اللہ کی وہ مشیت ہو، جس کی وجہ سے اشیا پیدا کی گئیں، بلکہ اسی سے ان کے ذرات پیدا کیے گئے۔ میں مخلوق میں تمھاری تعریف میں وہ کہتا ہوں، اگر میں نہیں کہتا تو میں جس کائنات میں ہوں، وہ تمھارے لیے وہ کچھ کہہ رہی ہے، جو مسیح علیہ السلام کے بارے میں غالی عیسائیوں نے بھی نہ کہا ہو۔''

اس نے اپنے ائمہ کو کعبہ قرار دیا ہے، جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور رحمٰن کے عرش کو میقات کا درجہ دیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی وہ مشیت اور قدرت کہا ہے، جس کے ساتھ اشیا پیدا کی گئیں اور اس پختہ عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ ائمہ کی تعریف میں وہ کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہے، جو غالی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی نہیں کہا۔

شاید وہ یہ اوصاف بیان کر کے اپنے مقصد تک پہنچ گیا ہے۔ یہ شیعہ کے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے مرجعِ تقلید کا بیان ہے، جو مختلف کانفرنسز میں ان کی نمایندگی کرتا ہے اور یہ بعض اہلِ سنت کے نزدیک معتدل سمجھا جاتا ہے، جو اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، اس لیے انھوں نے اس کو پہلی القدس کانفرنس میں امامت کے لیے آگے کیا[2]، کیوں کہ اس کے دو چہرے اور دو قول ہیں اور شیعہ کے نزدیک تقیے کے اسرار اور اسالیب بے شمار ہیں۔

میں نے ان کا اس رجحان کی غمازی کرنے والا جس قدر مواد پایا ہے، اگر سب لکھوں تو بات بہت زیادہ لمبی ہوجائے گی۔[3] میں یہاں اتنا ہی اضافہ کرنا چاہوں گا کہ شیعہ کے شعرا اور ادبا نے اس غلو پر مبنی اتنا زیادہ لٹریچر اور مواد چھوڑا ہے، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا...ایسے لگتا ہے کہ جذبات کا شعلہ اور جوش کا الاؤ اتنا شدید ہے کہ تقیے کی قوت اور اقتدار بھی اس کے سامنے بے بس ہے اور حقیقت دھوکے اور فریب کا لباس اتار کر ننگی ہو

[1] ديوان شعراء الحسين: جمع محمد باقر النجفي (ص: ١٢) ط: طهران ١٣٧٤هـ

[2] پہلی قدس کانفرنس کے متعلق دیکھیں: مجلة الأزهر، المجلد (٢٥/ ٥٠٦، ٦٣٨، ٩٧٩) المسلمون، المجلد السادس (ص: ٤٥) نیز محمد حسین کو نماز میں امام بنانے سے متعلق رشید رضا کے تبصرے کے لیے دیکھیں: مجلة المنار، المجلد (٢٩/ ٦٢٨)

[3] اس بارے تفصیل کے لیے دیکھیں: الحائري: مقتبس الأثر (١/ ١٥٣، ٢٥٤ـ ٢٤٨) محسن الأمين: أعيان الشيعة (٥/ ٢١٩) و ديوان الحسين لمجموعة من شيوخ الروافض في مواضع كثيرة، و عبد الحسين الأميني: الغدير (٧/ ٣٤ـ ٦٧ وغيرها)

کر سامنے ناچ رہی ہے۔

اس لیے یہ موضوع مستقل اور خصوصی تحقیق کا مستحق ہے۔ جہاں تک توحیدِ الوہیت کے مقام کی بات ہے تو شیعہ کے مزارات اور درگاہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے سب سے بڑے مظاہر بن چکے ہیں اور ان کے ہاں اس برائی کے ختم ہونے کی بھی کوئی امید نظر نہیں آتی، کیوں کہ ان کو ان روایات کی تائید حاصل ہے، جو اہلِ بیت کی طرف بہتان باندھتے ہوئے منسوب کی گئیں۔

یہ معاملہ اہلِ سنت کے بالکل الٹ اور عکس ہے، کیوں کہ ان کے معاشرے میں یہ عملی انحراف ہے اور ان کے اصول وعقائد اور روایات اس کی مخالفت کرتی ہیں، جو بھی ان مزارات اور درگاہوں کا دورہ کرتا ہے، وہ اپنی آنکھوں سے اس شرک کا وہاں مظاہرہ کرے گا۔

شیخ موسیٰ جار اللہ، ایران اور عراق کے دورے کے بعد، جو کئی ماہ پر مشتمل تھا، کہتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ وہاں قبروں اور مزاروں کی پوجا کی جاتی ہے۔[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ایران کے دورے کے بعد علی رضا کے مزار کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اچانک ایک اجنبی سیدنا علی رضا کے مزار میں داخل ہوتا ہے، وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ حرمِ کعبہ میں داخل ہوا ہے، جو حاجیوں کی آہ و بکا میں ڈوبا ہوا اور عورتوں اور مردوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، کھوئے سے کھوا چل رہا ہے، زیبائش و آرایش کے نفیس کام سے مزین ہے، دولتمندوں کی دولتیں اور غریبوں کے صدقات دونوں کا منہ اس کی طرف کھلا ہوا ہے۔''[2]

تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ ابھی تک ائمہ کی قبروں میں غلو کرتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، ان کی طرف منہ کر کے اور قبلے کی طرف پشت کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر کئی امور بجالاتے ہیں، جس کے سامنے مشرکین کے اپنے بتوں کے سامنے کیے گئے عمل بھی ہیچ ہیں۔[3]

اس کے بعد کہتے ہیں:

''اگر آپ کو اس میں کوئی شک ہو تو شیعہ کے کسی مزار میں چلیں جائیں اور حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔''[4]

---

[1] الوشيعة، المقدمة (ص: ط)

[2] أبو الحسن الندوي: من نهر كابل إلى نهر اليرموك (ص: ۹۳) مجلة ''الاعتصام'' (السنة ،٤١، العدد: ۳)

[3] دیکھیں: مختصر التحفة الأثنى عشرية (ص: ۳۰۰)

[4] المصدر السابق.

آپ شیعہ کے معاصر عالم محمد مظفر کو دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنے فرقے کے عقائد بیان کرنے کے لیے ''عقائد الإمامية'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کو ان کے شیعہ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، لیکن آپ کسی ایک کو بھی نہیں دیکھتے، جس نے اس میں ذکر ہونے والے کسی ایک عقیدے کی بھی مخالفت کی ہو۔

اس نے یہ کتاب ایسے اسلوب میں لکھی ہے، جس پر شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا رنگ نمایاں ہے، اس کے باوجود وہ رافضہ کے ائمہ کی قبروں کے متعلق عقیدے کی تاکید بیان کرنے سے اپنی زبان کو قطعاً لگام نہیں دیتا، وہ ذکر کرتا ہے:

''اس کے فرقے کی امتیازی خصوصیت، اس کا ائمہ کی قبروں کے ساتھ تعلق ہے، وہ ان کو پختہ کرنا اور ان پر پرشکوہ عمارات تعمیر کرنا، جس کے لیے وہ بہ رضا و رغبت اور ایمان رکھتے ہوئے ہر چھوٹی بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔''[1]

اس کے بعد وہ صریحاً کہتا ہے:

''اس کا سبب ائمہ شیعہ کی زیارت پر اُکسانے والی وصیتیں اور ترغیبات ہیں، جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ اجر وثواب ہے ... نیز اس وجہ سے بھی کہ یہ قبریں۔اس کے دعوے کے مطابق۔قبولیتِ دعا[2] کے لیے بہترین جگہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ لَو لگانے کے بھی بہترین مقامات ہیں۔''[3]

اس کے بعد اس نے زیارت کے آداب و احکام بیان کیے ہیں اور ان بت پرستی کے مظاہر کا اعلان کرنے سے ذرا خوف یا شرم محسوس نہیں کی۔[4] شیعہ کے معاصر علما کی ایک جماعت بلا خوف وشرم ببانگِ دہل یہ کہتی ہے کہ کربلا کعبہ شریف سے افضل جگہ ہے۔

شیعہ کا یہ سب سے بڑا مرجع تقلید، جو اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان قربت پیدا کرنے کا دعویدار ہے، یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کربلا کعبہ سے افضل ہے، جو اللہ کا حرمت والا گھر ہے، جس کو اس نے لوگوں کے لیے قیام، امن

---

[1] محمد رضا المظفر: عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[2] اگر یہ بہترین جگہوں میں سے ہوتے اور ان کی یہ فضیلت ہوتی، جو یہ بیان کرتے ہیں تو اس کا کتاب وسنت میں کوئی ذکر ہوتا اور یہ معلوم ومشہور بات ہوتی، جو امت پر مخفی نہ رہتی۔صرف اہلِ بیت پر جھوٹ گھڑنے والے رذیل لوگ ہی ان کو نقل کرنے والے نہ ہوتے۔اگر اس کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو قبروں کو مساجد بنانے سے صریحاً اور تاکیدی ممانعت مذکور نہ ہوتی۔

[3] محمد رضا المظفر: عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[4] المصدر السابق (ص: ١٣٥۔ ١٣٩)

اور ثواب کی جگہ قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں قرآنی آیت نازل کر کے اس کو عزت بخشی ہے۔

چناں چہ مرجعِ شیعہ محمد حسین آلِ کاشف الغطا، نص قرآنی اور اجماعِ امت کے خلاف اس بت پرستی پر مبنی شعر کو گنگنا ہے:

ومن حديث كربلا والكعبة لكربلا بان علو الرتبة

''کربلا اور کعبہ کی گفتگو میں کربلا کے مقام کی بلندی واضح ہوگئی۔''

وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ان کے مذہب کی ضروریات اور بنیادوں میں داخل ہے، اس لیے کہتا ہے:

''سرزمین کربلا بدیہی طور پر زمین کا سب سے مقدس ٹکڑا ہے۔''[1]

کیوں کہ ان کی روایات اور آثار (بقول اس کے) اس کی گواہی دیتے ہیں، یہ گواہی جس پر وہ اعتماد کر رہا ہے، لازم ہے کہ اسی کو ان اخبار کے جھوٹا ہونے، ان کو گھڑنے والے کے دین سے خارج ہونے اور ان کی تصدیق کرنے والے کے اجماعِ امت سے باہر ہونے کی دلیل قرار دیا جائے۔ کہاں کربلا اور کہاں یہ فرمانِ الٰہی:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران: ٩٦۔ ٩٧]

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت با برکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہوگیا اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے۔''

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک! کیا اس کے بعد بھی کسی کے پاس کوئی بات رہ جاتی ہے؟

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد: ٢٤]

''تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟''

ان چند ایک مذکور اقوال کے علاوہ بھی شیعہ کے معاصر علما کے اس مفہوم کے بہت زیادہ اقوال ہیں۔[2]

---

[1] محمد حسين آلِ كاشف الغطا: الأرض والتربة الحسينية (ص: ٥٥۔ ٥٦)

[2] مثلاً شیعہ کے آیت مرزا حسین حائری کا یہ قول: ''کربلا وہ پاک اور طاہر خاک اور مقدس زمین، جس کے بارے میں، زمین و آسمان کے رب نے کعبہ کو اس وقت مخاطب کر کے کہا، جب اس نے زمین کے تمام ٹکڑوں پر فخر کیا۔ ٹھہرا رہ، سکون کر، اگر کربلا ←

اگر شیعہ کی قدیم کتابیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ کے وسیلے سے انبیا کی توبہ قبول کی،[1] تو ائمہ کو انبیا پر ترجیح دینے پر مشتمل غلو میں سرتاپا ڈوبا ہوا یہ مفہوم[2] اور پھر کم عقلی اور ''سادگی'' میں مکمل طور پر کھویا ہوا معنی، جس کے مطابق یہ ائمہ ان سابقہ انبیا کی زندگی میں موجود تھے اور شرک اور غیر اللہ کی دعوت میں انتہا کو پہنچا ہوا بڑی آفت پر مشتمل ایسا موقف ہے کہ شیعہ کا ایک بہت بڑا عالم نہ صرف ان مصیبتوں پر مشتمل معانی کی توثیق کرتا ہے، بلکہ اپنے بیٹے کو ان کے تقاضے پر عمل کرنے کی بھی وصیت کرتا ہے۔ چناں چہ شیعہ کا آیت اور حجت عبداللہ ممقانی کہتا ہے:

''اے بیٹے! نبی اور آلِ نبی کے وسیلے کو اختیار کر، میں نے تمام روایات اکٹھی کیں، تو اس نتیجے تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی بھی لغزش[3] کو اس وقت تک معاف نہیں کیا، جب تک اس نے ان کا وسیلہ نہیں پکڑا۔''[4]

اگر شیعہ کے قدیم مصادر قبرِ حسین کی زیارت کو حج بیت اللہ سے افضل قرار دیتے ہیں، تو یہ خطرناک اور سنگین موقف ان کے معاصر علما کی زبانوں پر بھی عام ہے اور وہ اس کی دعوت دیتے ہیں، کیوں کہ اس کا، جس طرح یہ اپنے پیروکاروں کو دھوکا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ثواب ہے، کیوں کہ یہ تمام عبادات اور

← کی زمین نہ ہوتی اور جو اس میں ہے، وہ نہ ہوتا، تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔'' پھر یہ رافضی کہتا ہے: ''اس طرح یہ مقدس ٹکڑا، امام کا مدفن بننے کے بعد مسلمانوں کے لیے مزار، موحدین کے لیے کعبہ، بادشاہوں کے لیے جائے طواف اور نمازیوں کے لیے مسجد بن گئی۔'' (الحائري: أحكام الشريعة: ١/ ٣٢)

ڈاکٹر عبدالجواد آلِ طعمہ، اپنی تاریخ کربلا نامی کتاب میں کہتا ہے: ''شیعہ کی روایات کربلا کو زمین کا سب سے افضل ٹکڑا خیال کرتی ہیں۔ یہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مقدس، مبارک اور منتخب زمین ہے۔ یہ ان کے پیمانوں کے مطابق اللہ کا حرم، اس کے رسول کا حرم اور اسلام کا گنبد ہے۔ اس کی خاک میں شفا ہے اور یہ خوبیاں زمین کے کسی ٹکڑے حتی کہ کعبہ میں بھی ایک ساتھ موجود نہیں۔'' (تاريخ كربلا، ص: ١١٥۔ ١١٦)

اس کتاب کی ان کے کئی آیات نے تصدیق کی ہے۔ کتاب کے مقدمات دیکھیے، ان کا آیت عظمیٰ محمد شیرازی کہتا ہے: ''ہم ان کی قبروں کو اس طرح بوسہ دیتے ہیں، جس طرح حجرِ اسود کو چومتے ہیں، جس طرح قرآن کی جلد کو چومتے ہیں۔'' (مقالة الشريعة لمحمد الشيرازي، ص: ٨)

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٤٨٣) دیکھیں۔

[2] یہ غالی رافضیوں کا مذہب ہے، جس طرح قاضی عیاض، بغدادی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اس نظریے کے قائل کے کفر پر اجماع نقل کیا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٥٩) دیکھیں۔

[3] دیکھیں یہ لوگ کس طرح انبیا کی لغزشوں کا اقرار کرتے ہیں، جب کہ اپنے ائمہ کے متعلق مطلقاً عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں!!

[4] مرآة الرشاد (ص: ١٠٤)

نیکیوں سے افضل نیکی اور عبادت ہے۔[1]

اس لیے ان کا آیت عبداللہ ممقانی اپنے بیٹے کو روزانہ حسین کی زیارت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اے بیٹے! ضروری ہے کہ تم ہر روز اس کی (حسین کی قبر کی) دور سے زیارت کرو، ہر مہینے میں ایک مرتبہ وہاں ضرور جاؤ، اگر تم کسی دور دراز کے شہر میں ہو تو پھر سال میں ایک مرتبہ ضرور جاؤ۔''[2]

دیکھیے! یہ شیخ اپنے بیٹے کو نماز کی وصیت نہیں کر رہا، بلکہ اس کو قبر کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین کر رہا ہے، جہاں شرک کے جھنڈے بلند کیے جاتے ہیں، کیوں کہ یہ ان کے نزدیک تمام نیکیوں سے افضل نیکی ہے۔ مشرکوں کی یہی شریعت ہوتی ہے۔ بیٹے (محی الدین ممقانی) نے اس وصیت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

''ذکر ہوا ہے کہ جس نے اس کا حق پہچانتے ہوئے اس کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار حج اور ایک ہزار عمرے کا ثواب لکھ دے گا...''

مزید کہتا ہے:

''گویا وہ اللہ کی زیارت کر رہا ہوتا ہے! لہٰذا اللہ کا فرض بنتا ہے کہ اس کو دوزخ کا عذاب نہ دے۔ یاد رہے! قبولیت اس کے گنبد تلے ہے اور شفا اس کی خاک اور تربت میں ہے۔''[3]

''جس نے ایک ہی سال میں نصف شعبان، عید الفطر کی رات اور عرفات کی رات، حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج اور ایک ہزار مقبول عمرہ لکھ دے گا، نیز اس کی دنیا و آخرت کی ایک ہزار ضروریات پوری کی جائیں گے۔''[4]

''جو عرفات کے دن اس کا حق پہنچاتے ہوئے اس کے پاس آیا، اللہ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج و عمرہ اور کسی فرستادہ نبی یا عادل امام کے ساتھ ایک ہزار غزوے کا ثواب لکھ دے گا۔''[5]

بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ!

اس طرح شیعہ کی قدیم و جدید تمام کتابیں اس بت پرستانہ عقیدے پر متفق نظر آتی ہیں اور اس کو ائمہ اہلِ بیت بلکہ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ تمام مسلمان اس معاملے سے بے خبر ہیں، بلکہ اس کو

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[2] مرآة الرشاد (ص: ١٠٥۔ ١١٤)

[3] مرآة الرشاد (ص: ١١٠ حاشيه)

[4] مرآة الرشاد (ص: ١١٣ حاشيه)

[5] المصدر السابق.

صرف رافضہ نقل کرتے ہیں اور کوئی نہیں، بلاشبہہ اپنے اس شذوذ اور انحراف کے ساتھ وہ اپنے جھوٹ کا خود اعلان کرتے ہیں اور اپنے مذہب کو خود رسوا کرتے ہیں۔

ان نصوص اور روایات کا شیعہ کی دنیا پر بڑا خطرناک اثر تھا، جس کے نتیجے میں شیعہ کے مزارات اور درگاہوں میں مشرکین کے عقیدے کو زندہ کیا گیا، درگاہیں آباد ہوگئیں اور مساجد ویران اور نوحہ کناں!

شیعہ کے علما بھی اس برائی کی تائید کرتے ہیں اور اس کو ثابت اور جاری رکھنے کے لیے بھرپور کوشش کرتے ہیں، بلکہ ان کو اپنی صریح روایات اس برائی سے خبردار کرتی ہیں، جس میں یہ مبتلا ہیں، لیکن ان کے مراجع، ان روایات کو چھپا دیتے ہیں اور ان کم عقل پیروکاروں تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، بلکہ وہ اس نور کو جس قدر ممکن ہوسکتا ہے، ان کی نگاہوں سے دور کرنے اور اس پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں۔

شیعہ کا مجتہد اکبر، شیعہ کے کرائے ہوئے اپنے تعارف کے مطابق، محسن امین اپنی کتاب ''الحصون المنیعة'' میں شیعہ کی قبر پرستی کا دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں کی بڑی بڑی کتابوں میں قبر پرستی اور ان پر عمارتیں تعمیر کرنے سے منع کرنے کے متعلق ذکر ہونے والی احادیث کی تردید میں کہتا ہے:

''ان احادیث کو نقل کرنے میں اہلِ سنت اکیلے ہیں اور یہ اہلِ بیت کی سند سے ثابت ہونے والی متواتر روایات کے خلاف ہیں۔''[1]

میں کہتا ہوں: یہ ممانعت شیعہ کی سند سے بھی بہت ساری روایات میں ذکر ہوئی ہے، جن کو حر عاملی نے ''وسائل الشیعة'' وغیرہ میں روایات کیا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے،[2] یا تو یہ محمد امین نامی بندہ غیر امین اور خائن ہے اور اس نے اپنی کتابوں میں موجود حقیقت کو چھپانے کا ارادہ کیا ہے یا وہ اپنی مدونات اور ذخیرہ روایات سے جاہل اور ناواقف ہے، حالانکہ وہ ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی منسوب کردہ آیات (کبار علما) میں سے ایک آیت (بہت بڑا عالم) ہے!

اسما و صفات کے باب میں بھی شیعہ کے معاصر علما، متاخر علما ہی کے مذہب کا اثبات کرتے ہیں، جو تعطیل پر مبنی ہے اور وہ اس باب میں معتزلہ کے نقش پر قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ خلقِ قرآن کے قائل ہیں[3]، آخرت میں مومنوں کے لیے دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں[4] اور کتاب و سنت میں ثابت شدہ اللہ تعالیٰ کی

---

[1] محسن الأمين: الحصون المنيعة (ص: ٢٧)

[2] اس سلسلے میں ان کی معتبر کتابوں سے نقول پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ دیکھیں (ص: ۵۲۲)

[3] دیکھیں: محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ٤٦١) الأميني النجفي: الغدير (٣/ ١٣٩)

[4] دیکھیں: محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ٤٦٣) المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٥٩)

صفات کے بھی منکر ہیں۔[1]

یہ اللہ تعالیٰ کو "سلوب" (نص محض) سے متصف کرتے ہیں، جس طرح شیعہ کے عالم مظفر نے اپنی کتاب "عقائد الإمامية" میں بہ عنوان "اللہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ" بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"نہ وہ جسم ہے نہ صورت، نہ جوہر نہ عرض، نہ اس کے لیے ثقل ہے نہ خفت، نہ حرکت نہ سکون، نہ زمان نہ مکان، نہ اس کی طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔"[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو محض سلبی صفات سے متصف کرتے ہیں۔ انھوں نے حق تعالیٰ کے وجود ہی کی نفی کر دی ہے، اس باب میں ان کے پاس کچھ نیا نہیں۔ ان کلمات کو ان سے پہلے جہمیہ نے دہرایا ہے اور یہ انھی کے نشانات کے پیچھے پیچھے زبان لٹکائے بھاگ رہے ہیں۔ یہاں وہ لوگ غلطی کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ جہمیہ معطلہ کا وجود راہی عدم ہو چکا ہے اور قصہ ماضی بن چکا ہے۔

مزید برآں جو ان کی اس تعطیل میں مخالفت کرتا ہے، اس کو یہ کافر قرار دیتے ہیں۔ مظفر کہتا ہے: جس نے کہا: وہ آسمانِ دنیا میں اترتا ہے یا وہ اہلِ جنت کے سامنے چاند کی طرح نمودار ہوگا یا اس جیسی جو بھی بات کرتا ہے، وہ اس کا انکار اور کفر کرنے والے کے قائم مقام ہے، اسی طرح وہ بھی کافر سے جا ملتا ہے، جو کہتا ہے:

"وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہوگا۔"[3]

وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی عقل نے انھیں اس تعطیل کی راہ دکھائی ہے۔[4] کیا عقل کبھی کسی غیبی معاملے کو حاصل کرنے کے لیے مصدر اور ماخذ رہی ہے؟ نیز کیا عقل سلیم اللہ تعالیٰ کو ان محض سلبی صفات کے ساتھ متصف کرنے کی موافقت کر سکتی ہے، جس کی کوئی دلیل ہی نہیں اور کیا وہ وحی الٰہی کا رد کر سکتی ہے؟ پھر وہ افکار اور فلسفے، جنھوں نے وحی الٰہی سے علاحدہ رہ کر اس مسئلے پر گفتگو کی ہے، ان کا حاصل کیا ہے؟

انھوں نے تناقضات کے طومار اور بچوں کی بے کار کی حرکتوں کی طرح حرکتوں کے سوا کچھ پیش نہیں کیا، بلکہ انھوں نے الٹا ان مفکرین اور فلاسفہ ہی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

تاریخِ اسلام میں جن متکلمین نے بھی عقل کو راہبر اور قائد بنایا، آخر میں ان کے ہاتھ میں حیرانی اور

---

[1] دیکھیں: الغدیر (۳/ ۱۳۹)

[2] عقائد الإمامية (ص: ۵۹)

[3] المصدر السابق (ص: ۵۹۔ ۶۰)

[4] المصدر السابق (ص: ۶۰)

سرگردانی کے سوا کیا آیا؟ جس نے بھی کلامی طریقوں اور فلسفی اسلوبوں کی آبلہ پائی کی، وہ اسی نتیجے تک پہنچا کہ یہ عقل وفکر کی پیاس بجھانے سے قاصر ہیں اور ہدایت کے قریب ترین راہ قرآن کی راہ ہے، لیکن انھوں نے جب قرآن کی راہ سے اعراض کیا تو ان کی ساری کوشش گمراہی کی نذر ہوگئی،[1] انھوں نے وقت اور محنت دونوں ضائع کیے اور امت کو اس کے واجبی فرائض سے غافل رکھا۔

اسما وصفات میں اہلِ سنت کا منہج اور مسلک کتاب وسنت کے التزام کی وجہ سے عظیم الشان مسلک ہے۔ یہ ایک مسلمان کے وقت، کوشش، طاقت اور عقل کو ایسی چیز کی تلاش میں برباد ہونے سے بچاتا ہے، جس کا وہ مکلّف ہی نہیں اور جس کی کیفیت کی معرفت حاصل کرنے کی کوئی راہ ہی نہیں۔

شیعہ کے معاصر علما کے عقیدہ توحید میں ایک اور رجحان کا اضافہ کرنا باقی رہ گیا ہے، وہ رجحان ان صوفیہ کے نشانات کی پیروی ہے، جو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ توحید کے مراتب ہیں، جن میں، ان کے نزدیک، کم تر مرتبہ اسلام کے عظیم الشان کلمے "لا إلٰه إلا الله" کا مدلول ہے۔

اس طرح انھوں نے دین میں ایسی راہیں نکال لی ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا اور ان مراتب کے ذریعے وہ کفر بواح (صریح کفر) اور نظریہ وحدت الوجود تک جا پہنچے ہیں کہ مخلوق عین خالق ہے۔ یہ عقیدہ اپنا کر وہ عقل، نقل اور دین تینوں سے باہر ہوجاتے ہیں اور نصاریٰ کے شرک پر بھی بازی لے جاتے ہیں، جنھوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا اوتار قرار دیا اور انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کر گیا ہے، کیوں کہ عیسائیوں نے ایک خاص میں حلول کا دعویٰ کیا، لیکن انھوں نے حلول عام کا نظریہ پیش کر دیا۔

لیکن شیعہ کے علما، جو زمانے کی کروٹوں اور وقت کے دھاروں کے ساتھ ساتھ بدعتی مذاہب کے دستر خوانوں کا بچا کھچا، انسانیت کے گھٹیا افکار کا گند اور پراگندہ افکارِ نفوس کا تلچھٹ اس فرقے کے لیے نقل کرتے آئے ہیں، انھوں نے اس مشکوک صوفی رجحان کو بھی لے لیا اور اسے اپنی قوم تک منتقل کر دیا، بلکہ اسی کو اپنا قابلِ اعتماد عقیدہ شمار کیا!

شیعہ کا شیخ اور آیت ابراہیم زنجانی (جس کو خوئی نے "ركن الإسلام"، "عماد العلما" کا لقب دیا ہے) اپنی کتاب: "عقائد الإمامية الاثنى عشرية" (اس کتاب کی ان کے خوئی اور حسن موسوی جیسے بڑے علما اور آیات نے توثیق اور تصدیق کی ہے) میں: ''شیعہ کا توحید کے بارے میں عقیدہ'' کے زیرِ عنوان کہتا ہے:

[1] ان کی حیرت اور تجربے کا نتیجہ دیکھنے کے لیے ملاحظہ کریں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۵/ ۱۰۔ ۱۱) ابن أبي العز: شرح الطحاوية (ص: ۱٦۹۔ ۱۷۲) ملا علي القاري: الفقه الأكبر (ص: ۱۰۔ ۱۲)

''توحید کے چار مراتب ہیں، عوام کی توحید، خواص کی توحید، خاص الخاص کی توحید اور اخص الخواص کی توحید، پہلا مرتبہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مدلول و مفہوم ہے۔''[1]

وہ ذکر کرتا ہے کہ شیعہ تمام مسلمانوں سے عقیدہ توحید خاص الخاص اور توحید اخص الخواص کے ساتھ منفرد اور ممتاز ہیں۔[2] وہ کہتا ہے کہ ان مراتب کی شرح اور تفصیل کے لیے جگہ کی گنجایش نہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ انھوں نے یہ مراتب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے لیے ہیں:

''دین کی اول اس کی معرفت ہے، اس کی معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے، اس کی تصدیق کا کمال اس کی توحید ہے اور اس کی توحید کا کمال ...اس کی صفات کی نفی ہے ...جس نے اللہ کی صفت بیان کی، اس نے اس کو ملا دیا، جس نے اس کو ملا دیا، اس نے اس کو دو بنا دیا، جس نے اس کو دو بنا دیا، اس نے اس کو تقسیم کر دیا، جس نے اس کو تقسیم کر دیا، وہ اس سے جاہل رہا اور جو اس سے جاہل رہا، اس نے اس کی طرف اشارہ کیا، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا، اس نے اس کی حد مقرر کی اور جس نے اس کی حد متعین کی، اس نے اس کو شمار کیا...۔''[3]

یہ اقتباس، جس کو یہ جھوٹ بانی اور افترا پردازی کرتے ہوئے امیر المومنین کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب و سنت سے ثابت شدہ صفات کی تعطیل اور نفیِ صفات کو کمال توحید قرار دینے کے عقیدے پر مشتمل ہے، جو جہمیہ کا عقیدہ ہے، جنھوں نے اپنے اصول میں ''توحید'' کو شامل کیا اور اس میں نفیِ صفات کو داخل کر دیا۔

ان کے قول کا خلاصہ اور انجام کار ذات کی تعطیل اور نفی پر آ کر ختم ہوتا ہے، کیونکہ صفات کی نفی ذات کی نفی کی طرف لے جاتی ہے، کیوں کہ صفات سے خالی ذات کے وجود کا خارج اور حقیقت میں تصور محال ہے۔

پھر جہمیہ کا تعطیلِ صفات کا مذہب چوں کہ حلول اور وحدت الوجود کے مذہب تک پہنچا دیتا ہے[4]، اس لیے یہی، جیسے ظاہر ہوتا ہے، اس کے توحید خاص اور خاص الخاص کے موقف کی دلیل اور بنیاد ہے، ان کی گمراہی کی حدود کو جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اس توحید کو، جو رسولوں نے پیش کی، جس کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں اور اللہ نے پہلوں اور پچھلوں تمام لوگوں کا حکم دیا، اپنی توحید کے مراتب میں سے سب سے نیچے والا درجہ

---

[1] عقائد الإمامية الاثنیٰ عشرية (ص: ٢٤)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق.

[4] دیکھیں: شرح الطحاوية (ص: ١٦)

خیال کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک ایسا مرتبہ ہے، جو عوام کے لائق ہے اور انھی کے حال کے مناسب ہے۔ کیا ان کے پاس اس کا کوئی علم بھی ہے، جسے ہمارے سامنے یہ پیش کر سکیں؟![1]

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو اس کے رسول ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے اور یہ رسول ﷺ کے بعد بہترین زمانوں کے علما کا کلام، کیا یہ تقسیم ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول ہوئی ہے؟ یہ اس سلسلے میں صرف اور صرف اپنے شیوخ اور زندیقوں کے اقوال کے پیچھے چلتے ہیں، ان کے پاس گمان کی پیروی، نفس کی پوجا اور شیطانی الہامات کے سوا علم کی کوئی راہ نہیں۔

آپ کے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ شیعہ کا ان مقامات پر چلنے کا منتہائے مقصود، جو ان کے اعتراف کے مطابق لا الہ الا اللہ کے معنی کا مدلول نہیں، سالک کو مقامِ الحاد تک پہنچاتا ہے، جسے حلول یا وحدت الوجود کے نام سے جانا جاتا ہے۔[2]

---

[1] المصدر السابق.

[2] شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں وحدت الوجود کے نظریے کا آغاز تاتاریوں کی حکومت قائم ہونے کا زمانہ ہے۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ۲/ ۱۷۱)

امامت

امامت معاصرین کے اقرار کے مطابق نبوت کی طرح[1]، نبوت کا تسلسل[2] یا پھر نبوت کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے تعیین کا نام ہے۔[3]

یہ شیعہ کے نزدیک اسلام کا ایک رکن ہے۔ کاشف الغطا کہتا ہے:

''شیعہ نے اسلام کے ارکان میں ایک اور رکن کا اضافہ کیا ہے، جو امامت ہے۔''[4]

شیعہ میں ان کے اس غلو میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس کے متعلق گذشتہ مباحث میں گفتگو ہو چکی ہے، لیکن ان کی کتابوں میں جو اسلامی دنیا کے لیے لکھی جاتی ہیں، تین مسائل کے متعلق ایک نیا دعویٰ ضرور سامنے آیا ہے:

1. امامت کے منکر کی تکفیر۔
2. مسلمانوں کی حکومتوں پر کفر کی حکومت ہونے کا حکم لگانا۔
3. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر۔

پہلا مسئلہ؛ امامت اور شیعہ کے دیگر اصول و عقائد کے منکر مسلمانوں کی تکفیر کے متعلق معاصرین کا موقف:

اس مسئلے میں آپ کو معاصرین کے دو موقف ملیں گے، جن کو ان کے اصول سے ناواقف یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ دو مختلف موقف ہیں:

① امامت کا منکر اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور یہ موقف اس شخص کی مخالفت اور تردید کرتا ہے، جو کہتا ہے کہ شیعہ دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔

---

[1] محمد حسین آلِ کاشف الغطا: أصل الشيعة (ص: ٥٨) خليل ياسين: الإمام علي (ص: ٣٢٧) باقر القريشي: الرسول الأعظم مع خلفائه (ص: ١٨)

[2] المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٩٤)

[3] السماوي: الإمامة (١/ ٦٥)

[4] أصل الشيعة (ص: ٥٨) یہ اس کا اعتراف ہے کہ ارکانِ اسلام میں امامت کا اضافہ شیعہ کی طرف سے کیا گیا ہے۔

② تقیہ اور لگی لپٹی لگائے بغیر کھلے عام تکفیر کا اعلان کرتا ہے۔

پہلے موقف کی بابت محسن امین، موسیٰ جار اللہ کے اس اعتراض ''شیعہ کی کتابیں صریحاً تمام فرقوں کو کافر اور ناصبی قرار دیتی ہیں۔''[1] کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''اے اللہ تو پاک ہے! یہ بہت بڑا الزام ہے۔ کوئی شیعہ بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ ان کا اتفاق ہے کہ اسلام شہادتین کے اقرار کا نام ہے، جس پر مسلمانوں کے تمام فرقے قائم ہیں، ما سوائے اس کے جو دین کی ضروریات، جیسے وجوبِ نماز، شراب کی حرمت وغیرہ میں سے کسی ضرورت اور بدیہی طور پر معلوم چیز کا انکار کرے۔ مسلمانوں میں اختلاف کی اصل اور بنیاد خلافت کا معاملہ ہے، جو بداہتاً دین کی ضروریات میں شامل نہیں، کیوں کہ دین کا ضروری معاملہ وہ ہوتا ہے، جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہو اور یہ اس طرح نہیں۔''[2]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''جو امامت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ عام معنی میں مسلم اور مومن ہے، جس پر اس کے خون کی حرمت، مال اور عزت کی حرمت، اس کی حفاظت کا وجوب اور اس کی غیبت[3] کی حرمت وغیرہ جیسے تمام اسلام کے احکام مرتب اور لاگو ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ امامت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے، معاذ اللہ، مسلمان ہونے سے نکل جاتا ہے، البتہ امامت کو دین ماننے کے اثرات قیامت کے دن قربت اور کرامت کی منازل میں ضرور ظاہر ہوں گے۔''[4]

عصرِ حاضر کے کچھ دیگر شیعہ نے بھی اس سے ملتی جلتی رائے دی ہے۔[5] جہاں تک دوسرے موقف کا تعلق ہے، تو ابھی تک ان کے شیوخ اور آیات میں سے کوتاہ قیمت اور گھٹیا لوگ اُسی گمراہی کا ہذیان بکتے اور صریحاً

---

[1] الوشيعة (ص: ١٠٥) کتبِ شیعہ سے اس کا اثبات گزر چکا ہے۔ (ص: ٧٩٦)

[2] محسن الأمين: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ١٧٦) أعيان الشيعة (١/ ٤٥٧)

[3] پھر تم لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں کیوں دیتے ہو، کیوں کہ وہ تمھارے اقرار کے مطابق صرف امامت میں اختلاف رکھتے ہیں؟

[4] أصل الشيعة (ص: ٥٨۔ ٥٩)

[5] دیکھیں: عبد الحسين الموسوي: أجوبة مسائل جار الله (ص: ٣٩) محمد حسين الزين العاملي: الشيعة في التاريخ (ص: ٣٢) الخنيزي: الدعوة الإسلامية (٢/ ٢٦٠) محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٢٦٩) لطف الله الصافي: مع محب الدين في خطوطه العريضة (ص: ٩٥)

مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، مثلاً شیعہ کا عالم علی یزدی حائری،[1] عبدالحسین الرشتی[2] اور عبدالہادی فضلی[3] اس زمرے میں شامل ہیں۔

جب کہ ان میں بعض علما دونوں ہی مسلکوں پر چلتے ہیں، یعنی حالات اور مواقع کی مناسبت سے کبھی تکفیر کی طرف آ نکلتے ہیں تو کبھی دوسری طرف جا نکلتے ہیں، کیوں کہ تقیے میں بڑی گنجایش ہے!

ان میں محمد رضا مظفر کا شمار ہوتا ہے، جو اپنی کتاب "عقائد الإمامية" میں کہتا ہے:

''شیعہ کے نزدیک، جو شہادتین کی گواہی دیتا ہو، وہ مسلمان ہے، خواہ جو بھی اس کا مذہب ہو۔''[4]

لیکن وہ اپنی کتاب "السقيفة" میں رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں پر مرتد ہو جانے کا حکم لگاتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''نبی اکرم ﷺ فوت ہوگئے اور ضروری ہے کہ تمام مسلمان، اب مجھے نہیں پتا، اپنی ایڑھیوں کے بل پھر گئے ہوئے (یعنی دین سے پھر گئے ہوں)۔''[5]

دیکھیے! یہ کس طرح صحابہ رسول، قرابتِ رسول اور تمام امت پر ارتداد کا حکم لگاتا ہے اور ہر ایک کے ایمان میں بھی شک کا اظہار کرتا ہے، اس غلو تک کو سابقہ شیعہ میں سے بھی ''کاملیہ'' کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکا۔

---

[1] جس کو یہ "شيخ الفقهاء والمجتهدين، حجة الاسلام والمسلمين، آية الله الكبرىٰ في العالمين" کہتے ہیں، اسلام اس سے بری ہے، اس کی کتابوں میں "إلزام الناصب في إثبات الحجة الغائب" کا نام بھی ہے، لہٰذا اہلِ سنت اور وہ تمام لوگ جو اس کے مہدی معدوم کے مخالف ہیں، وہ سب اس کی رائے میں نواصب ہیں، یہ ۱۳۳۲ھ کو ہلاک ہوا۔

[2] یہ اپنے گروہ کے سوا تمام امت پر کافر ہونے کا حکم لگاتا اور یہ رائے رکھتا ہے کہ امت کے کفر کا سبب۔نعوذ باللہ۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''ابوبکر اور عمر، یہ دونوں قیامت تک اس امت کی گمراہی کا سبب ہیں۔'' (كشف الاشتباه، ص: ۹۸) دیکھیے! کس طرح یہ علما و شیوخ قصہ پارینہ ہوجانے والی صدیوں کے زندیقوں کے افکار کی زنجیروں میں ابھی تک جکڑے ہوئے ہیں!!

رشتی یہ قول، جس کا وہ علانیہ اظہار کر رہا ہے، شیخ موسیٰ جار اللہ کی تردید میں لکھتا ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ تقیے کے سائے اور اثر نے بہت کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے اور جو ابھی تک چھپا ہوا ہے، وہ اس سے بہت سنگین ہے۔

[3] جو یہ مقرر کرتا ہے کہ امامت دین کا ایک رکن ہے۔ (التربية الدينية، ص: ٦٣) یعنی ان کی امامت کا منکر دین کے رکن کا منکر ہے اور وہ کافروں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

اس کی جرأت دیکھیے کہ اس کو اس کے وطن سے نکال دیا گیا اور یہ اہلِ سنت کے درمیان رہ کر، ان کی نعمتیں کھا کر، اس منکر اور برائی کو گھڑ رہا ہے۔ (یہ عراقی نژاد تھا، سعودیہ میں رہ رہا ہے اور وہاں ایک یونیورسٹی میں کام کر رہا ہے)۔

[4] عقائد الإمامية (ص: ١٥٥)

[5] السقيفة (ص: ١٩)

فرقہ کاملیہ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو اپنے حق کے مطالبے سے دست برداری کی وجہ سے کافر کہتے ہیں اور صحابہ کو حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے کفر کی سولی پر چڑھاتے ہیں۔

لیکن اس گروہ کا آج اس نام کے ساتھ وجود باقی نہیں رہا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس زمانے میں کوئی بھی اس مذہب کا قائل نہیں رہا، لیکن پھر بہت جلد یہ گمان بھی چھپ گیا۔ اب یہ اس زمانے میں اثنا عشریہ کی گود میں تربیت پا رہا ہے اور شیعہ کے بعض بڑے علما کھلے عام اس مذہب کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

اثنا عشری مذہب اپنے مدونات اور جوامع کی صورت میں، جو شذوذ اور انحراف پر مبنی آرا و افکار سے بھری پڑی ہیں، بہت ساری غالی فرقوں کو پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ یہ صرف شیعہ کے عالم مظفر کا موقف نہیں، بلکہ ان کے معاصر علما میں کئی ایک اس کے ہم خیال ہیں۔[1]

یہ دونوں مواقف بہ ظاہر ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں، لیکن یہ حقیقت میں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جو امت کے مسلمان ہونے کا فتویٰ اور حکم پیش کرتے ہیں، وہ ان سے مختلف نہیں، جو امت کو کافر کہتے ہیں، لیکن یہ کس طرح ایک ہی ہیں؟ تو اس کی تفصیل سنیے: وہ کہتے ہیں، ہم صرف ظاہر میں لوگوں پر مسلمان ہونے کا حکم لگاتے ہیں، لیکن باطن میں وہ شیعہ فرقے کے اجماع کے ساتھ کافر اور مخلّد فی النار ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت ان کے قدیم علما نے بھی کی ہے اور معاصرین نے بھی، پھر اگر آپ ان کے کلام اور گفتگو پر تامل کریں، جو کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے، تو آپ کو اس میں، اس مذہب کے اشارات ضرور ملیں گے۔ جو شخص اس کے متعلق ان کے عقیدے کو جانتا ہے اور ان کے تقیے کے اسلوب سے بھی واقف ہے، وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے۔

شیعہ کے جن سابقہ علما نے اس کا صریحاً ذکر کیا ہے، ان میں شہیدِ ثانی زین الدین بن علی العاملی،

[1] مثلاً: عبدالحسین موسوی کو دیکھیے! جو اپنی متعدد کتابوں میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شیعہ مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ (دیکھیے: رسالة إلى المجمع العلمي العربي بدمشق، ط: النجف ١٣٨٧ھ و كتابه: أجوبة مسائل جار الله، ص: ٣٩ اور اس کی دیگر کتب) لیکن وہ جلیل القدر صحابی، اسلام کے راوی حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو کافر کہتا ہے، بلکہ وہ ہر اس شخص کو کافر قرار دیتا ہے، جو اس کے بارہ اماموں پر ایمان نہیں لاتا، کیوں کہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ''ان کی ولایت دین کے اصول میں داخل ہے۔'' (الفصول المهمة، ص: ٣٢) وہ روایات جو مطلق موحدین کے ایمان کے بارے میں نقل ہوئی ہیں، انھیں بارہ ائمہ کی ولایت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، کیوں کہ وہ مغفرت کا دروازہ ہیں۔ وہی بخشا جائے گا، جو اس میں داخل ہوگا۔ (المصدر السابق، ص: ٣٢) پھر یہ مقرر کرتا ہے کہ ''جس نے اس مسئلے (امامت) میں تاویل کی یا غلطی کی۔ وہ ان کے اجماع کے ساتھ غیر معذور ہے۔'' (المصدر السابق، ص: ٤٥)

(المتوفی ۹۶۶ھ) کا نام آتا ہے، جو کہتا ہے:

''مخالفین (اہلِ سنت اور ان کے علاوہ دیگر مسلمان) کے اسلام کے قائلین ان پر ظاہر میں مسلمانوں کے اکثر احکام کے اطلاق صحیح ہونا مراد لیتے ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ حقیقت میں مسلمان ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کے جہنم رسید ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔''[1]

وہ مزید کہتا ہے:

''گویا اس میں (یعنی ظاہری طور پر ان کو مسلمان سمجھنے میں) مومنوں (یعنی ان کا گروہ، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کا وصف اور صفت صرف ان کے لیے خاص ہے) کے لیے تخفیف ہے، کیوں کہ انھیں اکثر اوقات اور کثیر جگہوں پر ان کے ساتھ میل جول رکھنے کی بڑی شدت کے ساتھ ضرورت پیش آتی ہے۔''[2]

شیعہ کا شیخ ملا باقر مجلسی کہتا ہے:

''بعض روایات سے بلکہ اکثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں بھی کفار ہی کے حکم میں ہیں، لیکن چونکہ اللہ کے علم میں تھا کہ ظلم کے امام اور ان کے پیروکار شیعہ پر غالب رہیں گے اور انھیں ان کے ساتھ میل جول رکھنے کی آزمایش سے گزرنا پڑے گا، تو اللہ تعالیٰ نے کشادگی کرتے ہوئے ان پر اسلام کے احکام جاری کر دیے۔ جب قائم ظاہر ہوجائے گا تو ان پر تمام امور میں تمام کافروں کی طرح کے احکام لاگو ہوں گے اور آخرت میں وہ جہنم میں جائیں گے، وہاں کفار کے ساتھ ابد تک رہیں گے، اس توجیہ کے ساتھ ان روایات کا تعارض ختم ہوجاتا ہے، جس طرح مفید اور شہید ثانی نے بھی یہی اشارہ کیا ہے۔''[3]

اب معاصرین کے اقوال کی طرف آتے ہیں۔ شیعہ آیت عظمی شہاب الدین حسین مرعشی نجفی کہتا ہے:

''دینِ اسلام کے اصول کی دو اقسام ہیں: ① اس پر مسلمان کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے، جو وحدانیت اور رسالت کی شہادت دے۔ ② اس پر آخرت میں نجات، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا، اس کی رضا کا حصول اور جنت میں دخول موقوف ہے۔ جو اس کا اعتراف نہ کرے، اس پر جنت کا

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۸/ ۳۶۸)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (۸/ ۳۶۸)

[3] المصدر السابق (۸/ ۳۶۹۔ ۳۷۰)

داخلہ حرام ہے اور اس کو کافروں کی جماعت کے ساتھ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، اس قسم کا نام اصولِ ایمان ہے۔''

پھر کہتا ہے:

''اس قسم میں امامت کا اعتقاد اور امام کا اعتراف داخل ہے۔''

نیز کہتا ہے:

''اس کی دلیل صحابہ کا نبی ﷺ کی رحلت کے بعد مرتد اور دوبارہ کافر ہوجانا ہے، جب کہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا، جو کفر کی طرف پھیرنے کا باعث اور سبب ہو نہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی ہی سے منہ موڑا، سوائے اس کے کہ انھوں نے امامت کا انکار کیا۔''[1]

اس تفصیل کے بعد تقیے کی بدلی چھٹ جاتی ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ بعض معاصر جو اپنے مخالفین کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے تو وہ اس سے ''ظاہر اسلام'' مراد لیتے ہیں اور یہ ان کی اصطلاح ہے۔ اگر آپ ان کے کلام پر نظرِ تامل ڈالیں تو آپ اس کے جوہر سے آشنا ہوجائیں گے۔

آلِ کاشف کے قول پر غور کیجیے کہ اس نے بھی اس مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے، جب وہ کہتا ہے:

''البتہ امامت کو دین بنانے کا اثر قیامت کے دن قربت اور کرامت کی منازل میں ضرور ظاہر ہوگا۔'' تو وہ یہی مذہب پیش کرتا ہے۔ اس کے باوجود بعض نام نہاد اہلِ سنت نے اس کے کلام کو وزنی بنا دیا ہے۔[2]

خطا اینجا است دلبر تو حقیقت آشنا نہیں!

جہاں تک محسن امین کی بات ہے تو اس نے اپنے کلام کے کئی جملوں میں اس باطل مذہب کا رمزیہ انداز میں ذکر کیا ہے، مثلاً اس کا کہنا: ''اسلام وہ ہے جس پر تمام فرقوں کا اجماع ہے۔'' بلاشبہہ کچھ ایسے فرقے ہیں، جو بالاتفاق اسلام سے خارج ہیں، لیکن وہ یہاں اپنی اصطلاح میں اسلام مراد لے رہا ہے۔

پھر اس کا یہ کہنا: ''سوائے اس کے جس نے دین کے کسی ضروری اَمر جیسے وجوبِ نماز، یا حرمتِ شراب وغیرہ کا انکار کیا، لیکن امامت ان کے نزدیک وجوبِ نماز اور حرمتِ شراب سے کہیں عظیم تر ہے۔ جس طرح پہلے

---

[1] شهاب الدين النجفي: تعليقاته على كتاب إحقاق الحق للتستري (٢/ ٢٩٤۔ ٢٩٥)

[2] فتحي عبد العزيز: الخميني الحل الإسلامي والبديل (ص: ٥٨۔ ٥٩)

ذکر ہوا اور اس بات میں ان میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اس نے تقیے کی چادر اوڑھ کر ادنا چیز کا ذکر کر کے اعلیٰ کو مراد لیا ہے۔

اس کے بعد اس کا یہ قول: ''مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی اصل خلافت کا معاملہ ہے اور یہ ضروریاتِ دین میں شامل نہیں ...'' اس میں بھی تقیہ ہے۔ شاید وہ شخص اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے، جو ان کے ''اسالیب'' سے ناواقف ہو، اس لیے یہ بھی بعض کی نظر سے اوجھل رہ گیا۔[1]

وہ یہاں مسلمانوں کے نزدیک ''خلافت'' مراد لے رہا ہے، شیعہ کے نزدیک ''مسئلہ امامت'' مراد نہیں لے رہا۔ اس لیے اس نے یہاں اس کے لیے خلافت کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ دونوں یعنی ''خلافت اور امامت'' ان کے نزدیک ایک دوسرے کے مکمل الفاظ متضاد ہیں۔

شیعہ کا ایک معاصر عالم کہتا ہے:

''امامت دین کی سربراہی کا نام ہے اور خلافت ملک کی سربراہی کا نام، جس طرح ان دونوں کے متعلق ذکر ہونے والی روایات سے سمجھا جاتا ہے۔''[2]

اس لیے یہ کہتے ہیں:

''علی کی امامت رسول ﷺ کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوگئی[3] اور صحابہ نے اپنی خلافت میں دین کو سلطنت سے جدا کر دیا۔''[4]

دوسرا مسئلہ؛ اسلامی حکومتوں کے متعلق شیعہ کا موقف:

جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے کہا:

''شیعہ اسلامی حکومتوں اور ان کے قاضیوں کو طاغوت خیال کرتے ہیں۔''[5]

تو ایک آیت (شیعہ عالم) نے ان الفاظ میں ان کا جواب دیا:

''شیعہ کے نزدیک طاغوت حکومتیں اور ان کے قاضی ظالم، دغاباز اور آلِ محمد کی اللہ اور اس کے

---

[1] الزعبي: لا سنة ولا شيعة (ص: ٨٤)

[2] محمد علي الحسني: في ضلال التشيع (ص: ٣٨)

[3] المفيد: الإرشاد (ص: ١٢) اس روایت کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ دیکھیں (ص: ٥٨)

[4] دیکھیں: الصادقي: علي والحاكمون (ص: ٨٣)

[5] الوشيعة (ص: ١٠٥) شیعہ کتب سے اس کی توثیق گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٧٨٩)

رسول کی مقرر کردہ حرمت کو پامال کرنے والے ہیں، ان کے علاوہ جو مسلمانوں کی حکومتیں ہیں تو ان کے متعلق شیعہ کا موقف ہے کہ اس معاملے میں ان کی معاونت کرنا واجب ہے، جس پر اسلام کی عزت اور حفاظت موقوف ہو اور اس کی سرحدوں اور زمین کی حفاظت و حمایت مقصود ہو۔ شیعہ کے نزدیک مسلمانوں کی مخالفت اور بغاوت کر کے ان کے شیرازے کو منتشر کرنا جائز نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ اس کے امور کو قائم کرنے والے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے بادشاہ اور سلطان کے ساتھ اس طرح پیش آیا جائے، جس طرح خلفائے حق کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے۔''[1]

اسی اسلوب اور انداز میں ان کے دیگر علما و شیوخ نے بھی اپنے رشحاتِ فکر پیش کیے ہیں۔[2] تو کیا عصرِ حاضر کے شیعہ کے اس موقف کو ان کے مذہب کے اصل اور عقیدے سے انحراف سمجھا جائے، جس کے بارے میں گفتگو مسئلہ امامت کے تحت گزر چکی ہے، یا معاملہ تقیے اور محض مکھن لگانے کا ہے؟ کیوں کہ گفتگو ایک سنی شخص سے ہو رہی ہے اور مخاطب بھی اہلِ سنت ہیں اور جب ایسی کیفیت ہو تو یہ تقیے کے لیے سازگار ماحول ہوتا ہے؟

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں:

ابھی تک معاصر علمائے شیعہ کی ایک جماعت یہ صریحاً کہتی پھرتی ہے کہ شیعہ کا مذہب بارہ اماموں کی حکومت کے سوا کسی حکومت کا اعتراف نہیں کرتا اور اس میں وہ اپنا کوئی اختلاف ذکر نہیں کرتے۔

شیعہ کا عالم محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''امامت کی شروط: یہ امام علی اور ان کے بعد آنے والے بالخصوص ان کے بیٹے حسن کے سوا کسی بھی منصبِ امامت پر فائز ہونے والے خلیفہ میں پائی نہیں گئیں، چنانچہ یہ طبعی امر ہے، جس طرح وہ کہتا ہے کہ وہ حضرت علی اور ان کے بیٹوں کے سوا کسی بھی حاکم کی امامت قبول نہ کریں اور ان کی طرف اسی نگاہ سے دیکھیں کہ وہ اہلِ بیت کے الٰہی حق کو غصب کرنے والے اور ان کو ان کے اس مقام اور مرتبے سے ہٹانے والے ہیں، جس پر انھیں اللہ نے بٹھایا تھا، لہٰذا حاکمِ وقت شیعہ کو اپنا سخت دشمن اور حکومت کی مخالف پارٹی سمجھتا تھا۔''

پھر اس کے بعد کہتا ہے:

''چنانچہ نظریہ تشیع کسی صورت حاکمِ وقت کی مخالفت سے جدا نہیں ہوسکتا، اگر اس میں یہ شرطیں نہ

[1] أجوبة مسائل جار الله (ص: ٣٨۔ ٣٩)

[2] دیکھیں: لطف الله الصافي: مع محب الدين الخطيب في خطوطه العريضة (ص: ٨٩۔ ٩٠)

پائی جائیں: ①وصیتِ تعیین۔ ② حکمت۔ ③افضلیت ...اس طرح وہ دینی اور ایمانی طور پر حزب مخالف کی نمایندگی کرتے تھے۔''[1]

آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کی طرف عمومی طور پر ہر اس حکومت کی مخالفت منسوب کرتا ہے جو، ان کے نظریے کے مطابق، منصوص علیہ اور خدا کی طرف سے تعیین کردہ ائمہ کی حکومت نہ ہو، اس لیے وہ یہی حکم خلافتِ راشدہ اور خلافتِ نبوت پر بھی لگاتے ہیں۔

شیعہ کا شیخ صادق[2] کہتا ہے:

''خلفائے ثلاثہ اسلام کے خلاف سازش میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔''[3]

شیعہ کا دوسرا عالم کہتا ہے:

''نبی کریم محمد ﷺ کی وفات کے وقت ہی سے حاکموں کے مجرم ہاتھوں نے اسلام کے ساتھ کھلواڑ شروع کر دیا۔''[4]

اسی طرح وہ یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ کی زمامِ حکومت غائب منتظر کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا جو بھی حکمران بنا، وہ غاصب ہے۔ شیعہ کے بعض علما اس سے شیعہ فقیہ کی ولایت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس کو نیابت کا حق حاصل ہے۔ شیعہ کا عالم عبدالہادی فضلی کہتا ہے:

''منتظر کی سلطنت وحکومت ہی اسلام کی سلطنت ہے۔''[5] اس کے علاوہ کوئی سلطنت نہیں۔ اس لیے وہ کہتا ہے:

''ہمیں چاہیے کہ ہم غیوبت کے زمانے میں یومِ موعود (وہ دن جس کا انتظار ہے) کے انتظار میں زندگی گزار دیں کہ جس دن کا آغاز، امام منتظر کفر کا صفایا کر کے کرے گا۔''[6]

لیکن شیعہ کا اپنے مہدی کی واپسی کا انتظار یہ معنی نہیں رکھتا کہ اسلامی حکومتوں کے ساتھ صلح رکھی جائے۔ وہ کہتا ہے: ''اس موضوع کی روایات کا خلاصہ اور انتظار سے مقصود امام منتظر کے ظہور کے لیے سازگار ماحول اور

---

[1] الشيعة والحاكمون (ص: ٢٤)

[2] وہ اپنے بارے میں خود کہتا ہے کہ وہ نجف کے حوزہ علمیہ (علمی مرکز) کا نمایندہ ہے۔

[3] علي والحاكمون (ص: ٧٨، ٨٣)

[4] محمد علي الحسني: في ضلال التشيع (ص: ٥٥٨)

[5] في انتظار الإمام (ص: ٥٧)

[6] المصدر السابق (ص: ٦٧)

زمین ہموار کرنے کا حکم ہے۔‘‘ اس کے بعد اس تمہید اور ماحول کی سازگاری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’امام منتظر کے ظہور کی تیاری، سیاسی بیداری پیدا کر کے اور مسلح انقلاب برپا کر کے سیاسی عمل کے ساتھ ہوگی۔‘‘[1]

ان اقوال کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ شیعہ حکومت کے سوا ہر اسلامی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں اور اپنے اعتقادات کو مختلف وسائل کے ذریعے سے پھیلا کر جو فضلی کے الفاظ میں ’’سیاسی بیداری‘‘ ہے، لوگوں کو اپنے انقلابات قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ امر بالکل مخفی نہیں کہ اثنا عشری علما کا یہ منہج اور مسلک اثنا عشریہ کی اس روش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، جس پر ان کے پہلے چل رہے تھے، اس لیے نعمانی کی "الغيبة" میں ذکر ہوا ہے:

ابو الجارود، ابو جعفر سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ان سے کہا: مجھے کوئی وصیت کیجیے! تو انھوں نے کہا: میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور ہم سے نکلنے والوں سے دور رہو، ان کی کوئی بنیاد ہے نہ ان کا کوئی مقصد ہی ہے...۔‘‘[2]

مجلسی کہتا ہے:

’’ہم سے نکلنے والوں سے مراد زید اور بنو حسن جیسے لوگ ہیں۔‘‘[3]

لہٰذا شیعہ کی روایات خروج اور بغاوت سے منع کرتی ہیں، چاہے وہ اہلِ بیت کی طرف سے ہو، تو جو ان کے علاوہ محض شیعہ کے علما ہیں، ان کا خروج کس طرح روا ہوگا؟ ان کو ابو عبداللہ نے، شیعہ کی روایات کے مطابق، ان کے مہدی کے غائب ہونے کے بعد فتنے بھڑکانے سے منع کیا اور کہا:

’’اپنے گھروں میں چپکے رہو، فتنہ اس کے سر چڑھے گا، جو اس کو بھڑکائے گا۔‘‘[4]

باقر نے کہا:

’’جب تک زمین و آسمان سکون میں رہیں، تم بھی سکون میں رہو، یعنی کسی کے خلاف بغاوت نہ کرو۔‘‘[5]

شیعہ کے شیخ نعمانی نے اس موضوع کے متعلق ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے:

---

[1] المصدر السابق (ص: ٦٩)
[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٢٩) بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٦)
[3] بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٦)
[4] الغيبة (ص: ١٣١)
[5] المصدر السابق (ص: ١٣٤)

"باب ما روي فيما أمر به الشيعة من الصبر والكف والانتظار في حال الغيبة، وترك الاستعجال بأمر الله وتدبيره"[1]

اس کے بعد اس نے اس موضوع کی کئی روایات نقل کیں اور ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''اللہ تم پر رحم کرے۔ ائمہ کی اس تربیت کو دیکھو جو انھوں نے صبر، اپنے ہاتھ کو روکے رکھنے اور کشادگی کے انتظار کے لیے کی اور جلدی کرنے والوں کی ہلاکت کا ذکر کیا...۔''[2]

یہ سب کچھ تیسری صدی میں اثنا عشریہ کے علما نے ثابت کیا ہے۔ معاصرین یا تو اپنے شیعہ مذہب سے ناآشنا ہیں یا وہ ''انتظار'' کو اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں دیتے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں نکلے گا، اس لیے کہ اس کا وجود ہی نہیں۔ لہٰذا انھوں نے انقلاب اور ملک بنانے کی دعوت دی۔

یہ ہے وہ موقف جس کا معاصر شیعہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، انھوں نے اسلامی حکومتوں کو کافر قرار دینے کے ساتھ ساتھ منتظر کے خروج سے پہلے پہلے ان حکومتوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی بھی دعوت دی ہے، بلکہ ان کا خمینی تاکید کرتا ہے کہ ''جب تک منتظر کا ظہور نہ ہو جائے، تب تک جہاد کا آغاز کرنا جائز نہیں۔''[3]

لیکن وہ خود قوت کے بَل بوتے پر انقلاب کی سربراہی کر کے اپنی ہی بات کی مخالفت کرتے ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا،[4] کیونکہ ان کا مذہب علما کی خواہشات اور مرضی کا غلام ہے اور وہ حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ بدل جاتا ہے، پھر ان کے نزدیک تاویلات کا دروازہ اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی حدود اور قیود نہیں۔

اس اعتقاد کے نقطہ آغاز سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ممالک پر کافروں کی حکومت مسلمانوں کی حکومت سے کہیں بہتر ہے۔ شیخ رشید رضا مصری نے نقل کیا ہے کہ رافضی ابوبکر عطاس نے کہا:

''وہ اراضی مقدسہ پر ابن سعود کے بجائے انگریز کا حکمران ہونا زیادہ پسند کرتا ہے۔''[5]

شیعہ کے آیت حسین خراسانی نے ہمارے سامنے یہ حقیقت کشائی کی ہے کہ ہر شیعہ مکہ مدینہ فتح کرنے اور وہاں سے بقول ان کے وہابی حکومت ختم کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''شیعہ گروہ وقتاً فوقتاً انتظار کرتے رہتے ہیں کہ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے، جب اللہ تعالیٰ ایک

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٢٩)

[2] المصدر السابق (ص: ١٣٤)

[3] تحرير الوسيلة (١/ ٤٨٢)

[4] اس بارے میں ''آیات کی سلطنت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[5] المنار (المجلد٩، ص: ٦٠٥)

مرتبہ پھر ان کے لیے یہ اراضی مقدسہ (حجاز کی سر زمین) فتح کر دے گا، تا کہ وہ وہاں امن اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوں، اپنے رب کے گھر کا طواف کریں، اپنے مناسک ادا کرسکیں اور اپنے سادات اور شیوخ کی قبروں کی زیارت کرسکیں، اس وقت وہاں ان پر کوئی ظالم حکمران مسلط نہیں ہوگا، جو ان کی عزتیں پامال کر کے، ان کے اسلام کی حرمت ختم کر کے، ان کے حرام کردہ خونوں کو بہا کر اور ان کے محترم مالوں کوظلم و زیادتی کرتے ہوئے لوٹ کر حد سے تجاوز کر سکے گا، اللہ تعالیٰ ہی ہماری امیدوں کو پورا کرے۔''[1]

اس طرح یہ رافضی دیارِ مقدسہ کو فتح کرنے کی تمنا کرتا ہے۔ گویا وہ کفار کے قبضے میں ہیں اور اس خواہش کی وجہ جواز یہ پیش کرتا ہے کہ وہ حج اور زیارت کرنا چاہتا ہے، جیسے اس پر اور اس کے فرقے پر حج اور زیارت کرنے پر پابندی ہے! لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ حرمین شریفین میں توحید کو ختم کر کے شرک قائم کرنا چاہتا ہے۔

اگر ایک طرف شیعہ کے علما علی الاعلان یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہے جس پر ان کے اصول مقرر ہیں تو پھر عبدالحسن اور اس کے ہمنواؤں کے قول کی کیا حقیقت ہے؟

زمینی حقیقت یہی ہے کہ اس کا قول شیعہ علما کے اقوال سے قطعاً مختلف نہیں، جن سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کو توریہ کے اسلوب میں اس طرح ڈھال کر پیش کیا ہے، جس سے وہ شخص دھوکا کھا جاتا ہے، جو تقیے میں ان کے اسالیب اور طریقوں سے ناواقف ہو۔

وہ کہتا ہے:

''شیعہ کے نزدیک حکومتوں اور ان کے قاضیوں میں طاغوت وہ ہیں، جو آلِ محمد پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔''

یہ بات کہہ کر وہ اپنے موقف سے بالکل باہر نہیں نکلا، کیوں کہ وہ مسلمانوں میں حضرت علی اور ان کے بیٹے حضرت حسن کے سوا تمام حکمران بننے والوں کو آلِ محمد پر ظلم کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں، کیوں کہ امامت کا منصب انھی کے ساتھ خاص ہے اور ان کا ایسا حق ہے، جس میں کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں، لہٰذا ان کے سوا جو بھی حکمران بنے گا، وہ ان پر ظلم کرنے والا شمار ہوگا۔ اس لیے ابن بابویہ کہتا ہے:

''جس نے امامت کا دعویٰ کیا، لیکن وہ (شیعہ کا) امام نہ ہو تو وہ ظالم ملعون ہے۔''[2]

بنا بریں وہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو ان (آلِ محمد) پر سب سے پہلا ظلم کرنے والا خیال کرتے ہیں۔

---

[1] الإسلام علی ضوء التشیع (ص: ۱۳۲۔ ۱۳۳)

[2] الاعتقادات (ص: ۱۱۲)

اپنی اس بات میں کہ ''شیعہ ان کی یعنی حکام کی اس معاملے میں معاونت کو واجب سمجھتے ہیں، جس پر اسلام کی عزت موقوف ہو۔'' وہ روافض کے منہج سے بالکل انحراف نہیں کر رہا۔ ''اسلام کی عزت'' سے اس کی مراد اپنے فرقے کے مذہب کی نصرت ہے، یعنی مسلمانوں کی حکومتوں کو گرانے کے لیے، یا شیعہ کو اپنا مذہب پھیلانے کے لیے اقتدار و قوت مہیا کرنے کے لیے، یا ان کے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اپنی سرگرمیوں کو مالی معاونت فراہم کرنے کے لیے ان میں داخل ہونا واجب ہے... اس لیے آپ شیعہ کے امام خمینی کو دیکھتے ہیں کہ جب نصیر الدین طوسی نے خلافت اسلامیہ کو گرانے اور شیعہ مذہب کے اظہار کی نیت سے ہلاکو خاں کا وزیر بننا قبول کیا تو اس نے کہا:

> ''شیعہ کا بادشاہوں کے قافلے میں شامل ہونا جائز تقیے میں داخل ہے، خصوصاً جب اس کا اس میں عملی طور پر شامل ہونا اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے ہو، جس طرح نصیر الدین طوسی شامل ہوا۔''[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ اس قوم کا مذہب غلو اور انتہا پسندی میں ہی آگے بڑھا ہے۔

تیسرا مسئلہ؛ معاصرین کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق موقف:

اس سے پہلے ان کے اصول کی روشنی میں ہم نے صحابہ کرام کے متعلق اس گروہ کا جو مذہب پیش کیا ہے، کیا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے، خصوصاً اتحاد بین المسلمین کی کوششوں اور چہار طرف سے کافر دشمن کے امت پر جھپٹنے کے بعد...؟

اتنی طویل صدیاں گزر چکی ہیں اور ابھی تک امت اس قرآنِ کریم کے سائے میں تربیت پانے والی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسل سے کوئی بہتر، اشرف، افضل اور عظیم تر نسل پیش نہیں کر سکی، تو کیا شیعہ کے دل و دماغ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے کشادہ ہو چکے ہیں اور کیا انھیں صحابہ کی رِدّت کے افسانے کی سنگینی اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گھڑی گئی کشمکش اور مخاصمت کا اندازہ ہو گیا ہے، جس کو نسل در نسل ان کی قدیم کتابیں نقل کر رہی ہیں؟

کیا اب بھی ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ تنزیلِ الٰہی، سنتِ مطہرہ، اجماعِ امت اور دین و تاریخ سے بداہتاً معلوم شدہ امور پر ایمان لے آئیں اور انھیں اختیار کرنے یا ان جھوٹوں کے نقل کردہ بے قیمت مواد اور نیچے رہ جانے والے تلچھٹ کو نقل کر کے دھوکے میں پڑے رہنے کے درمیان، عقل سے کام لیتے ہوئے موازنہ

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ١٤٢)

کریں، جن کی مذمت اور جھوٹ کی طرف ان کی نسبت زمانہ بھر میں مشہور ہے۔

کیا عقلِ سلیم جھوٹوں کی ایک ٹولی کی تصدیق اور تمام صحابہ کرام کی، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے، تکذیب قبول کر سکتی ہے؟

وہ تمام صفحات، جو اس دین کو حاصل کرنے اور ہم تک پہنچانے والے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تکذیب یا تکفیر اور ان پر لعن طعن سے سیاہ کیے گئے ہیں، وہ درحقیقت دینِ اسلام اور رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن وتنقید ہیں، اس لیے شیعہ میں سچے اور مخلص مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب دیکھنے کی خواہش رکھنے والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے بھی بہترین افراد کو لعنت وتکفیر کا نشانہ بنانے والے ان شاذ، منحرف اور ملحدانہ اقوال سے براءت کا اعلان کریں اور پہلے اپنی قوم کے سامنے پھر تمام مسلمانوں کے سامنے عمومی طور پر بیان کریں کہ یہ روایات اور اقوال بعض قدیم منحرف اور گمراہ گروہوں کی آرا وافکار ہیں، ان کا اور ان پر عمل کرنے والوں کا گناہ تا قیامت انھی کے سر ہوگا، اس طرح وہ اس نفرت کو زائل کر سکتے ہیں، جو قدیم زمانوں سے لے کر اب تک اہلِ سنت کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے....

ان کے ازالے کا سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ وہ بیان جاری کریں کہ وہ ان آرا کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھتے، جس سے دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے مومن وحشت اور نفرت محسوس کرتے ہیں۔ کوئی بھی سچا مومن جب یہ جانتا ہے کہ ایک ایسا فرقہ بھی ہے، جو اس امت کے صدیق پر، جن کے ایمان کو اگر پوری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ان کے ایمان کا پلڑا بھاری ہوجائے، یا اس امت کے فاروق پر کہ جنھوں نے اسلام کی اتنی عمدگی اور مہارت کے ساتھ خدمت کی ہے اور ایسے کام کیے ہیں، جو آج تک کوئی نہیں کر سکا، لعنت کرنا دین ہے، تو کیا اس کے بعد وہ اس مذہب کا مطالعہ کرنا بھی پسند کرے گا؟

وہ کون سا مومن ہے، جس کو علم ہو کہ یہ فرقہ سب وشتم اور لعن طعن کو دین کا درجہ دیتا ہے، پھر بھی ان کی آرا اور افکار پر اعتبار کرے؟ ان گندگیوں اور آفتوں کا ازالہ اہلِ سنت اور شیعہ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کا بنیادی رکن اور اساس ہے، اگر یہ مسلمانوں کے ساتھ الفت اور یکجہتی پیدا کرنے کے دعوے میں سچے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس تبدیلی اور ان گندگیوں کے ازالے کا ایسا اعلان کریں[1]، جو اہلِ سنت کے بلاد وممالک میں اپنے اعتقادات پھیلانے کے لیے سازش کی بدنیتی سے پاک ہو۔

---

[1] دیکھیں: محمد أبو زهرة: الإمام الصادق (ص: ١٢)

تو کیا فرماتے ہیں شیعانِ عصرِ حاضر بیچ اس مسئلے کے؟ عصرِ حاضر کے شیعہ سے ایک آدمی نکلا ہے، جو ''احمد الکسروی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ استاذ محمود ملاح نے اس کے متعلق کہا ہے:

''جب سے صفحہ ہستی پر شیعہ کا نام ظاہر ہوا ہے، تب سے لے کر اب تک شیعہ[1] کی دنیا میں اس کے وزن کا کوئی آدمی ظاہر نہیں ہوا۔[2] یہ طہران یونیورسٹی میں پروفیسر رہا ہے اور کئی عدالتی مناصب پر بھی فائز رہا ہے۔''[3]

کسروی نے صحابہ کے متعلق شیعہ کے مذہب کا باطل ہونا بے نقاب کیا ہے اور ان اساطیر سے نکل آیا ہے، جو اس حاسدی ٹولے نے صحابہ کے متعلق بنائی ہیں کہ وہ حضرت علی کی منصوص علیہ امامت کی مخالفت کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ اس نے اس مذہب میں اپنے فرقے کی گمراہی واضح کرتے ہوئے کہا ہے:

''جو انھوں نے یہ کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کے بعد تین یا چار کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہوگئے، تو یہ ان کی جھوٹ اور بہتان کی بہت بڑی جرأت ہے، کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے: وہ اس وقت ایمان لائے، جب آپ ﷺ کی دوسرے لوگوں نے تکذیب کی، آپ کا دفاع کیا، آپ کے لیے مشقتیں اٹھائیں، جنگوں میں آپ ﷺ کی مدد کی، کبھی اپنی جانوں کو نبی ﷺ پر ترجیح نہ دی اور وہ نبی ﷺ کے ساتھی تھے، وہ کس طرح مرتد ہوگئے، پھر ابوبکر کی خلافت میں ان کا کیا مفاد تھا، جس کے لیے وہ اپنے دین سے بھی پھر جاتے؟ ان دونوں باتوں میں کون سا احتمال زیادہ آسان ہے، ایک یا دو مفاد پرست آدمیوں کا جھوٹا ہونا یا سیکڑوں مخلص مسلمانوں کا مرتد ہوجانا؟ اگر تمھارے پاس اس کا کوئی جواب ہے تو دو۔''[4]

کسروی کے اس نقطہ نظر اور رجحانِ فکر کا اثر اور نتیجہ تھا کہ بعض تعلیم یافتہ افراد اس کے گرد جمع ہوگئے، نوجوان اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہزاروں نے اس کو گھیر لیا، وہ اس کی نصرت کرنے، اس کی آرا کو پھیلانے اور اس کی کتابیں شائع کرنے کے لیے کمر بستہ ہوئے، لیکن اس کے حریف روافض نے، اس سے پہلے کہ اس کی

---

[1] شیعہ اور شیعی میں رافضہ اور رافضی دونوں شامل ہیں، صرف شیعہ نہیں، وگرنہ یہ اطلاق درست نہیں۔

[2] محمود الملاح: الوجيز على الوجيز، ضمن مجموع السنة (ص: ٢٧٨)

[3] کسروی کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: يحيىٰ ذكا: مقدمة "كاروند كسروي" أي مقالات الكسروي، و مقدمة كتاب التشيع والشيعة، و معجم المؤلفين (٢/ ٥٣)

[4] التشيع والشيعة (ص: ٦٦) اس کا ذکر گزر چکا ہے، یہاں ہم نے اسے صرف اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اور مناسبت کی بنا پر دوبارہ نقل کیا ہے۔

دعوت ظاہر ہوتی اور پھیلتی، اس کو قتل کر دیا۔[1]

بعض ایسے شیعہ معاصرین کی تحریریں بھی سامنے آئی ہیں، جو بہ ظاہر اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان یکجہتی اور قربت پیدا کرنے کے داعی ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی یہ تحریریں شیعہ کے اعتقادات کا دفاع اور شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اہلِ سنت کے ممالک کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔

یہ اس بات پر مشتمل ہیں کہ شیعہ خلفاے ثلاثہ کی تکفیر تو درکنار وہ ان کو گالی بھی نہیں دیتے اور وہ اصحابِ رسول ﷺ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ خنیزی اپنی کتاب ''الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية'' میں کہتا ہے:

''امامیہ، اس زمانے میں، خلفا کے احترام میں قطعاً کمی نہیں کرتے، یہ دیکھیے ان کی تحریریں ہیں اور یہ ان کی کتابیں جو علانیہ طور پر خلفا کو سب و شتم کرنے کی تردید کرتی ہیں اور ان کی تعریف کرتی ہیں۔''[2]

خنیزی کہتا ہے: جنھوں نے صریحاً اس کو گالی دینے کی نفی کی، ان میں محمد باقر کا شمار ہوتا ہے، جو کربلا کا ایک مشہور مجتہد ہے، وہ اپنی نظم میں کہتا ہے، جو بمبئی میں چھپی:

فلا نَسُبّ عمراً كلا ولا عثمان والذي تولى أولا

ومن تولى سبهم ففاسق حكم به قضى الإمام الصادق

''ہم عمر اور عثمان کو قطعاً گالی نہیں دیتے، جو پہلے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے، جس نے ان کو گالی دی، وہ امام صادق کے فیصلے کے مطابق فاسق ہے۔''

پھر کہتا ہے:

وعندنا فلا يحل السب ونحن أيم الله لا نسب[1]

''ہمارے نزدیک گالی دینا جائز نہیں اور ہم خدا کی قسم! گالی نہیں دیتے۔''

---

[1] اس بارے میں معلومات کے لیے اس کے گزرے ہوئے مصادر ترجمہ کو ملاحظہ کریں۔ بعض بھائیوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک الحادی نقطۂ نظر رکھتا تھا، لیکن مجھے یہ الزام ثابت کرنے کے دلائل نہیں مل سکے، ممکن ہے کہ یہ الزام اس کے خلاف روافض کے پروپیگنڈے کا حصہ ہو۔ اس شخص پر اس کی چھوڑی ہوئی عبارات اور کلمات کی بنا پر حکم لگایا جائے گا اور میں اس کی جس کتاب پر مطلع ہوا ہوں، اس میں مجھے ایسا کوئی مظہر اور نشان نظر نہیں آیا۔ مجھے اس کے مزید رسائل اور مقالات دستیاب نہیں ہو سکے، تاکہ میں اس سے مزید آگاہ ہو سکوں اور اس شخص پر بات ہی نقل کی ہے۔ اس کی دعوت کو شیعی معاشروں میں بڑا قبول حاصل ہوا ہے۔

[2] الدعوة الإسلامية (١/ ٢٥٦۔ ٢٥٧)

[3] الدعوة الإسلامية (١/ ٨)

اس لیے حنیزی حضرت عمر بن خطاب کو امیر المومنین کا لقب دیتا ہے اور ان کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' بھی لکھتا ہے۔[1] وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو امہات المومنین کہتا ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو بھی امیر المومنین کا لقب دیتا ہے۔[2] وہ کہتا ہے:

''جعفر صادق فخر سے کہتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دُہرے نانا ہیں، کیوں کہ ان کی والدہ ام فروہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر بیٹی (حضرت ابوبکر کے پوتے کی بیٹی) اور ان کی ماں: عبدالرحمٰن بن ابوبکر (حضرت ابوبکر کی پوتی) کی بیٹی ہے، اس طرح وہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حضرت ابوبکر کی طرف منسوب تھی۔''

وہ کہتا ہے:

''جعفر صادق کا فیصلہ ہے: جس نے خلفائے ثلاثہ کو گالی دی، وہ فاسق ہوگیا۔''[3]

احمد مغنیہ شیعہ کا خیال ہے کہ شیعہ حضرت عمر کی تعریف کرتے ہیں اور انھیں "رضي الله عنه" کہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ شیعہ حضرت عمر فاروق کی گستاخی کرتے ہیں، انتہائی گھٹیا قسم کی دسیسہ کاری ہے، پھر وہ اس جیسی افواہ کے پھیلنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''فرقے بازوں نے عظیم الشان خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور قاتلِ حسین عمر بن سعد کے ناموں میں مماثلت پائی تو حقیقت کو بگاڑنے اور شیعہ کے خلاف گھٹیا ترین دسیسہ کاری کرنے کے لیے اپنے سامنے کھلا میدان پایا۔ عمر بن سعد کو لعن طعن کرنے والوں کا لعن طعن کرنا ایک طبعی امر تھا، کیوں کہ وہ جرم کا ہیرو اور بزدل مجرموں کا قائد تھا، اس لیے کون ایسا مسلمان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے قاتل عمر بن سعد کو لعن طعن نہ کرے۔

''ان فرقہ پسند مجرموں نے لفظ ''عمر'' سے فائدہ اٹھایا اور کہہ دیا کہ شیعہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے ہیں۔ میں اس وقت میں جب ان لوگوں پر غصے سے کھول رہا ہوں، جو سازشی دین کو تجارت کا مال بنانے والے، مفاد پرست اور گھٹیا مقاصد کے حامل ہیں تو میں یہ انکار نہیں کر رہا کہ کل شیعہ عوام اور سادہ لوح افراد میں ایسے لوگ بھی شامل تھے، جو ان دونوں ناموں

[1] المصدر السابق (١/ ٩)

[2] المصدر السابق (١/ ١٣)

[3] المصدر السابق (١/ ٧٤)

کے درمیان فرق نہ کر سکتے ہوں، بلکہ انھیں علم ہی نہ ہو کہ تاریخ اسلامی کی دنیا میں دو عمر گزرے ہیں، ایک نیک اور دوسرا بد بخت۔''[1]

لہٰذا اس کی رائے کے مطابق دونوں ناموں میں مشابہت کا ہونا اور فرقہ پسند دشمنوں کا اس سے فائدہ اٹھانا اور ماضی میں بعض ایسے عوام کا موجود ہونا جو دونوں عمروں میں فرق نہیں کر سکتے تھے، ان تمام امور نے حضرت عمر کو گالی دینا شیعہ کی طرف منسوب کیا۔ جہاں تک شیعہ کی کتابیں اور ان کے علما ہیں تو وہ اس الزام سے بَری ہیں، کیوں کہ وہ ان کو پاک باز خلیفہ اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ سمجھتے ہیں ...!!

ایک عراقی رافضی مصر میں شیعیت پھیلانے کے لیے آیا اور اس نے وہاں اس غرض کے لیے ''جمعیت اہلِ بیت'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، وہ اپنے آپ کو عربی جمہوریہ مصر میں شیعہ کا امام کہتا تھا۔[2] باوجودیکہ صلاح الدین ایوبی کی زبردست کوششوں کے بعد مصر میں شیعہ کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اس شخص نے مصر سے ''تقدير الإمامية للصحابة'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، اس رسالے میں اس نے شیعہ سے شیخین اور ان کی بیعت کرنے والوں پر لعنت بھیجنے یا ان کو کافر کہنے کی نفی کی ہے۔[3]

وہ کہتا ہے:

''اگر شیعہ ان کو کافر کہیں تو انھیں حضرت علی کو بھی کافر کہنا پڑے گا، کیوں کہ انھوں نے ان دونوں کی بیعت کی اور سلمان وعمار کو بھی کافر کہنا پڑے گا، کیوں کہ ان دونوں نے بھی ان دونوں کی بیعت کی، بلکہ سلمان تو حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں مدائن کے گورنر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عمر کو کافر بھی کہیں اور ان کی حکومت میں کام بھی کریں؟''[4]

پھر کہتا ہے:

''شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں اصحابِ رسول کی تعریف اور ثنا خوانی ذکر ہوئی ہے، پھر اس نے اس کے لیے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر (۱۰۰) اور سورۃ الفتح کی آیت نمبر (۲۹) سے استدلال کیا ہے، اس کے بعد نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ سے ان کی تعریف پر مشتمل اقتباسات نقل کیے ہیں۔''[5]

---

[1] أحمد مغنية: الإمام جعفر الصادق (ص: ١١٣۔ ١١٤)

[2] اس کا ایک پمفلٹ دیکھیں: مع الإمام علي في نهجه (ص: ٦٤)

[3] تقدير الإمامية للصحابة (ص: ٣٦)

[4] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٣٧۔ ٣٩)

[5] المصدر السابق (ص: ٣٩۔ ٤٢) ط: القاهرة.

اس کے بعد اس نے صحابہ کی تعریف میں اپنے بعض معاصر علما کے اقوال پیش کیے ہیں اور باقر الصدر کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

''صحابہ کرام، پہلے مومن اور روشن کرن ہونے کی وجہ سے امتِ رسالت کے آغاز کے لیے افضل اور صالح ترین بیج تھے۔ انسان کی تاریخ نے آج تک کوئی ایسی نظریاتی نسل نہیں دیکھی، جو اس سے زیادہ عمدہ، شریف اور پاکیزہ ہو، جس کو رسولِ قائد ﷺ نے بنایا تھا۔''[1]

اس کے بعد اس موضوع پر اپنی گفتگو کو وہ ان الفاظ پر ختم کرتا ہے:

''جو ان کی طرف اس چیز کی نسبت کرتا ہے (یعنی صحابہ کو گالی دینے کی نسبت) یا تو وہ بدنیت دشمن ہے، یا اس نے شیعہ مذہب کے متعلق حریفوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اس کو خود اس مذہب کو ماننے والوں کی کتابیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔''[2]

بیروت میں جعفری عدالت کے سربراہ کی تفسیر الکاشف میں محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''شیعہ صحابہ کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ وہ زین العابدین علی بن حسین کے قول سے استدلال کرتا ہے، جو صحیفہ سجادیہ میں ان کی رسولوں کے پیروکاروں کے لیے دعا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"اللهم وأصحاب محمد خاصة الذين أحسنوا الصحبة والذين أبلوا البلاء الحسن في نصره... وفارقوا الأزواج والأولاد في إظهار كلمته، وقاتلوا الآباء والأبناء في تثبيت نبوته..."[3]

''اے اللہ! بالخصوص اصحابِ محمد ﷺ پر، جن کی صحبت صحیح رہی اور ان کو اسلام کی نصرت کے لیے بڑی آزمایشوں سے دوچار ہونا پڑا، انھوں نے اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے بیویاں اور اولاد چھوڑ دی اور آپ ﷺ کی نبوت ثابت کرنے کے لیے اپنے بیٹوں اور باپوں سے بھی لڑائی کی۔''

پھر وہ کہتا ہے:

''یہ مناجات اور دعائیں صحیفہ سجادیہ میں وارد ہوئی ہیں، جس کا شیعہ بہت زیادہ احترام کرتے ہیں

---

[1] المصدر السابق (ص: ٤٣۔ ٤٦) باقر صدر کے کلام کے لیے اس نے "التشيع ظاهرة طبيعية" (ص: ٨٠) کا حوالہ دیا ہے۔

[2] تقدير الإمامية للصحابة (ص: ٤٦۔ ٤٧)

[3] الصحيفة السجادية (ص: ٤٣۔ ٤٤)

اور اس کا ایک ایک حرف ان کے لیے مقدس ہے۔[1] یہ اس شخص کے لیے منہ بند کر دینے والا جواب ہے، جو کہتا ہے کہ ''شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔''[2]

عصرِ حاضر کے کئی دیگر شیعہ سے بھی اس طرح کے اقوال منقول ہیں۔[3]

نقد و تبصرہ:

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق شیعہ کا موقف واقعی بدل چکا ہے؟ کیا یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ حقیقت ہے یا تقیہ اور محض دکھاوے کا حسنِ سلوک؟

ہم حنیزی، احمد مغنیہ، رفاعی، محمد جواد اور ان تمام سے، جو کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور ہم ان کی گستاخی نہیں کرتے اور ہم انھیں ''رضي اللّٰه عنهم'' بھی کہتے ہیں، کہتے ہیں:

> ''یہ پاکیزہ کلمات ہمارے دلوں کو ٹھنڈک اور سکون پہنچاتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے والی اس پاکیزہ روح کو خوش آمدید! ہم ہر اس بات کے لیے اپنے سینوں کو کھولتے ہیں، جو اتفاق کی دعوت دے اور فرقے بازی کی مخالفت کرے اور صحابہ کرام کی عزت پر حملہ کرنے والے ان تمام کالے صفحات اور گندگیوں کو مٹانے والی ہر سچی کوشش کو مرحبا کہتے ہیں۔''

لیکن کیا حنیزی وغیرہ کو یہ علم نہیں کہ شیعہ لٹریچر پر مشتمل معاصر کتب خانے ایسی ایسی کتابیں شائع کر رہے ہیں، جو بہترین صحابہ کرام کی تکفیر اور ان پر سب و شتم پر مشتمل ہیں، پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ صحابہ کو گالیاں نہیں دیتے اور شیخین پر تبرّا کرنا ان کے نزدیک فسق ہے؟

---

[1] امام ابن تیمیہ ان کے اس صحیفے کے متعلق کہتے ہیں، جس کو یہ علی بن حسین کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کے الفاظ میں اس کے ایک ایک حرف کو مقدس سمجھتے ہیں، گویا یہ آسمانی وحی ہے: ''اس کی اکثریت علی بن حسین کے نام پر گھڑے گئے جھوٹ پر مبنی ہے۔'' (منهاج السنة: ۳/ ۲۰۹)

[2] تفسير الكاشف (۱۰/ ۵۱۵)

[3] مثلاً حسین یوسف مکی عاملی کہتا ہے: ''ہم کسی کے لیے جائز قرار نہیں دیتے کہ وہ ان دونوں کو گالی دے یا ان کی شان میں گستاخی کرے، نہ ہم نے کسی کو ان دونوں کو گالی دینے کے جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ مقامِ احترام پر فائز ہیں، ہم مسلمانوں کے درمیان محبت اور الفت کی دیواروں کو مضبوط کرنے کی بہت زیادہ آرزو رکھتے ہیں۔ (عقيدة الشيعة في الإمام الصادق، ص: ۱۹، بيروت دار الأندلس، ط: الأولى ۱۳۸۲ھ، نیز دیکھیں: المصدر السابق، ص: ۳۰)

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے: ''صحابہ کرام جس عزت کی اوج ثریا پر فائز ہیں، وہاں تک خیال کے کیڑوں مکوڑوں کا اُڑنا محال ہے۔'' (أصل الشيعة، ص: ۱۱۳)

شیعہ کی ایک آیت حسین الخراسانی اپنی کتاب "الإسلام علی ضوء التشیع" میں (جو اس نے قاہرہ کے مکتبہ دار التقریب کو ہدیہ کی اور اس کے سرورق پر لکھا ہے: یہ عربی فارسی اور انگریزی، تین زبانوں میں شائع ہوئی ہے اور ایرانی وزارتِ تعلیم نے اس کو بہ نظرِ استحسان دیکھا) لکھتا ہے:

''شیعہ کا شیخین ابوبکر و عمر اور ان کے پیروکاروں پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دینا، رسول اللہ ﷺ کے نمونے اور نقش قدم پر چلنے کی پیروی میں ہے۔''[1]

''وہ بلاشبہہ، اس کی الزام تراشی کے مطابق، نبی ﷺ کی جناب سے نکال دیے گئے اور اللہ تعالیٰ کے سفیر (ﷺ) کے ذریعے لعنتی قرار دیے گئے۔''[2]

دیکھیے! ان کا کوئی عام آدمی نہیں، بلکہ ایک آیت اعلان کرتا ہے کہ شیعہ کا نقطہ فکر اس امت کی دو عظیم ترین شخصیات، نبیوں کے بعد بہترین انسانوں اور جن دونوں کی رسولِ کریم ﷺ نے اپنی امت کو اقتدا کرنے کا حکم دیا، ان پر لعنت بھیجنا اور انھیں کافر قرار دینا دین اور شریعت ہے، پھر یہ کیوں اس گالی گلوچ، لعن طعن اور صریح تکفیر کے وجود کا انکار کرتے ہیں، جس کا سرعام ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور مختلف زبانوں میں اسے چھاپا جاتا ہے؟

ان کی اردو زبان میں دعاؤں پر مشتمل ایک کتاب میرے ہاتھ لگی، جس کی شیعہ کے چھے علما نے تصدیق کی ہے، جن میں ہر ایک کو ''آیت عظمیٰ'' کہا جاتا ہے، ان میں خمینی، خوئی اور شریعت مداری کے نام بھی شامل ہیں۔ اس کتاب میں، جس کی ان چھے نے تصدیق کی ہے، عربی زبان میں تقریباً دو صفحات پر مشتمل ایک دعا مذکور ہے، جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دونوں کی بیٹیوں امہات المومنین عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما پر لعنت کو متضمن ہے۔

یہ دعا اس طرح ہے:

"اللهم العن صنمي قريش وجبتيها، وطاغوتيها، وإفكيها، وابنتيهما الذين خالفا أمرك وأنكرا وحيك وجحدا إنعامك وعصيا رسولك، وقلبا دينك، وحرفا كتابك، وأحبا أعدائك وجحدا آلائك -كذا- وعطلا أحكامك، وألحدا في آياتك ..."[3]

---

[1] الإسلام على ضوء التشيع (ص: ۸۸، حاشیہ)

[2] المصدر السابق (ص: ۸۸)

[3] منصور حسين: تحفة العوام مقبول (ص: ۴۲۳۔ ۴۲۴) یہ مکمل دعا ملاحظہ کرنے کے لیے میری کتاب "فكرة التقريب" کے آخر میں ملحق الوثائق کو دیکھیں۔

اس طرح یہ آیات روئے زمین پر موجود ہر شیعہ سے مخاطب ہو کر اس کو کہہ رہے ہیں کہ وہ یہ دعا مانگیں اور یہ لعنت اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر بھیجیں، تاکہ یہ لوگ اپنے پیروکاروں کے دلوں میں خیر القرون اور قیامت تک ان کی نیکی میں پیروی کرنے والوں کے خلاف حسد اور نفرت کا بیج بو دیں اور ایک دوسرے کو قریب کرنے کی تمام کوششوں کی راہ میں روڑے اٹکائیں... پھر تاکہ ان کو اس طرح یہ ضمانت مل جائے گی، ان کا باطل عیاں نہیں ہوگا، یہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ بات کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ ہم تو گالی نہیں دیتے، تعاون اور قربت پیدا کرنے کے لیے آگے بڑھو!

قصہ کوتاہ! شیعہ نے دریدہ دہنی اور لعنت گوئی بالکل ترک نہیں کی، ان کے علما کا ایک گروہ ابھی تک یہ گمراہی بکتا ہے اور ان کے عوام ان کے نقشِ پا پر چلتے ہوئے گالیاں بھی نکالتے ہیں اور تکفیر بھی کرتے ہیں۔ شیخ موسیٰ جار اللہ نے جب ایران اور عراق کے شہروں کا دورہ کیا، گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں ان کی مجالس، محافل اور دروس میں شرکت کی تو انھوں نے انتہائی نزدیک سے یہ مشاہدہ کیا کہ شیعہ کے معاشرے میں ان کی تکفیر کس قدر عام ہے، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے، چنانچہ وہ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

> میں نے سب سے پہلی جو چیز دیکھی اور جو مجھے بری لگی، وہ صدیق و فاروق، امہات المومنین عائشہ و حفصہ اور تمام عصرِ اول پر لعنت بھیجنا تھا۔ میں یہ ہر خطبے میں، ہر مجلس میں، اس کے شروع اور آخر میں سنتا، کتابوں اور رسالوں کے دیباچوں میں پڑھتا، زیارت کی تمام دعاؤں میں پاتا، حتی کہ پانی پلانے والے بھی، وہ اس وقت تک پانی نہ پلاتے، جب تک لعنت نہ بھیج لیتے اور کوئی پینے والا اس وقت تک نہ پیتا، جب تک ان پر لعنت کے تیر نہ برسا لیتا۔
>
> ہر حرکت اور ہر عمل کا آغاز محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر درود اور صدیق و فاروق اور عثمان پر لعنت بھیجنے سے شروع ہوتا۔ جنھوں نے، ان کے دعوے کے مطابق، حضرت علی کا حق چھینا اور ان پر ظلم کیا۔ بلکہ گالیاں بکنا اور لعنت بھیجنا شیعہ کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور رواج بن چکا ہے۔ خطیب اس سے لذت اٹھاتا ہے، سامع اس کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور جماعت ان کو سن کر راحت محسوس کرتی ہے۔"[1]

یہ خوف ناک حقیقت جس میں لعنت، تبرا اور تکفیر ان کی زبانوں پر جاری رہتی ہے، ایسے شخص کے لیے قطعاً نامانوس نہیں، جس نے بچپن ہی سے صحابہ کی نفرت کا دودھ پیا ہوا اور بچپن ہی سے اس کو تلقین کی جاتی رہی

[1] موسى جار الله: الوشيعة (ص: ٢٧)

کہ اس پر ٹوٹنے والے مصائب ان کی وجہ سے تھے اور جس کے سامنے ہر سال ایسے ڈرامے پیش کیے جاتے ہوں، جو ان کے زعم میں صحابہ کی طرف سے اہلِ بیت پر ڈھائے گئے ظلموں کی تصویر کشی کریں۔

''الوشیعة'' کے مصنف (شیخ موسیٰ جار اللہ) نے جو ان کے اعمال دیکھے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: ان تمام ڈراموں اور کھیلوں میں دشمنی، نفرت اور اشتعال کا سبق پڑھایا جاتا ہے،[1] بلکہ یہ خیر القرون اور ان کے پیروکاروں کے خلاف نفرت اور حسد کے بیج بونے کے مدارس ہیں۔

یہ ان کے عوام کے افعال نہیں، بلکہ ان کے شیوخ اور آیات کی کارستانیاں ہیں۔ وہ مختلف وسائل اور ذرائع کے ساتھ ان کو اس پر بھڑکاتے اور اکساتے ہیں۔ شیعہ کے آیت اور مرجع محمد آلِ کاشف الغطا کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ مولانا حجۃ الاسلام ان غمزدہ جلوسوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جن کو جعفریہ عشرہ محرم میں، اس کربناک واقعے کی تمثیل پیش کرنے کے لیے جس رسولِ کریم ﷺ کی مجاہد اولاد کو قتل کر کے آپ ﷺ کی بے حرمتی کی گئی، ان کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا، جو ان کے بچوں پر گزری، انھیں بے دردی سے قتل کیا گیا، ان شہدا کی تمثیل میں، اس سب کے اظہار کے لیے اور چیخ کر، پیٹ کر، نوحہ کر کے، رو کر، گریہ زاری کر کے، سینوں پر ہاتھ مار کے اور اپنی پشتوں پر زنجیریں مار کر اظہارِ غم کی ان تمام اقسام کے ساتھ اپنے حزن وغم کے اعلان کے لیے نکالتے ہیں، تو کیا یہ تمام اعمال شریعت میں جائز ہیں یا نہیں؟ ہمیں اس کے بارے میں فتویٰ دیں۔ جزاک اللہ!

تو شیعہ کے آیت نے ان الفاظ میں اس سوال کا جواب دیا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج: ٣٢۔ ٣٣]

''یہ اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقوے سے ہے۔ تمھارے لیے ان میں ایک مقرر وقت تک کئی فائدے ہیں، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کی طرف ہے۔''

بلاشبہہ یہ غم ناک جلوس اور اس دکھ بھرے واقعے کی تمثیل فرقہ جعفریہ کا سب سے عظیم شعار اور نشانی ہے۔''[2]

وہ اپنے دین کی اس خطرناک بدعت کو، جو سب سے بڑا باطل ہے، اللہ تعالیٰ کے شعائر اور علامات میں

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٦)

[2] الآيات البينات (ص: ٥)

شمار کر رہا ہے۔ اگر یہ ان کے مرجع کی رائے ہے تو پھر عام آدمی کا کیا حال ہوگا، حالانکہ ان جلوسوں میں اپنی جان کو تکلیف دی جاتی ہے اور بسا اوقات اس کو قتل بھی کیا جاتا ہے۔ صحابہ و تابعین کو کافر کہا جاتا ہے، نوحہ گری ہوتی ہے، سینہ کوبی ہوتی ہے اور مخلوق کو پکار کر شرک کیا جاتا ہے اور اس میں وہ سارے کام ہوتے ہیں، جن کا اسلام میں باطل ہونا بداہتاً ہر ایک کو معلوم ہے، اس کے باوجود شیعہ کا شیخ محسن امین بڑے فخر سے کہتا ہے:

''اس نے دمشق میں مجلسِ عزا کروائی، جس میں، اس کے گمان کے مطابق، لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، جس کا اختتام ہیجان خیز اور شدید سینہ کوبی پر ہوا۔''[1]

یہ اعمال جن کو یہ ہر سال محرم کے مہینے میں کرتے ہیں، ان کا صحابہ کو گالی دینے اور اللہ کے ساتھ شرک کا اعلان کرنے کے سوا کوئی دوسری موضوع نہیں ہوتا۔ ہر طرف یہ آوازیں گونجتی ہیں: ''یا حسین، یا حسین'' پھر عصرِ اول پر لعنت کے مسموم تیر برسائے جاتے ہیں اور خصوصی طور پر خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو اس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہ عمل لوگوں کے دلوں میں نفرتوں کو بو رہا ہے، جن کی کوئی حد نہیں، اس لیے آپ شیعہ کے معاصرین کو دیکھتے ہیں کہ وہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خود ساختہ کشمکش کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں، گویا وہ وقت کی حقیقت اور ایسا خطرہ ہے، جس سے امت کا وجود خطرے میں ہے!

علی ہذا القیاس صحابہ کی تکفیر اور ان پر تبرّا بازی کے مظاہر ابھی بھی موجود اور کئی دیگر چینلز اور ذرائع پر جاری ہیں۔ شیعہ کے علما اس گمراہی پر تعاون کر رہے ہیں، ان کو اس پر اکسا رہے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے، ان موجود مظاہر اور جاری نہروں کی، جو صرف تسے کے درختوں کی آبیاری کر رہی ہیں اور فرقے بندی، حسد اور ناختم ہونے والی نفرت کا بیج بو رہی ہیں، درج ذیل صورتیں موجود ہیں:

1. قدیمی رافضی ثقافتی (علمی) ورثے کے احیا، ترویج اور اشاعت کے لیے ایک بڑی سرگرم تحریک سرگرم عمل ہے۔ یہ ورثہ مہاجرین و انصار اور ان میں سرفہرست خلفاے ثلاثہ، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ[2] کے سوا باقی عشرہ مبشرہ صحابہ کرام پر تبرا بازی، تکفیر اور ان کو مخلّد فی النار قرار دینے سے بھرا ہوا ہے۔

لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے کے شیعہ گالیاں نہیں دیتے، حالاں کہ انھوں ہی نے ان

---

[1] رسالة التنزيه لأعمال الشبيه (ص: ٣٠)

[2] جب کہ اس طرح امیر المومنین حضرت علی بھی (شیعہ کے اعمال کی بنا پر) بلا واسطہ ان تمام کفریات سے حصہ پاتے ہیں، جس طرح ان کی روایات پر تامل کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

کالے صفحات کو نئے لباس پہنا کر اپنے اَتباع کے درمیان بلا تنقید و تبصرہ شائع کیا ہے۔

② شیعہ کے معاصر علما کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے، جو اس باطل کو پھیلانے کے لیے کل وقتی کام کرتے ہیں۔ یہ جو لکھتے اور شائع کرتے ہیں، اس کا صدر اول کی شخصیات کو گالیاں دینے اور ان پر تنقید کرنے کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں، گویا عصرِ حاضر کے شیعہ کو اس کے علاوہ اور کوئی غم ہی نہیں، ان کی اس تبرا بازی کے لیے مخصوص کتابیں ہیں، جو بیہودہ گوئی اور دریدہ ذہنی میں ان کی قدیم کتابوں سے بھی سبقت لے گئی ہیں، جیسے شیعہ کے معاصر عالم عبد الحسین امین نجفی کی کتاب ''الغدیر'' جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جھوٹ، دسیسہ کاری اور تبرا بازی سے بھری ہوئی ہے، پھر اس پر ان کے متعدد علما و آیات کی تقریظات بھی ہیں۔

اس کی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش امت کے دشمنوں کی نگاہ میں پسندیدگی کا درجہ رکھتی ہے، جس طرح آپ کو یہ پسندیدگی عیسائی شاعر پولس سلامہ کے کلام میں نظر آئے گی، جو اس رافضی نے اس سے اپنے کتاب کی ساتویں جلد کے مقدمے میں لکھوایا، اس نے جو الفاظ لکھے، وہ اس الزام تراش کے امت اور دین کے خلاف کیے گئے کام کی تحسین اور اسلام کی عظیم الشان شخصیت حضرت عمر فاروق، جن کی فتوحات، جہاد اور اشاعتِ اسلام آج تک دشمنوں کے حلق میں کانٹا بن کر چبھ رہے ہیں، ان کے خلاف اس کے زہریلے پروپیگنڈے پر اس کی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کے عالم عبد الحسین شرف الدین موسوی کی کتاب ''ابو ہریرۃ'' ہے، جس میں اس نے اسلام کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور منافقت کی تہمت لگائی ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ وہ جابر جعفی وغیرہ جیسے جھوٹوں اور احادیث گھڑنے والوں کا دفاع کرتا ہے۔[2]

---

① اس رافضی نے اپنی کتاب کی ساتویں جلد کے مقدمے میں اس عیسائی کی تقریظ کو شامل کیا ہے، یہ عیسائی اس میں لکھتا ہے: ''آپ نے میرا خط اپنے مقدمے میں درج کر کے میری عزت افزائی کی ہے، میں نے اس نفیس کتاب کا مطالعہ کیا تو پایا کہ سمندر کے موتی آپ کے غدیر (تالاب) میں جمع ہوگئے ہیں ...'' آپ نے بالخصوص خلیفہ ثانی کے متعلق جو کچھ کہا، اس نے میری توجہ کو اپنی طرف کھینچے رکھا، آپ کی دلیل کے کیا کہنے، وہ کتنی قوی ہے! (الغدیر: ۷/ ح)
یہ کم عقل رافضی یا اسلام کے لبادے میں چھپا ہوا زندیق اس کافر کی تعریف سے پھول گیا، لہٰذا اس نے اس تعریف کا جواب شکریے میں دینا ضروری سمجھا اور کہا: ''ہمارے پاس عیسائیوں کے محقق، آزاد قاضی اور محترم شاعر استاذ پولس سلامہ کی طرف سے خط آیا، ہم اس پر اس کا مکرّر شکریہ ادا کرتے ہیں۔'' (الغدیر: ۷/ ح)
دیکھیے! یہ رافضی جو صحابہ کرام کو ہر مذمت اور عیب کا الزام دیتا ہے، کافروں کی مدح کرتا اور ان کے قرب کا خواست گار ہے!! یہ رافضہ کی پرانی عادت ہے۔

② دیکھیں: المراجعات (ص: ۷۵) جیسے وہ ہشام بن حکم کا دفاع کرتا ہے۔ دیکھیں: المراجعات (ص: ۳۱۲، ۳۱۳)

شیعہ کے عالم محمد رضا مظفر کی کتاب "السقيفة" بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، جس میں اس نے صحابہ کرام کو ایک ایسے جتھے کی صورت میں پیش کیا ہے، جس کا اسلام کے خلاف سازش کرنے کے سوا کوئی دوسرا ہدف نہیں، بلکہ اس نے یہاں تک کہا ہے:

"نبی ﷺ فوت ہوئے تو ضروری ہے کہ تمام مسلمان، میں اب نہیں جانتا، اپنی ایڑھیوں کے بل پھر گئے ہوں۔"[1]

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں۔[2]

③ وہ دعائیں جن کو شیعہ ہر روز دہراتے ہیں، جو اس امت کے بہترین افراد، قائدینِ امت، رسول اللہ ﷺ کے پیاروں، آپ ﷺ کے سسروں اور آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر لعنت بھیجنے سے خالی نہیں ہوتیں۔ شیعہ کی دورِ جدید میں لکھی گئی دعاؤں کی کتابیں ان کی قدیم کتابوں کے مواد سے قطعاً مختلف نہیں، جس

[1] السقيفة (ص: ١٩) اس نے خیار صحابہ کرام کی طرف حضرت علی کے خلاف سازش کرنے کی تہمت منسوب کی ہے۔ دیکھیں: السقيفة (ص: ٨٥)

[2] مثال کے طور پر کتاب "النص والاجتهاد" تالیف عبدالحسین شرف الدین الموسوی، اس نے اس کتاب میں صحابہ کرام کی خود ساختہ وصیتِ علی کی مخالفت کا عذر پیش کیا ہے، اس نے ان کی طرف سے یہ بڑا خبیث اور مکارانہ عذر پیش کیا ہے کہ وہ دین کو دنیا سے الگ رکھنے کے نظریے پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ یہ بالکل ننگا جھوٹ اور الزام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کا ان کی مدح سرائی کرنا، ان کی پرہیزگاری، زہد اور جہاد؛ یہ تمام خصوصیات بے نقاب کرتی ہیں۔
ایسے ہی: "الإمام الصادق والمذاهب الأربعة" کتاب ہے، جس کو اسد حیدری نے تالیف کیا۔ اس کتاب میں وہ خلفاے اسلام پر حملے کرتا ہے، رافضیت کی تائید کے لیے ائمہ اسلام جیسے امام احمد پر الزام تراشی کرتا ہے اور آلِ بیت کے مزعومہ مصائب کا تذکرہ کرتا ہے۔
ڈاکٹر نوری جعفر کی کتاب "علي و مناوئوه" بھی اس قسم میں شامل ہے۔ یہ صحابہ اور حضرت علی کے درمیان کشمکش کو گھڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جھگڑا اور کشمکش ایسی ہی تھی، جیسی نبی ﷺ اور کفار کے درمیان تھی۔ پھر کہتا ہے: "جب نبی ﷺ کے لیے اپنے دشمنوں کے ساتھ جھگڑے میں مدد لکھ دی گئی تھی، کیوں کہ وہ بتوں کو تھامے ہوئے تھے تو امام کے لیے نصرت میسر نہیں تھی، کیوں کہ ان کے مخالفین اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔" (علی ومنائوہ، ص: ١٢)
ان کا سوچنے کا انداز ماضی کے زندیقوں سے بالکل نہیں بدلا، اگرچہ یہ لکھاری پی ایچ ڈی جیسی علمی ڈگری رکھتا ہے ...ان کی ان عجیب وغریب منشورات میں سے ایک کتاب "الرسول الأعظم مع خلفائه" تالیف مہدی قریشی، بھی ہے، اس میں اس نے اپنی سوچ اور اعتقاد کی روشنی میں اسی خیال کو دوڑاتے ہوئے قیامت والے دن ابوبکر وعمر اور صحابہ کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کی تصویر کشی کی ہے اور اس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مکالمے صحابہ اور نبی ﷺ کے درمیان ہوں گے، جن میں آپ ان کا حضرت علی کی بیعت ترک کرنے کی وجہ سے محاسبہ کریں گے۔

طرح ان کی کتاب ''مفتاح الجنان'' تالیف عباس قمی (معاصر) اور ''ضیاء الصالحین'' تالیف محمد جوہری اور دیگر کتابوں میں یہ مواد ملتا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی کیا منکرین کے انکار کی تفسیر تقیے اور جھوٹ کے علاوہ کسی اور چیز سے کی جا سکتی ہے؟ لہٰذا یہ خنیزی، جو کہتا ہے کہ شیعہ گالی نہیں دیتے، کیا اس سے تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، جو اس باب میں ان کے قدیم اور معاصر علما نے لکھا ہے؟ بلکہ اس خنیزی نے بہ ذاتِ خود اس جرمِ دشنام طرازی کا ارتکاب کیا ہے، وہ صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔[1] وہ یہ گمان کرتا ہے کہ جو ان کی کتاب ''الکافي'' میں صحابہ پر لعن طعن اور دشنام طرازی مذکور ہوئی ہے، اس جیسی گالی گلوچ اور لعن طعن صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2] یہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے، جو ان کی صحابہ کرام کے بارے میں اپنے مذہب کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر صحیح بخاری میں بھی ایسی خرافات ہوتیں جو ''الکافي'' میں موجود ہیں تو اہلِ سنت میں بھی ایسے لوگ ہوتے جو شیعہ کی طرح لعن طعن کرتے اور انھیں کافر کہتے!

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ آدمی اپنا جھوٹا عقیدہ ثابت کرنا چاہتا ہے، چاہے جس ذریعے سے بھی ممکن ہو! جہاں تک استاد احمد مغنیہ کی بات ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ عمر بن سعد کو گالیاں نکالتے ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نہیں، صرف ناموں میں مشابہت کی وجہ سے وہم پیدا ہوا ہے تو کیا اس پر یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شیعہ کی معتبر کتابوں میں، جن میں سرفہرست ''الکافي''، ''بحار الأنوار''، ''تفسیر القمي'' اور ''تفسیر العیاشي'' کا نام آتا ہے، لعنت و تکفیر کا نشانہ بنے ہیں؟ جس طرح ان کتابوں کے حوالہ جات پہلے نقل کیے جا چکے ہیں، اس لیے یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔[3]

کیا اس کے دماغ سے یہ بات بھی غائب ہوگئی ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ بھی ابھی تک مسلسل اسی منہج اور راہ میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، جس طرح ہم نے ''الغدیر''، ''السقیفة'' اور ''الإسلام علی ضوء التشیع'' کے مصنفین کے ہاں دیکھا۔

بلکہ جو اتحاد بین المسلمین کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، ان میں بھی بہت سارے ابھی تک یہی گمراہی بکتے ہیں اور یہ الزام گھڑتے ہیں۔ شیعہ کا محمد خالصی نامی آیت، جو عراق میں ان کے بڑے مراجع میں شمار ہوتا اور شیعہ و

---

[1] الدعوة الإسلامیة (۱/ ۲۱)

[2] المصدر السابق (۱/ ۵۔ ۱٤)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۷۷۳ وما بعدھا) دیکھیں۔

اہلِ سنت کے درمیان قربت اور یگانگت کا دعویدار ہے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان میں شک کرتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اگر وہ کہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر بیعتِ رضوان کرنے والوں میں شامل ہیں، جن پر راضی ہونا قرآنِ کریم کی اس نص اور آیت میں ذکر ہوا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [الفتح: ١٨]

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔''

تو ہم کہیں گے: اگر اس نے کہا ہوتا: وہ ان لوگوں سے راضی ہو چکا ہے، جنھوں نے آپ کی درخت کے نیچے بیعت کی، تو آیت میں ہر بیعت کرنے والے کے لیے رضائے الٰہی کی دلالت موجود ہوتی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ وہ ان مومنوں سے راضی ہو چکا ہے، جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی، تو اس میں صرف ان پر رضائے الٰہی کی دلالت ہے، جن کا ایمان محض اور خالص تھا۔''[1]

اس کا یہ معنی ہوا کہ ابوبکر و عمر کا ایمان خالص نہیں تھا، اس لیے وہ اس رافضی کے گمان اور خیال میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں داخل نہیں۔ کیا اس سوچ سے زیادہ کوئی بیمار سوچ ہوسکتی ہے، جو ان کے ایمان کے ساتھ بیان ہی کو، ان کے بہترین افراد کے ایمان سے خارج ہونے پر دلیل قرار دے رہی ہے؟

اس لیے یہ خالصی اور اس جیسے دیگر عصرِ حاضر کے رافضی ہیں۔[2]

کیا یہ بات بھی احمد مغنیہ پر پوشیدہ رہی ہے، یا اس نے اہلِ سنت کو دھوکا دینا چاہا ہے؟! اللہ ہی حقیقت جانے، تقیہ شیعہ کی بہت بڑی مصیبت ہے۔

اب آیئے اس رفاعی کی طرف جو کہتا ہے کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور جس نے شیعہ کی طرف اس کے خلاف کوئی بات منسوب کی، وہ دشمن اور بدنیت ہے... کیا اس کی نظر سے بھی یہ اوجھل رہا ہے کہ شیعہ کی طرف جو یہ مذہب منسوب کر رہا ہے، وہ خود ان کی اپنی کتابیں، یہ ذلت جو ان کی پیشانی پر چمک رہی ہے، خود ان کے اپنے کلینی، قمی، عیاشی اور مجلسی جیسے علما کی لکھی ہوئی ہے، یہ کسی بدنیت حریف یا ان کی کتابوں میں موجود

[1] الخالصي: إحياء الشريعة في مذهب الشيعة (١/ ٦٣ـ ٦٤)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: شهاب الدين النجفي: تعليقاته على إحقاق الحق للتستري (٢/ ٢٩١)

مواد سے واقف کا کام نہیں۔

بلکہ اس رفاعی نے خود اپنے کتابچے "تقدير الإمامية للصحابة" کو لکھنے کے لیے ملا باقر مجلسی کی "بحار الأنوار" سے رجوع کیا ہے۔[1] جو سب وشتم اور لعنت وتکفیر کے اتنے زیادہ مواد پر مشتمل ہے، جس کو سن کر مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس نے اس میں "کفر الثلاثة" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا[2] ہے، جس سے اس کی مراد حضرت علی سے پہلے تین خلفا ہیں۔

لہٰذا یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں؟ اگر وہ صحابہ کرام کے احترام کے نظریے پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ اس کا شیعہ معاشرے اور ان کے حلقے میں اعلان کرے، قاہرہ میں نہیں اور اپنے امامی بھائیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ اس مصیبت کو بدلیں، جو ان کی کتابوں میں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے، یا ان سے اعراض کریں اور ان کے غلط اور فاسد ہونے کا اعلان کریں۔ صرف ایک موجود حقیقت کی نفی کرنا دفاع میں چنداں مفید نہیں، کیوں کہ اس کو شیعہ اور شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے غیر شیعہ سب تقیے ہی پر محمول کریں گے۔

یہ رفاعی جو قاہرہ میں اہلِ سنت کے درمیان رہ کر "تقدير الإمامية للصحابة" لکھتا ہے اور اپنی جدید و قدیم کتابوں میں مذکور مواد اور اپنے عوام وخواص شیعہ کی زندگی میں ہونے والے واقعات شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر کے بہ ذاتِ خود خیارِ صحابہ (صحابہ میں بہترین افراد) کو گالیاں دیتا ہے اور یہ ان لوگوں میں داخل ہے، جن کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے اور جو جس شئے کو جانتے اور پہچانتے ہیں، اسی کا انکار کرتے ہیں۔

وہ فاروقِ امت رضی اللہ عنہ کو سازش کا الزام دیتا ہے اور کہتا ہے:

''مسلمانوں میں سب سے پہلے انھوں نے رجعت کا قول پیش کیا۔''[3]

اسی طرح یہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو بھی گالیاں دیتا ہے۔[4]

عجیب بات یہ ہے کہ وہ محمد باقر الصدر کی کتاب "التشيع ظاهرة طبيعية في إطار الدعوة الإسلامية" میں مذکور مواد سے استدلال کرتا ہے، حالانکہ یہ کتابچہ رافضیت کی حقیقت کو ثابت کرنے کی ایک

---

[1] دیکھیں صفحہ (۱۵، ۱۷، ۱۹)

[2] بحار الأنوار (۲/ ۲۰۸۔ ۲۵۲) الطبعة الحجرية.

[3] دیکھیں: التشيع: لمحمد باقر الصدر (ص: ۳۰۔ ۳۱) یہ اس کا حاشیہ۔

[4] المصدر السابق (ص: ٤٦)

ناکام اور مایوسانہ کوشش ہے، وہ یہ الزام دیتا ہے کہ صحابہ کرام رسالت اور شریعت کی تبلیغ کے اہل نہیں، اس پیغام کے حامل ہونے اور اس کی تبلیغ کے لائق صرف ایک ہی شخصیت تھی، جو سیدنا علی بن ابی طالب تھے، اس دعوے میں صحابہ کی جو ہتکِ عزت ہے وہ تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ دعویٰ بھی ہے یا پھر مفاد پرست اور حاسدانہ جو سنت مطہرہ اور اس دین کے تواتر پر حملہ کرنے کی ایک نامراد کوشش ہے۔

یہ کتابچہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک کا نقل کرنا، مجموعے کے نقل کرنے سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ یہ عقیدہ عصمتِ ائمہ اور تکفیرِ صحابہ کی گندگی رطوبت ہے۔ صحابہ کرام کی یہ مزعوم ثنا خوانی جو اس نے صدر کے اس کتابچے سے لی ہے، یہ صدر نے قاری کے دماغ کو سن کرنے کے لیے کہی ہے، تاکہ وہ اس کے صحابہ کرام پر لگائے گئے الزامات کی تصدیق کر سکے، رفاعی نے کلام کا پہلا اور آخری حصہ حذف کر دیا ہے، کیوں کہ یہ دونوں حصے اس کے استدلال کا بھانڈا پھوڑ دیتے ہیں۔ صدر کہتا ہے:

''باوجودیکہ صحابہ کرام پہلے مومن تھے اور وہ امتِ رسالت کی نشو ونما اور آغاز کے لیے بہترین بیج تھے ...اس کے باوجود نبی ﷺ کی زندگی ہی میں ایک ایسے رجحان کے وجود کو تسلیم کیے بنا بھی چارہ نہیں، جو مصلحت کا اندازہ کرنے اور اس کا حالات سے استنباط کرنے میں اجتہاد کو دینی نصوص پر حرف بہ حرف عمل کر کے عبادت کرنے پر ترجیح دینے کی طرف مائل تھا اور نبی ﷺ نے بہت سارے حالات میں اس رجحان کی وجہ سے کڑواہٹ برداشت کی ...۔''[1]

کیا آپ کو اس اقتباس میں صحابہ کی مدح نظر آ رہی ہے؟ وہ تو یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابہ کرام ۔معاذ اللہ۔ نص کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو پسِ پشت ڈال دیتے اور اپنے مفادات اور مصلحتوں کی اتباع کرتے۔ کیا یہ ہے صحابہ کا احترام؟ یہ ایک عام اور مشہور بات ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت بہت بڑا جرم ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾
[النور: ٦٣]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے۔''

اس رافضی کے اپنے الزام کی تائید میں یہ تمام دعوے کہ حضرت علی کی امامت متعین اور منصوص علیہ ہے

[1] التشیع (ص: ٨٠)

اور صحابہ نے اپنی کسی مصلحت کی خاطر اس پر عمل کرنے سے اعراض برتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے میں ان کا کون سا مفاد اور مصلحت پوشیدہ تھی؟!

رفاعی نہ صرف صدر کے کتابچے سے استدلال کرتا ہے، بلکہ اس کے باطل کی اشاعت بھی کرتا ہے اور اس کو اپنی تائید اور اس کی تقریظ کا نذرانہ بھی پیش کرتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کتابچے میں کہتا ہے: امامیہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں۔ یہ کون سا احترام ہے، اگر وہ ان کے سب وشتم کو احترام سے تعبیر کرتا ہے تو یہ ایک دوسری بات ہے!!

یہ لوگ کس جرأت سے جھوٹ بولتے ہیں! جہاں تک محمد جواد مغنیہ کی یہ بات ہے کہ شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے اور وہ علی بن حسین کے قول سے استدلال کرتا ہے، تو میں کہوں گا کہ تم نے امام علی بن حسین کے نقشِ قدم کی پیروی نہیں کی ... کیوں کہ جو تمھاری نئی اور پرانی کتابوں میں مذکور ہے اور جو تمھارے ہاں عملاً ہوتا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے ان کے منہج اور طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ تو تمھارے اقرار اور تمھارے ان سے نقل کرنے کے مطابق تمام صحابہ کرام کو ''رضی اللہ عنہم'' کہتے تھے، لیکن تم نے نہ اپنے امام کی اقتدا کی نہ اپنی بات میں سچ کا التزام کیا۔

مغنیہ جو یہ کلام لکھ رہا ہے، وہ اپنی کتاب "في ظلال نهج البلاغة" میں شرم و حیا کے پیکر نبی ﷺ کی یکے بعد دیگرے وہ بیٹیوں کے شوہر، جیش العسرۃ کا انتظام کرنے والے، دو مرتبہ ہجرت کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ سے جنت کی بشارت پانے والے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''عثمان نے سنتِ رسول ﷺ سے انحراف کیا، شریعتِ اسلام کی مخالفت کی، مسلمانوں کے اموال کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے رشتے داروں کو نوازا، لہٰذا وہ محلات، کھیتوں، گھوڑوں، سازوسامان، عمدہ لباس، غلاموں اور لونڈیوں کے مالک بن گئے، لیکن ان کے اردگرد لاکھوں بھوکے اور نادار لوگ پھر رہے تھے۔''[1]

مزید کہتا ہے:

> ''عثمان کے لیے جو حالات پیدا ہوئے، اس کے پیچھے طلحہ و زبیر اور عائشہ کا ہاتھ تھا، وہی اس کے خون کے ذمے دار ہیں....''[2]

وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اہلِ شوریٰ کو، جن کو انھوں نے اپنے بعد خلیفہ چننے کا اختیار دیا تھا، خیانت

[1] مغنية: في ظلال نهج البلاغة (٢/ ٢٦٤)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٩٢_ ٢٩٣)

اور سازش کا الزام دیتا ہے۔[1] جب وہ یہ نفرت انگیز کلام خیار صحابہ کے متعلق کہہ رہا ہے، تو صحابہ کے مرتبے کا وہ کون سا احترام کر رہا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ایذا رسانی ہوگی، جس کا آپ ﷺ کو اپنی بعض بیویوں، سسرال اور خیارِ صحابہ کرام کی وجہ سے نشانہ بنایا جا رہا ہو؟

ان تمام باتوں کے بعد ہم ان رافضہ کے تناقض کی کیا تفسیر کر سکتے ہیں؟ کہیں یہ تقیہ تو نہیں؟ کیوں کہ تقیہ شیعہ کے نزدیک دین کا نوے فیصد حصہ ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں، یا یہ شیعہ اور شیعیت کو پھیلانے کے لیے کوئی سازش بھی ہوسکتی ہے؟

اس سے پہلے کہ مَیں اس موضوع سے قلم اٹھاؤں، مَیں ان کی صحابہ کرام کی مدح سرائی اور ثنا خوانی کی حقیقت کے متعلق بعض اہم حقائق اور اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں، جن تک شاید اس شخص کی عقل رسائی نہ کر سکے، جو ان کی کتابوں کے مطالعے اور ان کے اسالیب اور اصطلاحات میں غور وفکر کرنے کا عادی نہ ہو۔

روافض کی صحابہ کرام کی تعریف کی حقیقت:

یہ روافض، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، اہلِ بیت کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں، ان سے وہ اپنے بارہ امام مراد لیتے ہیں اور باقیوں کو بالخصوص ان میں سے جو امامت کی طلب کے لیے نکلے، سب وشتم، تنقید وتنقیص بلکہ تکفیر اور مخلد فی النار کرنے کا نشانہ بناتے ہیں، اسی طرح وہ بعض اوقات یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ وہ صحابہ سے محبت رکھتے ہیں، ان سے وہ صرف ان تین یا چار یا سات صحابہ کو مراد لیتے ہیں، جو ان کی داستانوں کے بیان کے مطابق مرتد نہیں ہوئے تھے۔

جو شخص یہ حقیقت نہیں جانتا، وہ بعض اوقات ان کی اس موضوع پر گفتگو سے دھوکا کھا سکتا ہے اور وہ یہ تصور تک نہیں کرتا کہ صحابہ کی ان کے ہاں ایک مخصوص تفسیر ہے۔ یہ صحابہ کی ایک اور تفسیر بھی کرتے ہیں، جس کی تفصیل شیعہ کی بعض روایات میں ذکر ہوئی ہے۔

شیعہ کی روایات صحابہ کی تعریف کرنے اور ان کے اقوال اور اجماع کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے کے بعد کہتی ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! آپ کے اصحاب کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اہلِ بیت۔''[2] چناں چہ صحابہ کی اہلِ بیت کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔

---

[1] المصدر السابق (۲/ ۲۔ ۳)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۱۳) دیکھیں۔

صحابہ کی ثنا خوانی میں ان کا ایک تیسرا مسلک بھی ہے، جس میں یہ اس کو تقیے پر محمول کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم طوسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دشنام طرازی کرنے کے بعد اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''اگر کہا جائے: کیا ابوجعفر محمد بن علی باقر سے بیان نہیں کیا جاتا کہ جب ان سے سائل نے اس جنگ میں حضرت عائشہ کے انجام کے بارے میں پوچھا تو اس نے ان کے لیے بخشش کی دعا کی، راوی نے ان سے کہا: آپ اس کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہو اور اس کے ساتھ موالات رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، کیا تجھے علم نہیں، جو وہ یہ کہا کرتی تھیں کہ کاش! میں کوئی پودا ہوتی؟ کاش! میں کوئی مٹی کا ٹکڑا ہوتی؟''

طوسی نے کہا:

''اس میں ہمارے مذہب کے خلاف کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ ہم ان کے لیے تقیہ جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سائل کوئی دشمن ہو اور انھوں نے یہ بات کہہ کر اس سے تقیہ کیا ہو، اس میں توریہ بھی مروی ہے، جو اس کو جھوٹ ہونے سے بچا لیتا ہے، اس کے بعد اس نے اس کی توبہ کو اس کی اس تمنا کے ساتھ معلق کیا ہے کہ کاش وہ کوئی درخت ہوتی، یا کوئی اینٹ ہوتی، لیکن ہم نے بیان کر دیا ہے کہ یہ کوئی توبہ نہیں۔ وہ (محمد بن باقر) اس کو بہ خوبی جانتے تھے۔''[1]

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں، تو ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان مسالک کے غلط اور غیر صحیح ہونے کا اعلان و اظہار کریں، ان سیاہ روایات کے باطل ہونے کا اعتراف کریں، سچ بولیں اور تضاد بیانی سے احتراز کریں، تا کہ ان کا یہ موقف قبول کیا جا سکے۔ پھر اہلِ سنت جب کہتے ہیں کہ صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کی تکفیر کرنا شیعہ کا مذہب ہے، تو ان کا جواب دینے کے لیے کیوں دوڑ پڑتے ہیں اور خود اپنا، اپنی کتابوں کا اور اپنے معاصر علما کا کیوں رد نہیں کرتے، جو مسلسل یہی گمراہی بکتے ہیں؟!، عصرِ اول تو اپنے تمام تر امور سمیت گزر چکا ہے، پھر آج لعن طعن، سب وشتم اور تکفیر کا کیا فائدہ، جس سے شیعہ کی کتابیں، بازار اور مزارات بھرے ہوئے ہیں؟

حقیقت میں اس لعن طعن کا ہدف قرآن وسنت اور عمومی طور پر دین پر طعن و تشنیع کرنے (اس کی حیثیت

[1] الطوسي: الاستيفاء في الإمامة، الورقة (٢٨٨) النسخة المخطوطة.

مشکوک کرنے) فتنے بھڑکانے اور امت میں تفرقہ بازی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

اگر یہ پرہیزگار، وفا شعار، نیک طینت، قائدینِ امت، ساداتِ ملت اور زعمائے دین، جنھوں نے اسلام کو پھیلایا، سلطنتِ اسلام قائم کی، بلادِ عالم فتح کیے، انسانوں کی راہنمائی کی اور ایک ایسی تہذیب کی عمارت تعمیر کی کہ دنیا آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، اگر یہ سابقین و اوائل عدل و انصاف، نیکی اور بھلائی اور فضائل و مناقب کے تمام تر مظاہر اور معالم کے باوجود اپنے بیٹوں، پوتوں اور آیندہ نسلوں کی طرف سے لعنت کے مستحق ہیں، تو پھر ہماری عظمتوں اور سنہری تاریخ سے کیا باقی بچتا ہے؟

ان کی تاریخ کو فسخ کرنا، جن کی اللہ اور اس کے رسول نے بھی مدح سرائی کی ہے اور سچی تاریخ نے نور کی روشنائی سے ان کی عظمتوں کو قلم بند کیا ہے، تاریخ کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اگر یہ لوگ اسی طرح کے تھے تو پھر تعریف و ثنا کا کون مستحق ہے اور ہماری عظمتیں، رفعتیں اور قابلِ فخر تاریخ کہا ہے؟

شیعہ معاصرین کا نظریۂ عصمت:

اس مسئلے میں معاصرین کے ہاں نیا یہی ہے کہ وہ ائمہ کی مطلقاً عصمت کے شیعہ عقیدے کے متعلق متاخرین کی رائے سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں اور اس کو من وعن قبول کرتے ہیں۔ یہ رائے غلو اور تفریط میں انتہا پسندی کی نمایندگی کرتی ہے، کیوں کہ یہ ائمہ کے بارے میں یہ عقیدہ اور نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ غفلت کا شکار ہوتے ہیں نہ بھولتے ہی ہیں۔

یہ مذہب چوتھی صدی میں شیعہ کی نظر میں غالی اور شدت پسند رجحان کا ترجمان سمجھا جاتا تھا، حتی کہ ان کے شیخ ابن بابویہ قمی (شیعہ کی چار معتبر کتابوں میں سے ایک کتاب: "من لا يحضره الفقيه" کا مولف) نے ائمہ سے سہو (غفلت) کی نفی کرنے کو شیعیت میں غلو کی علامت قرار دیا ہے، اس کا کہنا ہے:

''غالیوں اور مفوضہ پر اللہ لعنت کرے، یہ نبی ﷺ کے سہو کا بھی انکار کرتے ہیں ...''[1]

جو ائمہ کے سہو کا انکار کرے تو وہ تو غلو اور انتہا پسندی میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ شیعہ کے شیخ مجلسی نے ''بہت ساری روایات اور آیات کی روشنی میں ان سے سہو کے واقع ہونے کو تسلیم کیا ہے۔''[2] لیکن ان کے متاخرین نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انھوں نے یہ اعتقاد رکھ کر کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا، اس کی مخالفت پر

---

[1] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٣٥١)

ڈھٹائی اختیار کی۔ اس لیے مجلسی کو بالآخر یہ رائے دینا پڑی کہ اس مسئلے میں بہت زیادہ اشکال ہے، کیونکہ اس کے اصحاب نے بہت ساری اپنی روایات کی مخالفت پر اتفاق کر لیا ہے۔[1]

معاصرین بھی متاخرین کے نقشِ قدم ہی پر چلتے ہوئے خود شیعہ کی روایات اور شیعہ کے کبار علما کے اقوال کی مخالفت کرتے ہیں۔ شیعہ کا معاصر عالم عبداللہ ممقانی، جس کو یہ آیت عظمیٰ کا لقب دیتے ہیں، تاکید کے ساتھ کہتا ہے:

''ائمہ سے سہو کی نفی کرنا شیعہ مذہب کی ضرورت میں داخل ہو چکا ہے۔''[2]

وہ اس بات سے بھی انکار نہیں کرتا کہ شیعہ کے بعض سابقہ علما اس کو غلو خیال کرتے تھے، لیکن وہ یہ کہتا ہے:

''جس کو ماضی میں غلو سمجھا جاتا تھا، آج وہ مذہب کی ضرورت میں داخل ہو چکا ہے۔''[3]

یہ نظریہ کہ ائمہ سے سہو واقع نہیں ہوتا، شیعہ کے معاصر علما کے اقوال میں اس کی تاکید تکرار کے ساتھ موجود ہے۔ مظفر اس کو امامیہ کے ثابت شدہ عقائد میں خیال کرتا ہے اور اس میں رہ کر ان کا ادنیٰ سا اختلاف بھی نقل نہیں کرتا۔[4] خنیزی جو "الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية" کا مصنف ہے، وہ بھی اس نظریے کو ثابت کرتا ہے اور اس نے اس میں تقیے سے کام نہیں لیا۔[5]

خمینی اپنی کتاب "الحكومة الإسلامية" میں اپنے ائمہ کے بارے میں سہو کا تصور کرنے کی بھی نفی کرتا ہے۔[6]

اگر عصمتِ ائمہ کے دعوے کا مفہوم، قول و عمل میں ائمہ کو رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبے تک بلند کر دینا ہے، جو: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ٣۔ ٤] ''اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحیِ الٰہی ہے، جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

تو پھر یہ دعویٰ کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا یا ان کے بارے میں سہو کا تصور بھی محال ہے، تو ان کے متعلق یہ نظریہ ان کو خدا اور معبود قرار دینا ہے۔ اس لیے تو شیعہ کے شیخ ابن بابویہ نے کہا ہے:

---

[1] المصدر السابق.

[2] الممقاني: تنقيح المقال (٣/ ٢٤٠)

[3] المصدر السابق.

[4] عقائد الإمامية (ص: ٩٥)

[5] الخنيزي: الدعوة الإسلامية (١/ ٩٢)

[6] الحكومة الإسلامية (ص: ١٩)

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس وجہ سے سہو میں مبتلا کیا، تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور مخلوق، اس لیے آپ ﷺ کو اللہ کے سوا رب اور معبود نہ بنایا جائے۔''[1]

ابن بابویہ اور چوتھی صدی کے شیعہ علما سمجھتے تھے کہ ان روایات کی تردید (جو نبی ﷺ کے نماز میں بھول جانے کو بیان کرتی ہیں) دین اور شریعت کو باطل قرار دینے کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''اگر یہ جائز ہو کہ اس مفہوم پر دلالت کرنے والی روایت کو رد کر دیا جائے تو پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ تمام روایات کو رد کر دیا جائے۔ ان روایات کا انکار کرنا دین اور شریعت کو باطل قرار دینا ہے اور میں نبی ﷺ کے سہو کو ثابت کرنے کے لیے اور منکرین کا رد کرنے کے ایک علاحدہ کتاب لکھنا ثواب سمجھتا ہوں۔''[2]

لیکن متاخر جماعت اور معاصر جتھے کو ابن بابویہ کی اس بات کی پروا ہے نہ ان کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت، جو اس نے ان کے افسانہ تحریف کی تردید میں کہا ہے۔ انھوں نے ہر ایسے قول کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، جو دولتِ صفویہ کے علما کے طے کردہ عقائد ونظریات کے خلاف ہو۔

معاصر شیعہ نے اپنے بزرگ ''ممقانی'' کی زبان سے ائمہ سے سہو ونسیان کی نفی کو شیعہ مذہب کی ضرورت میں شمار کیا ہے۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا۔ تو شیعہ کا عالم محسن امین توثیق کرتا ہے کہ شیعیت میں جو ضروری امر ہے، اس کا منکر کافر ہے۔[3]

اس کا معنی یہ ہوا کہ متاخرین شیعہ اپنے سابقہ بزرگوں کو کافر قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں، جو شیعیت کی ضرورات اور ارکان میں شامل ہے، جب کہ شیعہ کے بزرگ اور متقدمین ان پر یعنی متاخرین پر لعنت بھیجتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے غالی مفوضہ کا مذہب قبول کر لیا ہے، جو شیعہ کے ائمہ کی زبان سے ملعون ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم شیعہ کی ان تحریروں میں دیکھتے ہیں، جو یہ اہلِ سنت کے دیار[4] وممالک کے لیے لکھتے ہیں کہ ''ائمہ سے سہو نہ واقع ہونے کا عقیدہ تمام شیعہ کا عقیدہ ہے۔''[5] دیگر معاصر شیعی تحریروں میں شیعہ کا

---

[1] من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[2] بحار الأنوار (١٧/ ١١١)

[3] محسن الأمين: كشف الارتياب، المقدمة الثانية، نیز یہ بات شیعہ کے نزدیک ''مذهب الأحكام'' (١/ ٣٨٨۔ ٣٩٣) میں ثابت شدہ ہے۔

[4] یہ محمد جواد مغنیہ کی تحریریں ہیں، جن میں ہم شیعہ کی بعض غلو اور تعصب سے آزادی دیکھتے ہیں۔ یہ اہلِ سنت کے ممالک میں چھاپی جاتی ہیں، اس لیے ان میں تقیے کا احتمال موجود ہے۔

[5] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٢٧٢۔ ٢٧٣)

اجماع نقل کیا گیا ہے کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا۔[1] نیز یہ شیعہ مذہب کی ضرورات (بنیادی عقائد) میں داخل ہے۔[2]

اب ہم کس کی تصدیق کریں اور کس کو شیعہ مذہب کا ترجمان سمجھیں؟ اس طرح یہ ایک دوسرے ہی کو کافر کہتے اور ایک دوسرے ہی کے ساتھ اختلاف اور تناقض رکھتے ہیں اور ہر کسی کا یہی دعویٰ ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہی اس فرقے کا مذہب ہے!

شیعہ معاصرین کا نظریۂ رجعت:

اس مسئلے میں معاصرین کے مذہب میں یہ ایک نئی لہر ہے کہ شیعہ علما کا ایک ایسا گروہ سامنے آیا ہے، جو بالخصوص، شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان اتحاد و یگانگت کا داعی ہے، ان کا خیال ہے کہ رجعت ایک خرافت ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

خنیزی کہتا ہے:

''وہ حق جو محققین کا مذہب ہے، وہ یہ ہے کہ بارھویں امام کے ظہور کے سوا کوئی رجعت نہیں۔''[3]

اس بارھویں امام سے شیعہ کی مراد ان کا مہدی منتظر ہے۔ معاصرین کی ایک دوسری قسم اس کا انکار تو نہیں کرتی، البتہ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ ان کی بعض روایات میں مسئلہ رجعت کا ذکر ہوا ہے، لیکن یہ ان کے مذہب کے اصول میں داخل ہے نہ اس کا ان کے نزدیک ضرورات (بنیادی عقائد) میں شمار ہوتا ہے اور نہ یہ ان کے اعتقادات ہی میں شامل ہے، بلکہ اس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔

ہاشم حسینی کہتا ہے:

''رجعت امامیہ کے اعتقادات میں داخل ہے نہ یہ شیعہ کے نزدیک ضرورات ہی میں شامل ہے۔''[4]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''شیعہ مذہب میں رجعت کو دین اور عقیدہ بنانا لازم ہے نہ اس کا انکار کوئی نقصان دہ ہے، اگرچہ یہ ان کے نزدیک ضروری (بدیہی) ہے۔''[5]

---

[1] محمد آصف المحسني: صراط الحق (٣/ ١٢١)

[2] ''تنقیح المقال'' سے ممقانی کے حوالے سے اس کی عبارت گزر چکی ہے۔

[3] الخنيزي: الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية (٢/ ٩٤)

[4] هاشم الحسيني: الشيعة بين الأشاعرة والمعتزلة (ص: ٢٣٧)

[5] أصل الشيعة (ص: ٣٥)

مزید کہتا ہے:

''میرے نزدیک اس کی یعنی رجعت کی کوئی اہمیت نہیں۔''[1]

شاید قاری اس کلام میں تناقض کا ادراک کر سکے اور شاید یہ تناقض تقیے کی نشانی کے طور پر مقصود ہی ہو، جس طرح کلام کے ساتھ کھلواڑ کرنا ان کی عادت ہے! کیوں کہ اگر شیعہ کے نزدیک اس کا عقیدہ رکھنا لازمی نہیں، اس کا انکار کرنا نقصان دہ نہیں اور اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں تو پھر یہ ان کے نزدیک ضروری کس طرح ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ ضروری کا منکر کافر ہے، جس طرح یہ ان کے علما کا فیصلہ ہے۔[2]

شیعہ کے شیخ محمد رضا مظفر نے بھی اس کے قریب قریب ہی کام کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''رجعت ان اصول میں داخل نہیں، جن کا اعتقاد و نظریہ رکھنا اور ان میں غور وفکر کرنا ضروری ہوتا ہے...''[3]

پھر وہ یہ بھی کہتا ہے:

''رجعت ضروری امور میں داخل ہے، کیوں کہ اس کے متعلق آلِ بیت سے متواتر روایات منقول ہیں۔''[4]

رجعت کے بارے میں معاصرین کی جماعت کا یہ موقف ہے۔ ایک صنف اس کا انکار کرتی ہے، دوسری اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تو تیسری اس کے متعلق اپنا مذہب بیان کرنے میں تردد کرتی ہے یا پھر تضاد بیانی اور ہر ایک کا یہی دعویٰ ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہی شیعہ کا مذہب ہے۔ اب ہم کس کی بات کا یقین کریں؟ ان میں سے ہر ایک اثنا عشریہ کا بڑا عالم ہے اور یہ ایک ہی زمانے کے ہیں، اس کے باوجود ان کے اقوال میں اختلاف اور تباین پایا جاتا ہے، تو کیا یہ ان کے عقیدہ تقیہ کے آثار تو نہیں؟ کیوں کہ بعض اہلِ سنت نے رجعت کو رافضیت میں غلو اور انتہا پسندی کی علامت قرار دیا ہے، اس لیے ان کا شیخ مظفر کہتا ہے:

''رجعت کا اعتقاد امامی شیعہ پر کی جانے والی سب سے بڑی تنقید، لعن طعن اور اعتراض ہے۔''[5]

جن امور کی یہ کیفیت ہو، ان میں شیعہ کے نزدیک تقیہ جاری ہوتا ہے۔ وہ تحریریں جن سے یہ متضاد

---

[1] المصدر السابق (ص: ٣٦)

[2] دیکھیں: السبزواري: مهذب الأحكام (١/ ٣٨٨ وما بعدها) محسن الأمين: كشف الارتياب، المقدمة الثانية.

[3] عقائد الإمامية (ص: ١١٣)

[4] المصدر السابق (ص: ١١٣)

[5] المصدر السابق (ص: ١١٠)

اقوال لیے گئے ہیں، یہ شیعہ کی وہ کتابیں ہیں، جو اہلِ سنت کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں، جس طرح ان کے مقدمات، مناہج اور اپنے عقائد بیان کرنے کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن جب ہم شیعہ کے دوسرے معاصر علما کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھی تک رجعت کے معاملے میں غلو اور انتہا پسندی کا شکار نظر آتے ہیں اور اس کے منکر کو مومنوں کے رتبے سے خارج خیال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''(ان کی) روایات کثیر تعداد میں کہتی ہیں کہ ''لیس منا من لم یؤمن برجعتنا'' جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

وہ کہتے ہیں:

''رجعت کا ثبوت ان امور میں ہے، جن پر سچے شیعہ اور مسلکِ حق کا اتفاق ہے، بلکہ یہ شیعہ کے مذہب کی ضرورات میں داخل ہے۔[2] اس کا منکر مومنوں کے رتبے سے خارج ہے، کیوں کہ یہ ائمہ طاہرین کے مذہب کی ضرورات میں داخل ہے۔''[3]

زنجانی اپنی کتاب ''عقائد الاثنیٰ عشریة'' میں لکھتا ہے:

''میرا اور علماے اثنا عشریہ ۔قدس اللّٰہ اسرارھم۔ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارھویں امام کے ظہور کے وقت شیعہ کی ایک جماعت کو دنیا میں لوٹائے گا، تاکہ وہ اس کی نصرت کا ثواب حاصل کر سکیں اور اس کی حکومت کا مشاہدہ کر سکیں، اسی طرح ظالموں، غاصبوں، آلِ محمد کا حق چھیننے والوں کی ایک جماعت کو بھی دنیا میں بھیجیں گے، تاکہ وہ ان سے انتقام لے سکے۔''[4]

''... میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو ان جیسی چیزوں میں شک کرتا ہے، وہ ائمہ دین کے بارے میں شک کرتا ہے۔''[5]

اس کے بعد ہم اس تضاد بیانی کی کیا تفسیر اور تشریح کر سکتے ہیں؟ کیا حقیقت میں ان کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے یا انھوں نے عقیدۂ تقیہ کے ساتھ ہر چیز کو حلال کر لیا ہے...؟

اگر ہم ہر بات کا ظاہری مفہوم مراد لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک گروہ ایسا ہے، جس نے اپنی گردن سے

---

[1] إبراهيم الزنجاني: عقائد الإثنی عشریه (ص: ۳٤۰) ط: الأولی، نیز دیکھیں: عبداللّٰه شبر: حق الیقین (۲/ ۳)

[2] عقائد الإثنیٰ عشریه (ص: ۲۳۹) ط: الأولی، حق الیقین (۲/ ۳)

[3] عقائد الإثنیٰ عشریة (ص: ۲٤۱)

[4] المصدر السابق (ص: ۲۳۹)

[5] المصدر السابق (ص: ۲٤۰)

تقلید کی رسی اتار پھینکی ہے اور انھوں نے اپنے اساطیر اور افسانوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا ہے، اگر چہ ان کے مشہور اور متواتر ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن اس گروہ کی اس خطرناک عقیدے، یعنی تقیہ، کے ذریعے آواز دبائی جاتی ہے اور ان کے آثار کو مٹایا جاتا ہے۔ اس لیے جب تک یہ عقیدہ اس مذہب کے اصول اور رگ و پے میں داخل ہے، تب تک کوئی مصلح اس فرقے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا اور ان کا مذہب انتہا پسندوں کا مذہب رہے گا، اعتدال پسندوں کا نہیں اور علما کے اقوال پر مبنی ہوگا، ائمہ کی روایات پر نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ابھی تک وہ افسانوی واقعات اور شکلیں جو اس رجعت میں وقوع پذیر ہوں گی، جنھیں ان کی روایات بیان کرتی ہیں، ان کے کلمات میں مکرر ذکر ہوتی ہیں۔ ان میں خرافاتی پہلو کو ایک طرف رکھیے، لیکن یہ کہانیاں ان کی امت مسلمہ کے خلاف دبے ہوئے احساسات، خفیہ خواہشات، نفرتوں اور سازشوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

ایک شیعہ آدمی اپنے لیے ان خیالی جنتوں اور اپنے دشمنوں کے لیے تصوراتی ذبح خانوں کا تصور اور انتظار کر کے، جن کے واقع ہونے کی خودساختہ رجعت میں امید کی جاتی ہے، غایت درجہ کی لذت اٹھاتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی روزانہ کی دعاؤں میں یہ خصوصی دعا مانگتا ہے کہ وہ بھی اس واپسی (رجعت) میں شریک ہو، جس میں یہ مزعوم انتقام لیا جائے گا۔[1]

وقت بدل جانے اور صدیاں گزر جانے کے علی الرغم معاصرین کا اس کے بارے میں شعور ابھی تک نہیں بدلا۔ ان کے ایک آیت کی زبانی مزعومہ رجعت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آنے والے حالات کا تذکرہ سنیے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ساتھیوں کی قبر کھودنا، ان کو زندہ اور تر و تازہ حالت میں باہر نکالنا، پھر ان کو سولی پر چڑھا کر جلا دینا، کیوں کہ بشر نے آدم سے لے کر قیامت تک جتنے ظلم، جرم اور گناہ کیے، ان سب کا گناہ ان کے سر ہونا؛ یہ ایک بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں، جو اس اشکال کو ختم کر سکے، ہمارے ائمہ سے صحیح منقول ہے کہ ہماری حدیث مشکل اور دشوار طلب ہے۔''[2]

---

[1] جس طرح ان کی ''دعاے عہد'' میں ہے: "اللهم إن حال بيني وبينه الموت الذي جعلته على عبادك حتماً مقتضيا فأخرجني من قبري مؤتزراً كفني شاهراً سيفي مجرداً قناتي ملبياً دعوة الداعي في الحاظر والبادي" نیز دیکھیں: الزنجاني: عقائد الإمامية الأثنى عشرية (ص: ٢٣٦) ط: الأولىٰ.

[2] الرشتي: كشف الاشتباه (ص: ١٣١)

کیا دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ خرافت اور مَن گھڑت کہانی ایک ایسے آدمی کے دل میں جاگزیں ہوجائے، جو ان کے علمی پیمانوں کے مطابق ''آیت عظمیٰ'' کے مرحلے اور ڈگری کو حاصل کرے، لیکن وہ اس کہانی کو جھوٹا کہنے کی جراَت نہ رکھے، بلکہ اس کو مشکل اور پیچیدہ امور میں شمار کرے اور اس سے نکلنے کے لیے اور خرافت کی مدد کے بغیر کوئی راہ نہ پائے کہ ان کا دین مشکل اور دشوار ہے؟ بلاشبہہ یہ صعب اور دشوار دینِ اسلام نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ خلافِ فطرت ہے اور عقلیں اس کے انحراف اور بے اصولی کی وجہ سے اس کو تسلیم نہیں کرسکتیں۔ قصہ کوتاہ! رجعت کی یہ خرافت اور من گھڑت کہانی اور اس میں جو مناظر اور واقعات رونما ہوں گے، وہ ابھی تک اس گروہ کی عقلوں کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔

شیعہ معاصرین کا نظریۂ تقیہ:

کیا معاصرین کے مذہب میں کوئی ایسی تبدیلی رونما ہوئی ہے، جو متقدمین کے مذہب ومسلک سے مختلف ہو، جس کو ہم یہاں لکھ سکیں، یا معاصرین کا مذہب اس موقف سے بالکل نہیں بدلا، جو ہم نے ان کے اسلاف سے اس عقیدے کے متعلق نقل کیا اور ان کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے؟

شیعہ کے بعض معاصر علما کا کہنا ہے کہ صورتِ حال بدل چکی ہے۔ آج شیعہ کے ہاں تقیہ نہیں پایا جاتا، کیوں کہ شیعہ نے گذشتہ زمانوں میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی وجہ سے تقیے کو اختیار کیا تھا۔ آج ظلم ختم ہو چکا ہے، اس لیے نہ تقیہ ہے، نہ جھوٹ اور نہ منافقت بلکہ سچ، صریح بیانی اور وضاحت ہے۔

شیعہ عالم محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

> ''تقیہ شیعہ کے ہاں عہدِ رفتہ، عہدِ ظلم اور دباؤ کے ایام میں تھا، آج شیعہ علانیہ ظلم کا نشانہ نہیں بنائے جاتے، اس لیے تقیہ ماضی کا قصہ بن چکا ہے!!''[1]

وہ کہتا ہے:

> ''مصر میں مجھ سے ایک فلسفے کے استاذ نے کہا: تم شیعہ تقیے کے قائل ہو؟ میں نے کہا: اللہ ان پر لعنت کرے، جنھیں اس کی ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔ اب جس شیعہ علاقے میں جانا چاہتے ہو جاؤ، وہاں تمھیں تقیے کا کوئی وجود یا نشان نظر نہیں آئے گا۔ اگر یہ ہر حال میں دین اور مذہب ہوتا تو وہ اس کی اسی طرح پابندی کرتے، جس طرح وہ دین کی تعلیمات اور شریعت کے اصول اور مبادی

---

[1] مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٥٢، ٣٤٥) أهل البيت (ص: ٦٦۔ ٦٧)

کی پابندی کرتے ہیں۔‘‘[1]

اسی طرح ان کی کئی معاصر شخصیات جو ان کے ہاں ’’مراجع‘‘ اور ’’آیات‘‘ کے القاب و صفات سے پکاری جاتی ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ شیعہ کے ہاں تقیہ صرف ضرورت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے، جیسے جان، مال یا عزت کا خوف ہو، یہ شیعہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ...شیعہ تو صرف اس وجہ سے اس اعتقاد میں نمایاں ہیں کہ ان پر ظلم بڑی کثرت سے ہوا ہے۔[2]

تو کیا جو یہ کہہ رہے ہیں، وہ حقیقت پر مبنی ہے یا تقیہ در تقیہ ہے یا باوجود یکہ مسلمانوں کے سامنے ان کی حقیقت کھل چکی ہے، پھر بھی یہ اس پر پردہ ڈال رہے ہیں؟ ذیل کی سطور میں ہم اس حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں۔

اگر ہم ان کے ساتھ کہیں کہ شیعہ کا کوئی راز راز نہیں رہا اور ان کا کوئی عقیدہ اب ایسا نہیں، جس کے لیے ان کو تقیے کا سہارا لینا پڑے، بلکہ بر سر عام بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے اپنی پوری پٹاری کھولتے ہیں تو پھر بھی تقیے کا اثر ختم نہیں ہوا۔ شیعہ کے علما کا اپنی اور تحریروں میں اس کو استعمال کرنا موقوف نہیں ہوا۔ یہی سب سے بڑا خطرہ اور مہلک بیماری ہے، جس کو شاید وہ شخص نہ پہچان سکے، جس کا ان کی بنیادی کتابوں کے ساتھ کوئی خاطر خواہ تعلق نہ ہو۔

اس سنگینی اور خطرناک امر کی ترجمانی اس چیز میں ہوتی ہے کہ ان کے اس نظریہ تقیہ نے ان کو اپنی معتبر کتابوں میں موجود ایسی نصوص اور روایات سے استفادہ کرنے کے امکان کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے، جو مسلمانوں کے عقائد و نظریات کی موافقت کرتی ہیں اور شیعہ کے شذوذ و انحراف کی مخالفت کرتی ہیں۔

کیوں کہ آپ عمومی طور پر جو بھی ان کی ایسی رائے دیکھتے ہیں، جس میں انھوں نے مسلمانوں سے علاحدہ راہ اپنائی ہے تو آپ کو ان کی اپنی ہی ایسی روایات بھی ملیں گی، جو یکسر اس کی مخالفت کرتی ہوں گی، لیکن شیعہ عالم ان روایات کے ساتھ، جو ان کے شذوذ اور انحراف کی مخالفت کرتیں، مسلمانوں کے مواقف کی تائید کرتیں اور اس کی اپنی قوم کے رسم و رواج کی نفی کرتی ہیں، یہ سلوک کرتا ہے کہ یہ امام سے تقیے کے طور پر صادر ہوئی ہیں۔

---

[1] الشيعة في الميزان (ص: ٥٢)

[2] دیکھیں: محمد حسين آلِ كاشف الغطا: أصل الشيعة (ص: ١٥٠۔ ١٥٣) عبد الحسين الموسوي: أجوبة مسائل جار الله (ص: ٦٨۔ ٧٠) عبد الحسين الرشتي: كشف الاشتباه (ص: ١٣٠) محسن الأمين: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ١٨٥ وما بعدها) القزويني: الشيعة في عقائدهم وأحكامهم (ص: ٣٤٦) هاشم الحسيني: دراسات في الحديث والمحدثين (ص: ٣٢٦ وما بعدها) وغيرها.

اس اسلوب اور منہج پر عمل کرنے میں شیعہ کے معاصر علما اپنے متقدمین سے بالکل مختلف نہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے اصولی قواعد میں، جن کو ان کی قدیم کتابوں[1] نے مقرر کیا ہے اور جدید کتابوں نے بھی ان کا اقرار و اثبات کیا ہے[2]، یہ قاعدہ ہے کہ جب ان کی کتابوں میں احادیث میں تعارض پیدا ہو جائے، تو اس تعارض کو دور کرنے کے لیے ان روایات کو قبول کیا جائے گا، جو عامہ یعنی اہلِ سنت کی روایات کی مخالفت کرتی ہوں، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک وہ احادیث جو اہلِ سنت کی موافقت کرتی ہیں، ان کو تقیے پر محمول کیا جائے گا۔ جب یہ ملاحظہ کیا جائے کہ ان کی احادیث میں تضاد اور تناقض ہے اور ان میں عقائد و احکام کے مختلف ابواب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں، جو اہلِ سنت کے عقائد ونظریات اور اعمال کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں، تو ہمیں ان کے عقیدہ تقیہ کی سنگینی کا احساس اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو باقی رکھنے میں اس کے آثار کا ادراک ہو جاتا ہے۔

شیعہ کی احادیث میں تناقض کا وجود، یہ دعویٰ ہم نہیں کرتے، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا خود شیعہ کے علما اقرار کرتے ہیں، حتی کہ طوسی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کے پاس شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو، جس کے مقابلے میں اس کے متضاد کوئی حدیث نہ ہو۔[3]

یہ طوسی کا اعتراف ہے، جو ان کی حدیث کی چار بڑی معتبر کتابوں میں سے دو کا مولف اور چار رجال کی معتبر کتابوں میں سے دو کا جامع ہے! اس طوسی کو اپنے آپ کو اور اپنے شیعہ کو اپنی روایات میں پائے جانے والے تضاد سے بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی بات نہیں سوجھی کہ ہر وہ روایت جو جمہور مسلمانوں کی موافقت کرے اور شیعہ کے انحراف کی مخالفت، تو وہ تقیے کے طور پر ذکر ہوئی ہوگی۔ اس کی آپ کو "التہذیب" اور "الاستبصار" دونوں کتابوں میں دسیوں مثالیں ترجمانی کرتی ہوئی مل جائیں گی۔[4]

لہٰذا تقیے کا عقیدہ ثابت شدہ احادیث کو رد کرنے کا بہانہ، غلو کے دخول کا راستہ اور اختلاف اور فرقے

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۴۴۴) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: تعارض الأدلة: تقرير لأبحاث محمد باقر الصدر، نشرها محمود الهاشمي (ص: ٣) نیز دیکھیں: أيضاً مجلة رسالة الإسلام، كلية أصول الدين ببغداد، العدد (٣ـ ٤) السنة الخامسة شوال ١٣٩١هـ، بحث وظيفة المجتهد عند تعارض الأدلة، داود العطار، مدرس التفسير وعلوم القرآن في الكلية (ص: ١٣٣) یہ فیکلٹی شیعہ کی ہے اور یہ مجلّہ اپنی بحوث میں شیعہ کتب پر اعتماد کرتا ہے۔

[3] دیکھیں: الطوسي: تهذيب الأحكام (١/ ٢) اس کی عبارت گزر چکی ہے۔

[4] دیکھیں: الاستبصار (١/ ٦٠ـ ٦١ـ ٦٢ـ ٦٣ـ ٦٥ـ ٦٦ إلخ)

بازی کو زندہ رکھنے کا وسیلہ تھا، اس لیے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آج تقیہ ختم ہو چکا ہے اور اس کا وجود مٹ چکا ہے، جب کہ شیعہ کے تمام علما نصوص اور احادیث کو رد کرنے کے لیے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں؟[1]

اس طرح عقیدۂ تقیہ ایک ٹھوس رکاوٹ تھی، جو شیعہ کی اپنے ائمہ سے روایت کردہ ان روایات سے استفادہ کرنے کے آڑے آتی رہی، جو امت کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں، اس کے ساتھ ساتھ اس نظریے نے ہر اس معتدل اور عقل مند آواز کی تاثیر مٹا دی، جو ان کے درمیان اٹھتی رہی اور اس نے ان کو اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا۔

شاید یہ عقیدہ وضع کرنے والے نے اس فرقے کے لیے یہی چاہا کہ یہ اصلاح اور ہدایت سے دور رہے۔ یہ محض ایک تصوراتی کلام اور مفروضہ نہیں، جس کی حقائق تائید نہ کرتے ہوں، بلکہ شیعہ کی عملی زندگی اس کی گواہی دیتی ہے۔

مثال کے طور پر شیعہ کی سب سے بڑی مصیبت قرآن کریم میں کمی اور تحریف کی کہانیاں ہیں، جو شیعہ کے مذہب اور کتابوں میں سرایت کر چکی ہیں۔ جب شیعہ کے علما مرتضی، ابن بابویہ، قمی اور طبرسی نے اس پر خامہ فرسائی کی اور شیعہ مذہب سے اس نظریے کو زائل کیا تو ان کے متاخر علما کے ایک گروہ (نعمت اللہ جزائری اور نوری طبرسی) نے اس کو تقیے پر محمول کیا۔[2]

لٰہذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ شیعہ مذہب میں ختم ہو چکا ہے؟ حالانکہ اس کو ہر وقت حق کو مٹانے اور دبانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟ جب شیعہ کے عالم طوسی نے تفسیرِ قرآن لکھنے کا کام شروع کیا، تاویل میں ان کے مرغوب اس باطنی انتشار پسند رجحان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی اور تفسیرِ قرآن میں سلف صالحین کے آثار سے استفادہ کرنے کی رغبت کا اظہار کیا، تو شیعہ کے علما نے اس کے اس کام کو تقیے سے تعبیر کیا۔[3]

چناں چہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ ان کے ہاتھ میں ایک توڑنے والا ہتھیار بن چکا ہے، جس کو غالی شیعہ اس فرقے کے غلو کے دائرے ہی میں بند رکھنے کے لیے اور جماعتِ مسلمین یا تمام اسلام سے دور رکھنے

---

[1] ان کتابوں میں بکھری ہوئی ان روایات کو جمع کرنا جو ان کے انحراف کی مخالفت کرتی ہیں اور انھوں نے ان کو تقیے کی وجہ سے رد کیا ہے، اس زمانے میں ایک مفید کام ہے۔ پاک و ہند کے بعض علما نے اس منصوبہ پر کام کرنا شروع کیا ہے، مثال کے طور پر دیکھیے: "مناقب الخلفاء الأربعة في مؤلفات الشيعة"، مولف: مولانا عبدالستار تونسوی۔ شاید سب سے پہلے جس شخصیت نے یہ کام کیا، وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھے، جنھوں نے اپنی کتاب "تحفة الإثنى عشرية" میں یہ کام کیا ہے۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۰۹) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۲۲۳) دیکھیں۔

کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا، جب کہ اس کے زہریلے اثرات مذہب کی رگوں میں چل رہے ہیں اور اس میں تخریب اور شکستگی کا عمل تسلسل کے ساتھ کر رہے ہیں؟

اگر آج کفر کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، اس لیے اس زمانے میں شیعہ کے نزدیک تقیہ ختم ہو چکا ہے، جس طرح اس زمانے کے شیعہ کہتے ہیں، تو وہ کون سا زمانہ تھا، جس میں شیعہ نے تقیے کے نظریے اور عقیدے کو جزوِ ایمان بنایا؟

یہ لوگ خلفائے ثلاثہ کے ادوار اور اسلام کے سنہری ایام کو عہدِ تقیہ قرار دیتے ہیں، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان کی عصرِ حاضر میں حالت خلافتِ راشدہ کے عہد کی حالت سے کہیں بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے شیخ مفید نے یہ بات مقرر کی ہے کہ حضرت علی خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں تقیہ اور ظاہر داری استعمال کر کے رہ رہے تھے۔ وہ حضرت علی کی حالت کو رسولِ کریم ﷺ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے آپ ﷺ ہجرت سے پہلے کافروں کے درمیان رہتے تھے۔[1] وہ صحابہ کرام کو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ان مشرکوں کی طرح خیال کرتا ہے، جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ رہ رہے تھے اور وہ حضرت علی کے ان کے ساتھ تعلقات کو اس طرح خیال کرتا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے مشرکوں کے ساتھ تعلقات تھے۔

لہٰذا جس وقت مسلمان کمزور ہوں، وہ شیعہ کی عزت و رفعت کا وقت اور تقیے سے آزادی کا عہد ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا وہ دین نہیں جو صحابہ کا دین ہے، جس کو انھوں نے اپنے نبی ﷺ سے حاصل کیا تھا۔ وہ زمانہ جس کے بہتر ہونے کی خود رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی اور وہ جماعت جو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کے قرآنی خطاب کی حامل ہے، اس کا زمانہ تقیے کا زمانہ ہے اور وہ اس حاسد گروہ کی لغت میں کفر کی نسل ہے، جس نے اپنی قوم کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا ہے۔

جب یہ گمراہی پر متفق گروہ امیر المومنین حضرت علی کے عملی عہدِ خلافت میں حیرت کا شکار ہو گئے، کیوں کہ ان (علی رضی اللہ عنہ) کے اقوال و افعال اس کے بالکل الٹ ہیں، جو یہ اپنے پیروکاروں سے کہتے رہے، تو انھوں نے حضرت علی کے زمانے کو بھی عہدِ تقیہ کہہ دیا، کیوں کہ ان کے پاس اس سے نکلنے کے لیے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شیعہ کا "السید السند" اور "الرکن المعتمد" جیسے القاب کا حامل عالم نعمت اللہ جزائری کہتا ہے:

''جب امیر المومنین مسندِ خلافت پر بیٹھے تو وہ اس قرآن کو (جو ان کے مہدی منتظر کے پاس قرآن

---

[1] شیعہ عالم مفید سے اس روایت کی نقل گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص:٦١)

غائب تھا) ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کی قدرت نہ رکھ سکے ...‘‘[1]

اس طرح یہ لوگ ان واقعات کو ان کے مفہوم سے تقیے کا دعویٰ کر کے پھیر دیتے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی مذہب کو ثابت کرتے ہیں۔ اس وقت تقیہ استعمال کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی، بالخصوص جب معاملہ دین کی اصل یعنی قرآن کے متعلق تھا! اور اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کے عہد میں تقیے کی کیا حاجت ہوسکتی ہے؟!

آخر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا ہے، جب کہ شیعہ کا سارا دین ہی اس پر کھڑا ہے اور شیعہ کے علما تقیے کے جھنڈے تلے شیعیت کے سفینے کو ہلاکت کے سمندر میں چلا رہے ہیں؟ پھر ان کی روایات اور اقتباسات پر غور کرنے والا یہ کہیں نہیں پاتا کہ تقیے کا دامن ضرورت کے وقت تھاما جاتا ہے، بلکہ اس کو دروغ بافی، دھوکا دہی، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شیعہ روایات تو یہاں تک کہتی ہیں کہ ائمہ ایسی مجلس میں بھی تقیے سے کام لیتے تھے، جس میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہوتا تھا، جس سے تقیے کی ضرورت ہو، بلکہ اس کے لیے کوئی ادنا جواز بھی نہیں ہوتا تھا۔ جس کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔[2]

اگر تقیہ آج تک شیعہ مذہب میں کام کر رہا ہے اور اس کو بلاضرورت استعمال کیا جاتا ہے، جس طرح شیعہ کی روایات کہتی ہیں، بلکہ اس کو خوف اور دہشت کی وجہ سے نہیں، بلکہ شوق اور رغبت کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے اور خالص قرآن کی غیر سلیم تفسیر کی جاتی ہے، حتی کہ ان کا امام ایک ہی مجلس میں قرآن کریم کی ایک ہی آیت کی تین مختلف اور متضاد تفسیریں بیان کرتا ہے، تو اس کو بھی تقیے کی قبیل میں شمار کیا جاتا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوا۔[3]

حالاں کہ کوئی عقلمند یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کے عہد میں قرآنِ کریم کی تفسیر میں تقیے سے کام لیا جائے تو ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ تقیہ صرف ضرورت ہی کے میدان میں استعمال نہیں کیا جاتا اور شیعہ کے مذہب میں اس کا اثر ختم نہیں ہوا۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم اور ’’آیتِ عظمیٰ‘‘ محمد صادق روحانی نے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شیعہ کے دین میں تقیے کی ضرورت کے علاوہ کئی دیگر میدان بھی ہیں، اس نے شیعہ کے نزدیک تقیے کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ خوف کی وجہ سے تقیہ، مجبوری کی وجہ سے تقیہ، چھپانے کے لیے تقیہ اور ظاہر داری کے لیے تقیہ کرنا۔[4]

---

[1] نعمة الله الجزائري: الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٢)

[2] اسی کتاب میں ’’تقیہ‘‘ کا مبحث ملاحظہ کریں۔ (ص: ٨٥٣)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٨٦٥) دیکھیں۔

[4] محمد صادق روحاني: رسالة في التقية ضمن كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر له أيضاً (ص: ١٤٨۔ ١٤٩)

وہ جو کہتے ہیں کہ شیعہ تقیے پر صرف ضرورت کے وقت عمل کرتے ہیں، ان کا کلام خوف اور مجبوری کی وجہ سے کیے جانے والے تقیے پر صادق آتا ہے، چھپانے اور ظاہر داری کے تقیے پر نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تقیہ ابھی تک شیعہ کے دین میں استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا میدان ضرورت اور خوف کے میدان سے زیادہ وسیع ہے، لہٰذا انھوں نے چھپانے اور ظاہر داری کے تقیے کے نام پر جھوٹ، دغا بازی اور جعل سازی کو حلال کر لیا، اس کے دلائل معاصرین کے اعمال کے ضمن میں درج ہوں گے۔

ان تمام باتوں کے باوجود شیعہ کی معتبر کتابوں میں ثابت شدہ روایات تاکید کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ تقیے کا اس وقت تک کسی بھی حالت میں ختم ہونا اور اٹھ جانا جائز نہیں، جب تک ان کا مہدی منتظر پوشیدگی ترک کر کے ظاہر نہ ہو جائے اور غیوبت کے زمانے میں تقیے کا تارک، تارکِ نماز کی طرح ہے، بلکہ شیعہ کے نزدیک جس نے اسے ترک کیا، اس نے امامیہ کے دین کو چھوڑ دیا۔

تو شیعہ عالم جواد مغنیہ کس بنا پر کہہ رہا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر گیا ہے؟ کیا وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے یا معاملہ کچھ اور ہے؟

شیعہ کی معتبر کتابوں نے بھی تواتر کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

''جس نے ہمارے قائم کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

شیعہ کے عصرِ حاضر کے عالم اور آیت محمد باقر صدر نے یہ مقرر کیا ہے کہ ان کی اس موضوع پر روایات ''شہرت بلکہ تواتر کی حد تک بہت زیادہ مروی ہیں۔''[2]

اس نے قائم کے خروج تک تقیے کو تھامے رکھنے کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ ''اس کو ترک کر دینا خالص اور مخلص شیعہ کی قابلِ کفایت تعداد کے وجود کے کم ہو جانے کا باعث ہو جائے گا، جن کا وجود اس کے ظہور کی اساسی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔''[3]

شیعہ کی روایات تقیے کو ان کے نزدیک دین کا نوّے فیصد حصہ قرار دیتی ہیں اور کسی بھی وقت یا زمانے کا استثنیٰ کیے بغیر، ہر اس شخص سے ایمان کی نفی کرتی ہیں، جو تقیہ نہیں کرتا۔[4] چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغنیہ کی طرح

[1] الطبرسي: أعلام الورىٰ (ص: ٤٠٨) ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٢١٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٥۔ ٤٦٦) نیز دیکھیں: أصول الكافي (٢/ ٢١٧)

[2] تاريخ الغيبة الكبرىٰ (ص: ٣٥٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٣٥٣۔ ٣٥٤)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٨٥٦) دیکھیں۔

کے شیعہ علما کیا اپنے مذہب کے ان حقائق سے ناواقف ہیں کہ وہ یہ کہیں کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا ہے اور تقیہ ان کا دین نہیں رہا؟!

میرا خیال ہے کہ ان کی نصوص و روایات کا ،جن میں سے کچھ ہم نے بیان کر دی ہیں، مطالعہ کرنے والا اس نتیجے تک پہنچے گا، جس نتیجے تک استاذ محمود ملاح [1] پہنچا ہے، وہ کہتا ہے:

''مغنیہ کا یہ کہنا کہ آج تقیے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، یہ تقیے پر تقیہ ہے۔'' [2]

شیعہ کی حدیث کی چار معتبر کتابوں کی جامع کتاب ''الوافي'' میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے اشارہ ملتا ہے کہ مغنیہ وغیرہ شیعیت کا دفاع کرنے والے شیعہ تقیے کے ختم ہو جانے کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں، وہ بھی ان کے شرعی احکام اور تقیے کا حصہ ہے اور یہ ہر رافضی سے مطلوب ہے، تاکہ وہ تقیے کے عقیدے سے بھرپور مستفید ہو سکیں۔

صاحبِ وافی، حسان بن ابی علی سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا:

''ہمارا راز ہمارے ظاہر کے خلاف ذکر نہ کرو اور نہ ہمارا ظاہر ہمارے باطن کے خلاف بیان کرو۔ جو ہم کہتے ہیں، وہی کہو اور جس سے ہم خاموش رہتے ہیں، اس سے خاموش رہو...۔''

وافی کا مولف اس روایت کی شرح میں کہتا ہے:

''یعنی جو ہم لوگوں سے چھپاتے ہیں، اس کو ظاہر نہ کرو، ان سے یہ نہ کہو کہ ہمارا باطن ہمارے ظاہر کے خلاف ہے، ہم ان سے وہ چھپاتے ہیں، جس کے عکس ہم ان کے لیے ظاہر کرتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں، وہ وہ نہیں ہوتا جو ہم چھپاتے ہیں، کیوں کہ یہ تقیے کی مصلحت ختم کر دے گا، جس کی بدولت ہماری اور ہمارے مذہب کی بقا ہے، بلکہ تم ہمارا اسلوب اختیار کرو۔ جو ہم کہتے ہیں، وہی کہو، جس سے ہم خاموش رہتے ہیں، اس سے خاموش رہو اور ہماری موافقت کرو، مخالفت نہیں۔'' [3]

گویا وہ مغنیہ کے اسلوب میں کہہ رہا ہے کہ ''لوگوں سے یہ نہ کہو کہ تقیے کا زمانہ باقی ہے اور ہمارا ظاہر

---

[1] استاذ محمود ملاح ایک عراقی معاصر عالم ہیں، جنھوں نے اخبار ''السجل'' کے صفحات پر اور دیگر رسائل میں اتحاد بین المسلمین کے نام پر شیعہ کے شیعیت پھیلانے کی سازشوں کا بھرپور انداز میں تعاقب کیا ہے، ان کی ایک معروف کتاب ہے، جس کا نام ''الوحدة الإسلامية بين الأخذ والرد'' ہے۔

[2] مجموع السنة (١/ ١١١)

[3] الفيض الكاشاني: الوافي، كتاب الحجة، باب النوادر، المجلد الأول (٢/ ٦٠)

ہمارے باطن کے خلاف ہے، کیونکہ یہ تقیے کے فائدہ کو بے اثر کر دے گا۔

کیا مغنیہ سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مصر کے اساتذہ فلسفہ سے کہے، جن سے وہ محو بحث ہے: تقیہ باقی ہے ... ہم تمھارے ساتھ اس کے مطابق معاملات کرتے ہیں...! جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ اس کے مذہب کے بالکل ہم آہنگ ہے، جو خود تقیے کو بھی چھپانے کا حکم دیتا ہے ... جو شیعہ کے معاصر کتب خانے کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کی کتابوں کا تجزیہ اور تقابل کرتا ہے، وہ یہی موقف اختیار کرے گا کہ تقیے پر عمل موقوف نہیں ہوا۔

گذشتہ مباحث میں ہم نے دیکھا کہ وہ کس طرح اپنے مذہب سے اس عقیدے کی نفی کرتے ہیں، جو ان کے اصول و عقائد میں شامل ہوتا ہے، جیسے رجعت کا مسئلہ ہے اور ایسی دسیوں روایات کے وجود ہی سے انکار کر دیتے ہیں، جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں، جس طرح عبدالحسین نجفی نے قرآن میں تحریف یا نقص کے متعلق ان کے کسی بھی قول یا روایت کے وجود کا انکار کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، بلکہ ایک ہی عالم کے اقوال میں تضاد پایا جاتا ہے، کیوں کہ وہ موقع کی مناسبت اور سامع کے حسبِ حال، تقیہ کر کے گفتگو کرتا ہے۔

یہ مغنیہ بہ ذاتِ خود، جو کہتا ہے کہ تقیہ ختم ہو چکا ہے، اپنی کتاب "الکاشف" میں خامہ فرسائی کرتا ہے: ''شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے۔'' جب کہ وہ اپنی کتاب "في ظلال نهج البلاغة" میں کبار صحابہ کرام پر طعن و تنقید کرتا ہے، ...جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1]

نیز وہ کہتا ہے:

''امامت دینِ اسلام کے اصول و قواعد میں داخل نہیں۔ یہ صرف شیعہ مذہب کا ایک قاعدہ اور عقیدہ ہے، اس کا انکار کرنے والا، اگر توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو مسلمان ہے، لیکن وہ شیعہ نہیں ہوگا۔'' یہ بات وہ اپنی کتاب "مع الشيعة الإمامية" میں کہتا ہے۔[2]

جب کہ وہ اپنی ایک دوسری کتاب "الشيعة والتشيع" میں اپنی عیدِ غدیر[3] کے بارے میں کہتا ہے:

''ہمارے اس دن کا جشن منانا بہ ذاتِ خود قرآنِ کریم، سنتِ نبی، عظیم اسلام اور اسلام کے دن کا جشن منانا ہے۔ عیدِ غدیر منانے سے روکنا دوسرے لفظوں میں کتاب و سنت اور اسلامی تعلیمات و

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۱۳۴) دیکھیں۔

[2] مع الشيعة الإمامية (ص: ٢٦٨) ضمن كتاب الشيعة في الميزان.

[3] شیعہ اپنی اس عید کے متعلق بڑی رومانوی داستانیں تراشتے ہیں، جو عموماً حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتج ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر نقد و تبصرہ ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ٨٤۔ ٨٧) المنتقى (ص: ٤٦٦)

مبادیات سے روکنا ہے۔‘‘[1]

اس کے بعد وہ اپنے معاصر عالم عبد اللہ العلایلی کے اس قول کو بطورِ دلیل پیش کرتا ہے:

عیدِ غدیر اسلام کا حصہ ہے، جس نے اس کا انکار کیا، اس نے بذاتِ خود اسلام کا انکار کیا۔‘‘[2]

دونوں اقتباسات کا تقابل کرنے سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ وہ پہلے اقتباس میں کہتا ہے: ’’جس نے امامت کا انکار کیا، وہ مسلم ہے۔‘‘ اور دوسرے اقتباس میں وہ عیدِ غدیر کے منکر پر، جو شیعہ کی ایک بدعت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم لگاتا ہے کہ وہ بہ ذاتِ خود اسلام کا منکر ہے۔ کیا اس واضح تناقض کی تقیے کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ کی جا سکتی ہے، جو ان کی نس نس میں دوڑ رہا ہے؟

لیکن ان دونوں اقوال میں کون سا قول حقیقت پر مبنی اور شیعہ مذہب کا ترجمان ہے؟ دوسری عبارت بلاشبہہ شیعہ کے قدیم مصادر میں مذکور عقائد کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ شاید جو بات اس نے اس دوسرے قول میں کہی ہو، وہی حقیقت ہو، جو اس مزعومہ عید کے جشن کے جوش اور جذبات میں بے نقاب ہوگئی ہو!

شیعہ کے معاصر کتب خانے نے ایسی کتابیں شائع کی ہیں، جو اہلِ سنت کے درمیان شیعیت کی نشر و اشاعت کے لیے لکھی گئی ہیں، ان کتب کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ ان کتابوں کے مولفین یا تو ملحد اور زندیق ہیں، جن کا مقصد جھوٹ گوئی اور دھوکے بازی کے ذریعے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا ہے یا پھر وہ جاہل رافضی ہیں، جنھوں نے تقیے کے نام پر ہر چیز کو حلال کر لیا ہے۔ لیکن ان کتابوں کی تمام کڑیاں تقیے ہی پر آ کر ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں میں جھوٹ کے عنصر کے واضح ہونے کے باوجود شیعہ حلقوں میں کوئی ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا، جو ان پر تنقید یا حرفِ اعتراض بلند کرتا ہو!

اس کی سبب سے نمایاں مثال ’’المراجعات‘‘ نامی کتاب ہے، جو ان کے آیتِ عظمیٰ عبد الحسین شرف الدین موسوی کی تالیف ہے۔ مبلغینِ رافضیت نے اس کتاب کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور انھوں نے اس کو لوگوں کو دھوکا دینے والے ذرائع میں سے ایک ذریعہ بنا لیا ہے یا زیادہ تفصیلی الفاظ میں، وہ اس کے ساتھ اپنے شیعہ اور پیروکاروں کو دھوکا دیتے ہیں، کیوں کہ اہلِ سنت بالخصوص ان میں سے اہلِ علم اس کتاب کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ ان جیسی دیگر سیکڑوں کتابوں کے بارے میں جنھیں شیعہ چھاپہ خانے شائع کرتے

---

[1] الشيعة والتشيع (ص: ٢٥٨) ضمن كتاب: الشيعة في الميزان.

[2] المصدر السابق (ص: ٢٥٨، حاشيه) علایلی نے یہ بات اپنے ایک خطبے میں کہی ہے، جو لبنانی ریڈیو اسٹیشن نے ۱۸/ ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ کو نشر کیا تھا۔ (المصدر السابق، ص: ٢٥٨)

ہیں، بہ جز اس کے جو شیعہ مذہب کے مطالعے کا خاص اہتمام رکھتا ہو۔ ان لوگوں کا اس کتاب کے ساتھ لگاؤ عشق کی حد تک ہے اور انھوں نے اس کی نشر و اشاعت اور ترویج پر اس قدر زیادہ توجہ دی ہے کہ اس کے ایک سو سے زیادہ اِڈیشن چھپ چکے ہیں، جس طرح ایک رافضی کا دعویٰ ہے۔[1]

بے وقوف پیروانِ مذہب کے درمیان اس کتاب کا فتنہ شاید ابن مطہر حلی کی کتاب ''منہاج الکرامة'' کے فتنے جیسا شر انگیز ہو، جس کے باطل کے پردے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منہاج السنة'' میں چاک کیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ''جھوٹ'' کا تعاقب اور اس کو سرِ بازار رسوا کرنے کے لیے ایک مستقل تحقیق اور تصنیف کے لیے اسباب مہیا کرے۔

تاہم مَیں یہاں اختصار کے ساتھ اس کے مندرجات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ یہ کتاب شیخ الازہر سلیم البشری کے درمیان، جو اس رافضی کے دعوے کے مطابق اہلِ سنت کا ترجمان اور اپنے مذہب کے دلائل پیش کرتا ہے، اور عبدالحسین کے درمیان ہونے والی مراسلت اور خط کتابت پر مشتمل ہے، جو شیعہ مذہب کا ترجمان اور اس کے دلائل پیش کرتا ہے۔

اس مراسلت کے اختتام پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ شیخ الازہر رافضہ کے مذہب کے صحیح ہونے کا اقرار اور اہلِ سنت کے مذہب کے باطل ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ کتاب بلاشک و شبہہ رافضیت پھیلانے کی ایک خود ساختہ سازش اور رافضی چال ہے۔ جو شخص رافضیت کو بڑے نزدیک سے جانتا اور ان کی کتابوں سے واقف ہے، وہ اس اسلوب اور انداز کو کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں سمجھتا، کیوں کہ اس میں کوئی جدت نہیں۔ یہ ان کا پرانا اسلوب ہے، جو ان کے رگ و پے میں داخل ہے۔

پرانے زمانوں میں بھی ان کی یہ عادت تھی کہ یہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اپنی طرف سے ایسی کتابیں لکھ لیتے، جو صحابہ پر طعن و تشنیع اور اہلِ سنت کے مذہب کے بطلان پر مشتمل ہوتیں اور یہ انھیں بعض مشہور اہلِ سنت کی طرف منسوب کر دیتے۔

امام شوکانی نے اپنی کتاب ''الفوائد المجوعة'' میں ''النسخ الموضوعة'' (خود ساختہ نسخے) کے عنوان سے ایک مبحث قائم کیا ہے، اس میں انھوں نے یہ نسخے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان میں سے اکثر نسخے رافضہ نے گھڑے ہیں اور یہ ان کے پیروکاروں کے پاس موجود ہیں۔[2]

---

[1] أحمد مغنية: الخميني أقواله وأفعاله (ص: ٤٥)

[2] الفوائد المجموعة (ص: ٣٢٥)

تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اس اسلوب کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی کتاب ''سر العالمین'' کو بہ طورِ مثال پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب امام غزالی کی طرف منسوب کی اور اس کو ہذیان اور یاوہ گوئی سے بھر دیا۔ انھوں نے اس کتاب کے خطبے اور مقدمے میں امام غزالی کی زبان سے اس کتاب کو چھپانے اور اس امانت کی حفاظت کرنے کی وصیت بھی ذکر کی اور یہ بھی نقل کیا کہ انھوں نے کہا: اس کتاب میں جو ذکر ہوا ہے، وہ میرا عقیدہ ہے، لیکن جو دوسری کتابوں میں ذکر ہوا ہے تو وہ مداہنت کے طور پر ہے۔[1]

مَیں نے شیعہ کی بعض معاصر کتابوں کو دیکھا ہے، جن میں وہ اس کتاب سے حوالے دیتے ہیں اور اس میں مذکور خرافات کو اہلِ سنت کے خلاف بہ طورِ دلیل بھی پیش کرتے ہیں[2]۔ اس کتاب کے متعدد اِڈیشن چھپے ہیں۔[3]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی ذکر کرتے ہیں:

''تین مستشرقین گولڈ زیہر، بویج اور مکڈونلڈ کا یہ موقف ہے کہ یہ کتاب امام غزالی کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے۔''[4]

عبدالرحمٰن بدوی بھی بڑے وثوق اور قطعیت کے ساتھ یہی موقف رکھتا ہے اور وہ اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے:

''جو بات قطعیت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ کتاب امام غزالی کی نہیں، وہ اس کے صفحہ (۸۲) پر ذکر ہونے والا اس کا یہ قول ہے: میں جب جوان تھا تو یوسف بن علی شیخ الاسلام کی معیت میں معری نے خود مجھے یہ شعر سنایا۔ معری تو ۴۴۸ھ کو فوت ہوگیا تھا، جب کہ غزالی کی پیدایش ہی ۴۵۰ھ میں ہوئی، لہٰذا اس نے کس طرح خود یہ شعر ان کو سنایا؟''[5]

---

[1] مختصر التحفة الأثنى عشرية (ص: ٣٣) نیز دیکھیں: السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: كشف الاشتباه للرافضي عبد الحسين الراشتي، المطبوع في المطبعة العسكرية بطهران في ١٣٦٨هـ.

[3] طبع في بومباي سنة ١٣١٤هـ وفي القاهرة سنة ١٣٢٤هـ و سنة ١٣٢٧هـ وفي طهران بغير تاريخ (نیز دیکھیں: عبدالرحمن بدوي: مؤلفات الغزالي، ص: ٢٢٥)

[4] مؤلفات الغزالي (ص: ٢٧١)

[5] المصدر السابق (ص: ٢٧١) عجیب بات یہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ پر بھی یہ بات مخفی رہ گئی اور انھوں نے یہ کتاب امام غزالی کی طرف منسوب کر دی۔ (ميزان الاعتدال: ١/ ٥٠٠) یا ممکن ہے کہ امام غزالی کی واقعتاً اس نام سے کوئی کتاب ہو اور رافضہ نے اسی نام سے ایک کتاب لکھ کر اس کی نسبت امام غزالی کی طرف منسوب کر دی۔

یہاں ماضی کا صفحہ کھولنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کتاب ''المراجعات'' ان سازشوں کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے، جن کی جڑیں زمانے کی گہرائی تک پھیلی ہوئی ہیں اور روافض نے ان کو زندہ رکھا ہوا ہے، تا کہ کہیں وہ اپنے پیروکاروں سے محروم نہ ہو جائیں اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور رافضیت پھیلاتے رہیں۔

آمدم برسرِ مطلب! یہاں ہم اختصار کے ساتھ اس کتاب میں موجود ان علامات کا ذکر کریں گے، جو قطعیت کے ساتھ اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

① کتاب ''المراجعات'' میں درج کردہ خطوط کا اسلوب، جو فکری، ثقافتی، علمی اور معاشرتی ماحول کے اعتبار سے دو مختلف شخصیات کی ترجمانی کرتا ہے، ایک ہی انداز اور روش پر ہے، اس میں کوئی فرق یا امتیاز نہیں، جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کو بنانے والا ایک ہی شخص ہے، جو عبدالحسین ہے اور یہ کتاب خود ساختہ ہے۔

② شیخ الازہر جو اس وقت علم اور رتبے کی وجہ سے شیخ الازہر ہوتا تھا، محض ایک سرکاری منصب کے طور پر نہیں، وہ ان خطوط میں ایک طفلِ مکتب کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، جس کا کام اس رافضی کے ہر قول کو بلا چوں چرا تسلیم کرنے، بلکہ اس کے ہر حرف کی تعریف و ثنا اور تعظیم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، چاہے شیعی کا جواب باطنی تفسیر ہی کیوں نہ ہو، جس کا قرآنی آیات کے ساتھ ادنا سا ربط بھی نہ ہو۔[1]

یہ ایسی گمراہی ہے، جن کا اہلِ سنت کے چھوٹے چھوٹے طالبِ علم بھی ادراک رکھتے ہیں، بلکہ عوام بھی انکار کر سکتے ہیں۔ یا وہ جواب کسی موضوع حدیث کی توثیق، یا کسی خرافت کی تصدیق ہی پر مشتمل کیوں نہ ہو، اس رافضی نے شیخ الازہر سے ان روایات کی صحت اور تواتر کا اقرار نقل کیا ہے، جو اہلِ حدیث (محدثین) کے نزدیک ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، جن کا موضوع یا ضعیف ہونا مبتدی طلبہ علم پر بھی عیاں ہے، چہ جائیکہ شیخ ازہر! وہ بھی بالخصوص اس وقت میں جب مشیختِ ازہر کے منصب پر صرف وہی فائز ہو سکتا تھا، جو علم کے چشمہ صافی سے سیراب شدہ اور علومِ اسلامیہ میں مکمل مہارت رکھتا ہو۔[2]

یہی نہیں، بلکہ اس رافضی نے شیخ ازہر کو ایسے شخص کی صورت میں پیش کیا ہے، جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اہلِ سنت کی کتابوں میں، شیعہ کی کتابوں میں نہیں، احادیث کہاں تلاش کی جا سکتی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ

---

[1] اس کی قرآنی آیات کی باطنی تاویلات کے لیے دیکھیں: مراجعاته (ص: ٦٢۔ ٧٣)

[2] دیکھیں: المراجعات (ص: ٥٥۔ ٦٠) نیز دیکھیں: البينات في الرد على أباطيل المراجعات (ص: ٤٥ وما بعدها)

رافضی سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ ان کو اس کے سامنے ذکر کرے۔[1]

کیا شیخ ازہر ان سے ناواقف ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس کئی کتب خانے ہیں، کیا وہ ان سے ان کو تلاش کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟ اس کے پاس علمائے ازہر اور طلبۂ ازہر کی ایک فوج ہے، ان کے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ کام اس رافضی کے سر لگا سکتا ہے؟ محدثین اہلِ سنت کے ہاں کب سے رافضی حدیث نقل کرنے میں امانت دار ہو چکے ہیں؟؟!!

③ کتاب کی یہ رافضی اشاعت کسی بھی قسم کے حوالے سے خالی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں، جو ذرائعِ توثیق میں سے کسی ایک ذریعے کے ساتھ بھی ان کی صحت کی تصدیق کر سکے، مثلاً وہ، اس کے دعوے کے مطابق، ایک دوسرے کو بھیجے گئے ان ۱۱۲ خطوط میں سے کسی ایک خط کی فوٹو کاپی ہی چسپاں کر دیتا، جن میں سے شیخ ازہر کے ۵۶ خطوط ہیں!

یہ تمام خطوط ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے تو اس نے کیوں کوئی ایک بھی خط چسپاں نہیں کیا، جو اس کے موقف کی تائید کرتا؟ بالخصوص وہ خطوط جو شیخ ازہر کے حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرنے اور اہلِ سنت کا مذہب ترک کر کے رافضیت قبول کرنے کے انتہائی سنگین معاملے پر مشتمل تھے۔

اس رافضی کا اپنے اس دعوے کی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہونا ہی اس کے دعوے کے باطل ہونے کی دلیل اور ان خطوط کی شیخ سلیم کی طرف نسبت کرنے میں کذب بیانی کی برہان ہے، بلکہ یہ اس موضوع کو جڑ ہی سے اُکھاڑ دیتی ہے۔

یہ دعویٰ صرف اس رافضی کی طرف سے کیا گیا ہے، شیخ سلیم سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی، جو اس پر دلالت کرے اور یہ رافضی، جو رافضیت کو ان کی طرف منسوب کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، ان کی ساری زندگی میں اس کا کوئی اثر اور نشان نہیں ملتا، بلکہ یہ رافضی اس کتاب کو ان کی زندگی میں چھاپنے کی جرأت نہیں کر سکا اور اس نے اس کو ان کی وفات کے بیس سال بعد چھاپا،[2] جب اس کو اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ سوجھی تو یہ خود اپنے آپ کو اپنے مقدمے میں رسوا اور ننگا کرنے پر مجبور ہو گیا۔

کیوں کہ اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے خطوط لکھے، جو سلیم بشری کے اسلوب اور انداز میں ہوں نہ وہ بشری کے ہاتھ کی لکھائی کے ساتھ ان خطوط کی فوٹو کاپی ہی شائع کر سکتا تھا، اس لیے اس کو ان

---

[1] مثال کے طور پر دیکھیں: المراجعات (ص: ۲۳۷)

[2] بشری کی وفات ۱۳۳۵ھ کو ہوئی۔ دیکھیں: الأعلام (۳/ ۱۸۰)

خطوط کو خود بنانے کا اعتراف کرنا پڑا۔

وہ کہتا ہے:

''میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ صفحات انھی عبارتوں پر مشتمل ہیں، جو اس وقت ہمارے درمیان خطوط کے تبادلے کے دوران میں لکھی گئیں نہ میں یہ دعویٰ ہی کرتا ہوں کہ ان مراجعات کے الفاظ میں سے کوئی لفظ ایسا ہو، جس کو میرے قلم نے نہ لکھا ہو۔''[1]

اگر ان مراجعات کو اس کے قلم کے علاوہ کسی دوسرے کے قلم نے نہیں لکھا، پھر وہ شیخ الازہر پر اس برائی کی تہمت کیوں لگاتا ہے؟ اس کے بعد اس نے اس رسوائی کے ساتھ ایک اور رسوائی کا اضافہ کیا ہے۔ اس کے بقول: ''اس نے ان خطوط میں جہاں جہاں موقع کی مناسبت دیکھی اور نصیحت و راہنمائی نے تقاضا کیا، وہاں وہاں اضافہ بھی کیا۔''[2]

یہ ایک دوسرا اعتراف ہے کہ اس نے شیخ ازہر کی طرف بہت کچھ منسوب کیا ہے، جو انھوں نے نہیں کہا، لیکن اس نے اس جھوٹ کو جواز مہیا کرنے کے لیے کہا کہ یہ جہاں نصیحت کا تقاضا تھا، وہیں ہوا۔ ایسا کام اہلِ تقیہ کے نزدیک درست ہے!!

اس قوم نے اگر رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو بھی نہیں بخشا اور ان پر جھوٹ باندھا ہے تو اس کے بعد اگر وہ دوسروں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کریں تو کیا اس کو بہت گراں سمجھا جائے گا؟ یہ بھی تقیے کی ایک صورت اور عصرِ حاضر میں اس کی ایک نمایاں مثال ہے، اس باب میں بہت زیادہ مثالیں ہیں اور تقیے کے نام پر جھوٹ کی اقسام مختلف اور متنوع ہیں، جو ایک مستقل تحقیق کی محتاج ہیں۔[3]

---

[1] دیکھیں: مقدمة المراجعات (ص: ۲۷)

[2] المصدر السابق.

[3] "لما ذا اخترت مذهب الشيعة" نامی ایک کتاب بھی اسی کی مثال ہے، اس میں ایک مَن گھڑت واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس کے مطابق اہلِ سنت کے ایک بڑے عالم محمد مرعی انطا کی کے سامنے جب اہلِ سنت کے مذہب کا باطل ہونا واضح ہوگیا تو اس نے اس کو ترک کر کے رافضیت قبول کر لی۔ یہ کتاب جھوٹ، افترا، دسیسہ کاری اور جعل سازی سے بھری پڑی ہے، جو رافضہ کی، تقیے کے عقیدے کے مطابق، فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔
جو شخص علومِ اسلامیہ میں ماہر ہو، کیا وہ رافضہ کے عقیدے سے دھوکا کھا کر ان کے غائب امام کے انتظار کی کہانی پر یقین کر سکتا ہے، جس کا وہ گیارہ صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں؟ یا وہ رجعت کے افسانے کو سچا مان سکتا ہے، جس میں وہ اصحاب رسول ﷺ، اصہارِ رسول اور بعض امہات المومنین سے انتقام لیں گے یا وہ شیعہ کے عقیدہ بدا پر ایمان لا سکتا ہے؟
کوئی شخص اس جیسے مذہب سے فریب نہیں کھا سکتا، اس لیے کسی بزرگ کا یہ قول ہے کہ کسی عجمی (دین سے ناواقف) یا ←

یہ انتہائی خطرناک اسلوبِ وضع ہے۔ روافض اس میں پیش وارانہ مہارت رکھتے ہیں اور یہ ان کے تقیے کے اعمال میں سے ایک مستقل عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بنا پر سویدی نے ذکر کیا ہے کہ ''اس اسلوب کے مطابق بہت ساری کتابوں کی نسبت کی گئی اور اس کو صرف وہ شخص جانتا ہے جو اہلِ سنت کے کلام کے مزاج سے آشنا ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ایک رافضی کی زبان پر حق جاری کر دیا اور اس کے منہ سے یہ حقیقت اگلوائی، چنانچہ شیعہ کا ایک معاصر علمی ستون سلیم بن قیس کی کتاب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ کتاب اور ان کی دیگر جملہ کتابیں صحیح غرض کے لیے خود بنائی گئیں۔''[2]

یعنی جن کی طرف ان کی نسبت کی گئی ہے، وہ غلط اور جھوٹ ہے، گویا شیعہ کے نزدیک جب غرض اور مقصد صحیح ہو تو اس کے لیے وضع کرنا ان کے لیے جائز ہے۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہم اس تحقیق اور مطالعے میں اپنے قلم کو مزید آزاد نہیں چھوڑ سکتے،[3] کیوں کہ یہ باب معاصر کے لیے خاص ہے۔

شیعہ علما اپنے پیروکاروں کے ساتھ بھی تقیے کے روپ میں پیش آتے ہیں:

شیعہ جو اپنے بعض علما کی زبان سے یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ تقیہ اٹھ چکا ہے، وہ ابھی تک تقیے کو نہ صرف اہلِ سنت کے خلاف، بلکہ اپنے پیروکاروں کے خلاف بھی استعمال میں لاتے ہیں۔

شیعہ کے بعض معاصر علما باطن کو چھپا کر اپنے شیعہ پیروکاروں کے ساتھ بھی تقیے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں، جو ہم کر رہے ہیں، بلکہ خود ان کے اعتراف کے ساتھ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

← نوعمر کے بارے میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ بدعت قبول نہ کر لے...وگرنہ جس شخص نے دینی وشرعی علم کے چشمے سے اپنی علمی تشنگی کی پیاس بجھائی ہو، وہ روافض کے جھوٹوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔ (دیکھیے: مقدمہ کتاب، ص: ٢٣)

بنا بریں اہلِ علم نے کہا ہے کہ رافضہ کے علما ان دو اشخاص میں سے ایک شخص ضرور ہیں، یا تو وہ جاہل ہیں یا زندیق۔ (دیکھیں: منهاج السنة: ٤/ ٧٧) یہ باطنی جو ''الانطا کی'' کے نام سے بلایا جاتا ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ وہ حلب میں اقامت پذیر ہے اور وہ اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب پر کام کرتا ہے، یہ ایک غیر معروف شخص ہے، اس کو حلب کا کوئی بھی صاحبِ علم نہیں جانتا، مجھے اس کے متعلق کئی اشخاص نے بتایا، جن میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہ بھی ہیں۔

[1] السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥ مخطوط)

[2] الشعراني: تعليقات علمية على الكافي مع شرحه للمازندراني (٢/ ٣٧٣۔ ٣٧٤)

[3] اس باب کے لیے مستقل بحث و تحقیق کی ضرورت ہے، کیوں کہ ایک تو یہ بڑا مہیب امر ہے اور دوسرا شیعہ مذہب کی حقیقت جاننے کے لیے یہ بہت اہم معاملہ ہے۔

شیعہ کے تین بڑے بڑے علما نے اپنے دین کے ایک فرعی فقہی مسئلے کی غلطی کا اعلان کرنے سے محض عوام کے خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو روک لیا۔ وہ اس کے غلط ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور صرف اپنے خاص لوگوں کے سامنے خفیہ طور پر اس کے خلاف کہتے تھے۔[1]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا، یہ وہی شخص ہے جو کہتا ہے کہ تقیہ اٹھ چکا ہے، یعنی شیعہ کا عالم محمد جواد مغنیہ، اس کے الفاظ ہیں:

''اہلِ کتاب کی نجاست کے قول نے شیعہ کے لیے ایک معاشرتی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور انھیں انتہائی تنگی اور سختی میں ڈال دیا ہے، بالخصوص جب وہ کسی عیسائی مغربی ملک کا سفر کریں یا وہ ایسے ملک کے باشندے ہوں، جہاں عیسائی بھی رہتے ہوں، جیسے لبنان ہے۔

''تین بڑے بڑے مراجع تقلید وفتویٰ ایک دوسرے کے ہم عصر ہوئے ہیں، پہلا شیخ محمد رضا آلِ یاسین نجف اشرف میں، دوسرا سید صدر الدین صدر قم میں اور تیسرا سید محسن الامین لبنان میں، ان تمام نے ان کے طاہر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ انھوں نے یہ راز ان کے سپرد کیا، جن پر ان کو اعتماد تھا اور انھوں نے فتنہ انگیز لوگوں کے خوف سے اس کا اعلان نہ کیا، حالاں کہ آلِ یاسین ان سب سے زیادہ جرأت مند تھا۔ مجھے بھی یقین ہے کہ آج اور کل کے کئی فقہا ان کی طہارت ہی کے قائل ہیں، لیکن وہ اہلِ جہل سے ڈرتے ہیں، حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس ے ڈرتے۔''[2]

مغنیہ اپنی تفسیر ''الکاشف'' میں ذکر کرتا ہے کہ ان کے امام اکبر خوئی نے اپنی رائے اس کے سامنے بیان کی، جس پر اس کو اعتماد تھا۔[3]

اسی طرح ایک اور رافضی، کاظم کفائی کہتا ہے:

''ان کے امام ''الغطا'' نے اپنے خاص لوگوں کو ان کی طہارت کا فتویٰ دیا، کیوں کہ عام لوگوں کی عقلیں اس کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔''[4]

---

[1] حالاں کہ وہ مسلسل اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر ایک فرعی مسئلے کے متعلق ان کا یہ موقف ہے تو ان سے یہ کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ان اصول وعقائد پر نظر ثانی کریں گے، جن میں وہ امت کے خلاف ہیں!

[2] مغنية: فقه الإمام جعفر الصادق (ص: ٣١۔ ٣٣)

[3] مغنية: الكاشف (٦/ ١٨)

[4] ڈاکٹر علی السالوس نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ (دیکھیں: فقه الإمامية، ص: ٨١، حاشیہ)

ڈاکٹر علی سالوس اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اسی طرح علم ضائع ہوتا ہے اور اسلام پر افترا پردازی کی جاتی ہے، کیوں کہ وہ لوگ جنھیں علم میں امانت دار سمجھا گیا، انھوں نے اسے ضائع کر دیا اور اس میں دروغ بافی سے کام لیا، کیوں کہ وہ لوگوں سے تو ڈرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے!!''[1]

میں یہاں اضافہ کرتے ہوئے کہوں گا کہ علمائے شیعہ کا جاہل شیعہ اور شیعہ عوام سے تقیہ کرنے یا ان کی رعایت رکھنے کا ایک یہ سبب بھی ہے کہ یہ لوگ ان کے رزق کا منبع ہیں، کیوں کہ وہ ان سے ''خمس'' کے نام پر مال بٹورتے ہیں۔

اگر ایک فرعی مسئلے کے متعلق پانچ معاصر کبار مراجع شیعہ کا یہ موقف ہے، جس کے غلط ہونے کا ان کو یقین ہے، تو ان سے کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ یہ اپنے اصول و عقائد کی اصلاح کے لیے صحیح دعوت قبول کریں گے؟ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ اس وقت تک تقیہ چھوڑیں گے نہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے، جب تک ان کا قائم نہ آ جائے، جس طرح ان کی روایات، اقتباسات اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

شیعہ کے نزدیک حالات و واقعات کے مطابق تقیہ استعمال کرنے میں سختی و نرمی اور کمی بیشی ہوتی ہے، یعنی جب شیعہ کو قوت و اقتدار اور بادشاہت حاصل ہو تو تقیے پر عمل و التزام کمزور ہو جاتا ہے۔

اگر ہم ان کی ان کتابوں کا تقابل، جو دولتِ صفویہ کے علما نے لکھیں، جیسے: مجلسی نے "بحار الأنوار" لکھی، نعمت اللہ جزائری نے "الأنوار النعمانية"، کاشانی نے "تفسير الصافي" ہیں اور بحرانی نے تفسیر البرہان میں جو لکھا، ان کتابوں کے ساتھ کریں، جو ان کے سابقین اور پیشروؤں نے سلطنتِ اسلام کی قوت و شوکت کے وقت لکھیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اول الذکر لوگوں نے بڑی جراَت سے شیعہ کے وہ عقائد بیان کیے ہیں، جو ان کے نزدیک قابلِ راز تھے، جب کہ موخر الذکر لوگوں کی تقریباً ہر عبارت کے آخر میں راز کو محفوظ رکھنے اور نظریے کو چھپانے کا حکم ملے گا۔[2] حتی کہ شیعہ کے نزدیک مسئلہ ولایت بھی بادی الامر میں راز کی چیز تھی۔[3]

ان تمام باتوں کے بعد یہ معاصرین کے جملہ عقائد و افکار اور آرا ہیں، جو اس زمانے میں ان کے

---

[1] علي السالوس: فقه الإمامية (ص: ٨١، حاشيه)

[2] مثلاً اسی کتاب (ص: ٩٩٦) میں ''عقیدہ طینہ'' کی روایت ملاحظہ کریں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٢٠٧) دیکھیں۔

اعتقادی منہج کو بیان کرتے ہیں۔ میں نے انھی چیزوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے، جو ان کی طرف سے نئی سامنے آئیں یا نئے دعوے کیے گئے۔ گزری ہوئی باتوں پر میں نے قلم نہیں اٹھایا، کیوں کہ جب تک ان بنیادی کتابوں اور ماخذ کے ساتھ ان کا تعلق قائم اور مضبوط ہے، جو ان کے دین کے بنیادی مصادر ہیں، تب تک بہتری کی کوئی امید رکھنا فضول ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ معاصرین، متقدمین شیعہ سے زیادہ خطرناک ہیں، کیوں کہ پہلی صدیوں نے جو جعل سازی اور دسیسہ کاری کی، وہ سب ان کو وراثت میں مل چکی ہے، انھوں نے ان کو اپنے معتبر مصادر قرار دیا ہے اور جدید پریس نے ان کی ان کتابوں کو چھاپنے اور عام کرنے کا کام اپنے سر لے کر آسان کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی کمزوری ان کی سرگرمیوں کے تیز ہونے کا ایک سبب ہے اور جہالت کا عام ہونا اور اہلِ سنت کا کمزور ہونا، ان سے متاثر ہونے اور ان کی گمراہی کی تاثیر کا ایک اہم عامل ہے۔

چوتھی فصل

''آیات'' کی سلطنت وحکومت

جب یہ ثابت ہوگیا کہ معاصر شیعہ کا اپنے قدما کے ساتھ گہرا تعلق اور ربط قائم ہے، بلکہ جو قدما کے ہاں غلو سمجھا جاتا تھا، وہ معاصرین کے ہاں مذہب کی ضرورت بن چکا ہے، تو کیا اس کے بعد ان کی ریاست پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت رہتی ہے؟ کیا ہر دیدہ و بینا کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہیں ہو چکا؟

یقیناً ایسے ہی ہے، لیکن ان کی موجودہ ریاست اور حکومت کو خصوصی طور پر تحقیق و تجزیے کا موضوع بنانے کا سبب دو بنیادی امور ہیں:

پہلا سبب:

اس ریاست نے اپنے زعیم کی زبان اور اپنے دستور کی عبارت اور مندرجات کے ذریعے سے اثنا عشری تشیع کے دائرے میں ایک نئی سوچ پیش کی ہے، جس نے شیعہ علما کے درمیان ایک جدل اور بحث کو جنم دیا ہے، جس کی تائید کرنے والے بھی ہیں اور مخالفت کرنے والے بھی۔ اس نظریے کے مطابق مہدی کی طویل پوشیدگی اور ظاہر ہونے میں تاخیر کی وجہ سے اس کے فرائض منصبی اور اختیارات مکمل طور پر شیعی فقیہ کے سپرد کر دیے جائیں۔ اس کی تفصیل اور آثار کے بارے میں گفتگو آگے ذکر ہوگی، کیوں کہ خمینی نے اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد ان کے مہدی منتظر کے تمام اختیارات اور فرائض سنبھال لیے تھے۔

دوسرا سبب:

یہ بات زبان زدِ خاص و عام ہے کہ یہ وہ واحد ملک ہے، جو اس زمانے میں اسلام کی نمایندگی کرتا ہے، شیعہ علما ہی مسلمانوں کے مراجع اور فتویٰ دینے کے اہل ہیں اور اس کے بانی مجدد تھے، یہ بات آج بعض مسلمانوں میں بھی رائج اور مشہور ہو چکی ہے۔

ان کا ملک اور ریاست قائم ہونے کے بعد کہا گیا:

''شیعہ مذہب اپنی حقیقی پاکیزگی، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ولا اور دوستی، آلِ بیت کے

ساتھ اللہ کی رضا کی خاطر سچی محبت، کی طرف لوٹ آئی ہے، جس میں دوسرے مسلمانوں بالخصوص اصحابِ رسول ﷺ میں سے کوئی اپنا احترام نہیں کھوئے گا۔"[1]

بعض اخبارات نے یہ دعویٰ کیا کہ "وہ ردعمل جو خمینی کی تحریک نے پیدا کیے، ان کا باعث صرف یہ تھا کہ خمینی کی تحریک سو فیصد اسلامی تحریک تھی۔"[2]

بلکہ تیونس کے "المعرفة" نامی جریدے نے تو خمینی کو اسلام کی خدمت کے لیے شاہ فیصل ایوارڈ کے لیے بھی نامزد کیا۔[3] اسی راستے پر کچھ دوسرے جرائد اور رسالے بھی چلے جیسے الرائد[4]، الدعوة[5]، الرسالة[6] اور امان[7] وغیرہ اور یہ تمام مجلّات اہلِ سنت کی طرف منسوب ہیں۔

بعض اہلِ سنت کی طرف منسوب افراد نے خمینی اور اس کے انقلاب کے بارے میں کئی تحریریں لکھیں، جن میں اس کو سراہا گیا اور اس کو اسلامی حکومت کی صحیح مثال قرار دیا۔[8]

بعض اسلامی تحریکات نے ایسے بیانات جاری کیے، جو خمینی کے منہج کی تعریف اور تائید پر مشتمل تھے، حتیٰ کہ اخوان المسلمون کی انٹرنیشنل تنظیم کے بیان میں خمینی کی حکومت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

"یہ دنیا میں اکیلی اسلامی حکومت ہے۔"[9]

اس فتنے کے سیاہ بادل مکمل طور پر چھا چکے تھے، جس کے آثار ابھی تک باقی ہیں، اگرچہ بہت سارے لوگ ہوش میں آ چکے ہیں اور ان کے سامنے حقیقت واضح ہوچکی ہے، اس کے باوجود ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں کہ جو خمینی پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، وہ ان کو محض ایک "خود ساختہ" شور سے تعبیر کرتے ہیں۔[10]

---

[1] مجلة البلاغ (العد: ٥١٢) ٩ ذی القعدة ١٣٩٩هـ

[2] مجلة الاعتصام، العدد الخامس، السنة الثانية والأربعون، ربيع أول ١٣٩٩هـ

[3] دیکھیں: مجلة المعرفة التونسية (العدد: ٩) السنة الخامسة، ذی الحجة ١٣٩٩هـ

[4] دیکھیں: الرائد الألمانية (العد: ٣٤) ذی الحجة ١٣٩٨هـ (ص: ٢٥۔ ٢٦)

[5] دیکھیں: الدعوة المصرية (العدد: ٣٠) في ١/ ١٢/ ١٣٩٨هـ (ص: ٨)

[6] دیکھیں: رسالة اللبنانية (العدد ٢٩) جمادى الثانية ١٣٩٩هـ

[7] دیکھیں: الأمان بنانية (العد: ٣١) ٩ شوال ١٣٩٩هـ

[8] ① مثلًا الخمينى، الحل الإسلامي والبديل، تأليف: فتحي عبد العزيز، ناشر در المختار الإسلامي. ② "مع ثورة إيران" المركز الإسلامي آخن. ③ "نحو ثورة إسلامية" لمحمد عنبر.

[9] دیکھیں: الشيعة والسنة ضجة مفتعلة، وهو من سلسلة الكتب التي تصدرها دار المختار الإسلامي (ص: ٥٢)

[10] دیکھیں: المصدر السابق.

شیعہ نے اپنے مذہب کی اشاعت اور پروپیگنڈے کے لیے اس ماحول اور فضا سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسلامی اخبار کی اس ابلاغی اور تشہیری مہم نے نوجوانانِ اسلام کے سامنے اس حقیقت کو چھپانے میں حصہ ڈالا، کیوں کہ یہ اخبارات اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اختلافات کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتیں کہ ان میں صرف یہ اختلاف ہے کہ ابوبکر وعلی میں سے خلافت کا زیادہ حق دار کون تھا۔ وہ ایک امت تھی، جو گزر چکی ہے اور آج یہ اختلاف کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہا، جس کی کوئی حیثیت ہو۔

چنانچہ یہ صورتِ حال اور ماحول فتنے اور رافضیت کو پھیلانے کے لیے زرخیز میدان تھا، اس لیے اس حقیقت کو بیان کرنے اور لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے تجدید اور تغیر و اصلاح کے اس دعوے پر تنقیدی بحث کرنا از حد ضروری ہے اور شاید اس ریاست کے بانی کی فکر و سوچ اور اس کے دستور کے مواد اور شقوں کا تجزیاتی مطالعہ کرنا اس کے بارے میں حقیقت پسندی اور غیر جانبداری پر مشتمل حکم صادر کرنے میں معاون ثابت ہو۔[1]

---

[1] میں نے اپنے ایم۔اے کے مقالے میں خمینی اور تقریب کے موضوع پر لکھا ہے۔ اب اس تحقیق میں میں اس موضوع کے لیے ایسے پہلو بے نقاب کر کے اس کو مکمل کروں گا، جن پر شاید اس سے پہلے خمینی کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر خامہ فرسائی نہیں کی گئی۔

جدید شیعہ ریاست کے بانی کے افکار

خمینی کی، ''کشف الاسرار'' [1]، "تحرير الوسيلة"، "الحكومة الإسلامية"، "مصباح الإمامة والولاية"، "رسائل التعادل والترجيح"، "التقية"، "دروس في الجهاد والرفض" اور ''سر الصلاۃ'' وغیرہ کتابوں میں اس کی تحریروں کے مطالعے کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اس کے کئی رجحانات ہیں، جن میں شاید درج ذیل اہم ہیں:

① بت پرستانہ رجحان۔

② غالی صوفیانہ رجحان۔

③ نبوت کا دعویٰ۔

④ رافضیت میں غلو۔

⑤ عمومی ولایتِ فقیہ (یا منتظر کی مکمل نیابت)

① بت پرستانہ رجحان [2]:

خمینی اپنی کتاب "كشف الأسرار" میں شرک کے داعی اور مشرکین کی قوم کے وکیل کی حیثیت سے نمودار ہوا ہے۔ وہ اس عنوان ''مُردوں سے حاجات طلب کرنے میں کوئی شرک نہیں'' کے تحت لکھتا ہے:

''ممکن ہے کہا جائے کہ مُردوں کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے حاجت طلب کرنا شرک ہے، کیونکہ نبی اور امام جمادات کے سوا اور کچھ نہیں، ان سے کسی نفع یا نقصان کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

''جواب: شرک غیر اللہ سے اس عقیدے کے ساتھ حاجت طلب کرنے میں ہے کہ غیر کو معبود اور رب سمجھا جائے، لیکن جب اللہ کے علاوہ دوسرے کے متعلق یہ عقیدہ رکھے بغیر حاجت طلب کی

[1] یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے کئی حصوں کو ایک فارسی جاننے والے شخص نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ کے ایک استاذ نے۔ اللہ اس کو جزائے خیر دے۔ مجھے اس کی فوٹو کاپی ارسال کی ہے۔

[2] میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے خمینی کے اس رجحان کو، اس کی خطرناکی اور سنگینی کے باوجود، موضوعِ سخن بنایا ہو۔

جائے تو وہ شرک نہیں ہوتا اور اس مفہوم میں مُردہ اور زندہ کے درمیان کوئی فرق نہیں، اس لیے اگر کوئی کسی پتھر یا کچی اینٹ سے مدد مانگے تو وہ شرک نہیں ہوگا، حالانکہ اس نے ایک باطل کام کیا ہے۔ دوسری طرف سے ہم انبیا کی مقدس ارواح اور ائمہ سے مدد طلب کرتے ہیں، جن کو اللہ نے قدرت دی ہے۔ یہ امر قطعی دلائل اور عقلی مضبوط براہین سے ثابت ہو چکا ہے۔ روح کی مرنے کے بعد زندگی ہوتی ہے اور اس جہاں میں ارواح کا مکمل احاطہ ہوتا ہے۔''[1]

اس کے بعد اس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ یہ اقتباس درج ذیل امور پر مشتمل ہے:

1. اس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا پتھروں، بتوں اور قبروں کو پکارنا شرک نہیں، اگر پکارنے والا یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ معبود اور رب ہیں۔ یہ باطل اور جھوٹی بات ہے، کیونکہ یہ بعینہٖ شرک اکبر ہے، جس کی تردید کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ یہ انھی مشرکوں کا شرک ہے، جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیا۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مشرکین اپنے ''بتوں'' کے متعلق یہ قطعاً عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ رب ہیں، بلکہ وہ تو یہ کہتے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ٣]

''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔''

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [یونس: ١٨]

''اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

---

[1] كشف الأسرار (ص: ٣٠)

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴾ [المؤمنون: ٨٤۔ ٨٩]

''کہہ یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟''

اس سے ثابت ہوا کہ مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور ہر چیز کے خالق ہونے کا اقرار کرتے تھے، اس کے باوجود وہ مشرک تھے، ان کا شرک بھی یہی شرک تھا، جس کی خمینی دعوت دیتا ہے۔

۲. خمینی کا یہ عقیدہ کہ فوت شدہ ائمہ نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور وہ ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ بلاشک وشبہہ شرکِ اکبر ہے۔ مُردے اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ کیا اس عقیدے اور مشرکینِ قریش کے شرک اور دیگر مشرک قوموں کے شرک کے درمیان کوئی فرق ہے، جن کا اکثر شرک اسی نوع کا تھا؟[1]

۳. اس کا یہ دعویٰ کہ روحیں اس عالم پر مکمل احاطہ رکھتی ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے مُدّعا کو ثابت کرنے کے لیے فلسفے کے طومار میں ہاتھ مارتا ہے۔ اس عالم کا احاطہ کرنے والی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴾ [النساء: ١٢٦]

''اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔''

روح مخلوق ہے اور اس کا انجام متعین ہے۔ یہ جسم کو چھوڑنے کے بعد یا نعمت میں ہوگی یا عذاب میں، اس کا عالم کے احاطے میں کوئی حصہ نہیں، لیکن انسان پر اس کی اصل اور نسل کا اثر تو ضرور ہوتا ہے، اس لیے اگر

[1] دیکھیں: شرح الطحاویة (ص: ٢٠)

وہ اس طرح کی باتیں کر رہا ہے تو کچھ عجب نہیں، کیوں کہ جو انسان فلاسفہ کے الحاد اور رافضہ کے غلو کو ایک ساتھ اکٹھا کرتا ہے، اُس سے اِس سے بھی قبیح چیزیں صادر ہوسکتی ہیں۔

انسان کی حرکت وعمل پر کواکب اور ایام کی تاثیر کا عقیدہ:

خمینی فکر شرک اور مشرکین کے اوہام کی اسیر ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ ہر مہینے میں چند دن منحوس ہوتے ہیں، جن میں ہر شیعہ پر لازم ہے کہ وہ ہر کام چھوڑ دے، نیز چاند کے بعض برجوں میں منتقل ہونے کی بھی انسان پر منفی تاثیر ہوتی ہے، اس لیے ایک شیعی کو چاہیے کہ جب تک چاند اس متعین برج سے گزر نہ جائے، اتنے دنوں تک وہ اپنے کسی مخصوص منصوبے پر کام کرنا چھوڑ دے۔ بلاشبہہ جو انسان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنوں اور ستاروں کی خوش بختی حاصل کرنے یا کوئی نقصان پیدا کرنے یا دور کرنے میں تاثیر ہوتی ہے، وہ مشرک اور کافر ہے اور وہ وہی عقیدہ ہے، جو صابئہ (ستارہ پرست) ستاروں کے متعلق رکھتے ہیں۔

خمینی کے اس رجحان کی شاہد "تحریر الوسیلۃ" میں اس کی یہ تحریر ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''چاند جب برج عقرب میں ہو اور مہینے کے آخر دن میں ہو، جب وہ مکمل چھپ جاتا ہے اور نیا نکلنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو ہر مہینے کے ان سات منحوس دنوں میں، جو تیسرا، پانچواں، تیرھواں، سولہواں، اکیسواں چوبیسواں اور پچیسواں دن ہیں، شادی کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔''[1]

یہ خمینی کا عقیدہ ہے، اس پر اور اس کے پیروکاروں پر تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا یہ جملہ صادق آتا ہے:

> ''صابی (ستارہ پرست) ان دنوں سے، جب چاند برج عقرب میں ہوتا یا کنارے میں، یا نیا نکلنے کے لیے مکمل چھپ جاتا، تو وہ ان سے احتراز برتتے، ایسے ہی رافضہ بھی ان دنوں سے احتراز کرتے ہیں۔ ستارہ پرستوں کا عقیدہ تھا کہ تمام ستارے فاعل اور خود مختار ہیں اور عالم سفلی کا یہی انتظام وتدبیر کرتے ہیں، ایسے ہی رافضہ بھی یہی سمجھتے ہیں۔''[2]

خمینی کے نزدیک شرک کی حقیقت:

اگر اس کے نزدیک مشرکین کی بت پرستی شرک نہیں، تو پھر وہ کون سا کام ہے، جو اس کی نگاہ میں شرک

---

[1] تحریر الوسیلة (٢/ ٢٣٨)

[2] مختصر التحفة (ص: ٢٩٩) نیز دیکھیں: باب ما جاء في التنجیم من کتاب التوحید مع شرحه فتح المجید (ص: ٣٦٥)

ہے؟ وہ کہتا ہے:

''ایسی بہت ساری روایات موجود ہیں، جو ہر غیر اسلامی نظام کو شرک کہتی ہیں اور اس کے حاکم یا گورنمنٹ کو طاغوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ ہم اپنے مسلم معاشرے میں شرک کے آثار مٹانے کے ذمے دار ہے اور ہم اس کو اپنی زندگی سے مکمل طور پر دور کر دیں گے۔''[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے نزدیک شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اہلِ سنت کے اسلامی ملک کا سربراہ بن جائے تو وہ مشرک ہوگا اور اس کے باشندے بھی مشرک ہوں گے، چنانچہ ان کا دین ''ولایت'' ہے، توحید نہیں، اس لیے شرک نے ان کے علاقوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

② تصوف میں غلو یا حلول و اتحاد، یعنی وحدت الوجود کا نظریہ:

خمینی کی کتاب "مصباح الهداية إلى الخلافة والولاية" اور ایک دوسری کتاب "سر الصلاة" میں اس کے نزدیک تصوف کی صورت اپنے بڑے واضح مظاہر اور شوخ و شنگ انداز میں نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل صفحات پر اس کے بعض غالی صوفیانہ رجحانات کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

① حلول خاص کا نظریہ:

وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا ہے:

''آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلیفہ ملک اور ملکوت میں آپ کا قائم مقام، جبروت اور لاہوت میں ان کی حقیقت کے ساتھ متحد، شجرہ طوبیٰ کی اصل، سدرۃ المنتہیٰ کی حقیقت، کسی مقام میں یا اس سے ادنیٰ پر رفیق اعلیٰ، روحانیوں کا معلم، انبیا اور مرسلین کی مدد کرنے والا علی امیر المومنین ہے۔''[2]

اس کے اس قول پر غور کیجیے: ''لاہوت کے ساتھ متحد...'' یہ عیسائیوں کے لاہوت کے ناسوت میں حلول کرنے کے قول جیسا قول اور نظریہ ہے۔ اس سے پہلے غالی شیعہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر گئے ہیں۔[3] اس جیسے غالی اور ملحدانہ افکار آج تک ان علما کے دماغوں پنپ رہے ہیں، جس طرح آپ دیکھتے ہیں۔

ان کے الزام کے مطابق، اللہ تعالیٰ کے حضرت علی میں حلول کرنے کے دعوے کے پیشِ نظر خمینی حضرت

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ٣٣۔ ٣٤) نیز دیکھیں: اعتقادهم في توحيد الألوهية (ص: ٤٢٥ وما بعدها)

[2] مصباح الهداية (ص: ١)

[3] متعدد غالی شیعہ فرقوں کے ہاں حلول کا نظریہ ملاحظہ کرنے یک لیے دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٣۔ ٨٦) امام شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ تمام غالی شیعہ فرقے نظریہ حلول پر متفق ہیں۔ (الملل والنحل: ١/ ١٧٥)

علی کی طرف یہ قول منسوب کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''میں باطن میں انبیا کے ساتھ تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظاہر میں تھا۔''[1]

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے خمینی کہتا ہے:

''آپ علیہ السلام (علی رضی اللہ عنہ) کلی اور مطلق ولایت کے مالک ہیں۔ ولایت خلافت کا باطن ہے، ... وہ اپنی کلی ولایت کے مرتبے کی وجہ سے ہر نفس پر قائم اور نگران ہیں، جو اس نے کمایا اور تمام اشیا کے ساتھ برحق الٰہی قیومی معیت کے سائے کی طرح قیومی اور ظلِ الٰہی کی معیت رکھتے ہیں، لیکن چوں کہ ولایت انبیا میں زیادہ ہے، اس لیے بالخصوص ان کا ذکر کیا۔''[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ خمینی اس غلو میں ڈوبے ہوئے کلمے اور جھوٹ کے زور پر حضرت علی کی طرف منسوب اس قول پر جو تعلیق لکھ رہا ہے، وہ غلو اور انتہا پسندی میں اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔ وہ اس کے نزدیک صرف انبیا ہی پر قائم نہیں، بلکہ ہر نفس پر نگران ہیں، اس غرض کے لیے وہ اس آیت کا انتخاب کرتا ہے، جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ اس کے ساتھ مخلوق کو متصف کرتا ہے۔ وہ آیت یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ﴾ [الرعد: ٣٣]

''تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کا نگران ہے جو اس نے کمایا (کوئی دوسرا اس کے برابر ہوسکتا ہے؟)۔''

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حفیظ وعلیم ہے اور ہر سانس لینے والی جان کا نگران ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ مَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ [یونس: ٦١]

''اور تو نہ کسی حال میں ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف سے (آنے والے) قرآن میں سے کچھ پڑھتا ہے اور نہ تم کوئی عمل کرتے ہو، مگر ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں، جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔''[3]

ہر آنکھ رکھنے والے کے سامنے حقیقت بالکل عیاں ہو چکی ہے۔ یہ قول کہ حضرت علی ہر جان پر قائم اور نگران ہیں، اگر صریحاً ان کو خدا قرار دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ اس فرمانِ الٰہی: ﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴾ [الرعد: ٢] ''وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، کھول کھول کر آیات بیان

[1] مصباح الهداية (ص: ١٤٢)

[2] مصباح الهداية (ص: ١٤٢)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٥٥٦)

کرتا ہے، تا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔'' کے متعلق کہتا ہے:

''یعنی تمھارا وہ رب جو امام ہے۔''[1]

② حلول اور کلی وحدت الوجود کا نظریہ:

خمینی جزوی حلول یا حضرت علی کے ساتھ خاص حلول کے مرحلے سے گزر کر عمومی حلول کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ اپنے تصور کے مطابق توحید اور اس کے مقامات پر گفتگو کرنے کے بعد کہتا ہے:

''تمام مقامات اور توحیدوں کا نتیجہ فعل اور صفت کی عدمِ رؤیت ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اور کثرت کی کلیت کے ساتھ نفی اور وحدتِ محض کا شہود ....''[2]

یوں لگتا ہے کہ اس کا یہ قول ''فعل و صفت کی عدمِ رؤیت، حتی کہ تعالیٰ کی طرف سے بھی'' اتحادیہ (وحدت الوجود) کے مذہب کی تاکید ہے، کیوں کہ امتیازی اور نمایاں فعل کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے متعین صفت کو ثابت کرنا دوسرا اور غیر ثابت کرنا ہے، جو ان کے نزدیک شرک ہے، اس کے بعد وہ اپنے ایک امام سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''ہمارے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالات ہیں، وہ وہ ہے، اور ہم ہم، وہ ہم ہیں اور ہم وہ۔''[3]

پھر اس پر تعلیق لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''اہلِ معرفت بالخصوص شیخ کبیر محی الدین کے کلمات اور عبارتیں اس جیسے الفاظ سے بھرے ہوئے ہیں، جیسے اس کا یہ قول: حق مخلوق ہے اور مخلوق حق، حق حق ہے اور مخلوق مخلوق۔''

وہ اس کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے ذکر کرتا ہے: ''یقیناً حق منزّہ وہی حق مشبّہ ہے۔''[4]

اس کے بعد اس نے ابن عربی کے کلام سے کئی جملے نقل کیے ہیں۔[5]

پھر کہتا ہے:

''ظہور اور وجود صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے اور احرار کے نزدیک عالم خیال میں ایک خیال ہے۔''[6]

---

① مصباح الهداية (ص: ١٤٥)

② مصباح الهداية (ص: ١٣٤)

③ المصدر السابق (ص: ١١٤)

④ اصل مصدر میں لفظ ''مشيئت'' ہے۔ یہ واضح طور پر عبارت میں غلطی ہے۔

⑤ مصباح الهداية (ص: ١١٤)

⑥ المصدر السابق (ص: ١٢٣)

مزید کہتا ہے:

''جب حقیقت کا گھر کثرت کے غبار سے صاف ہوجائے، نور اور اندھیرے کے پردے اٹھ جائیں، توحید ذاتی کا مقام پالے اور کلی فنا ہوجائے تو تب اس کے لیے حقیقی استعاذہ حاصل ہوتا ہے۔''

پھر کہتا ہے:

''اس کا فرمان: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ بندے کا مطلق اور کلی فنا کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے وحدۃ الوجود کے مذہب پر ابن عربی کے اقوال سے استدلال کرتا ہے، جس کو وہ شیخ کبیر[2]، قونوی اور خلیفہ شیخ کبیر محی الدین کے القاب سے ذکر کرتا ہے۔[3]

اس طرح ثابت ہوجاتا ہے کہ خمینی نے حلول و اتحاد کے قائلین کا منہج اختیار کیا ہے۔

③ نبوت کا دعویٰ:

تصوف کی گندی رطوبتوں اور فلسفے کے خیالات نے اس کے ہاں ایک عجیب دعوے اور صریح کفر کو جنم دیا ہے۔ وہ سالک کے لیے چار سفروں کا نقشہ بناتا ہے۔ پہلا سفر مقامِ فنا تک جا کر ختم ہوجاتا ہے، جس میں مخفی راز اور زیادہ مخفی راز دونوں ہیں، پھر اس سے شطحات رونما ہوتے ہیں (اس پر وجد طاری ہوجاتا ہے اور وہ اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے) اور اس پر کفر کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو خدائی توجہ اپنی لپیٹ میں لے لے، تو وہ ربوبیت میں ظہور کے بعد عبودیت کا اقرار کر لیتا ہے۔[4]

اس کے نزدیک دوسرا سفر یہاں آ کر ختم ہوتا ہے کہ ''اس کی ولایت مکمل ہوجاتی ہے اور اس کی ذات، صفات اور افعال حق (سبحانہ) کی ذات، صفات اور افعال میں فنا ہوجاتی ہے، اسی میں فنائیت سے فنا مل جاتی ہے، جو زیادہ چھپا مقام ہے اور ولایت کا دائرہ مکمل ہوجاتا ہے۔''[5]

تیسرے سفر میں: ''اس کو مکمل بیداری حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اللہ کے باقی رکھنے کے ساتھ باقی رہتا ہے، پھر وہ عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت میں سفر کرتا ہے، اس کو نبوت کا بھی کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے

---

① سر الصلاة (ص: ۱۷۸)

② مثال کے طور پر دیکھیں: مصباح الهداية (ص: ۸٤، ۹٤، ۱۱۲)

③ المصدر السابق (ص: ۱۱۰)

④ مصباح الهداية (ص: ۱۸٤)

⑤ المصدر السابق (ص: ۱٤۸۔ ۱٤۹)

اور یہ نبوت تشریعی نہیں۔ یہاں تیسرا سفر ختم ہوجاتا ہے اور چوتھا سفر شروع ہوجاتا ہے۔[1] چوتھے سفر میں وہ نبوت تشریعی کے ساتھ نبی بن جاتا ہے۔''[2]

بنا بریں اس کے نزدیک سفر کے مراحل حسبِ ذیل ہیں:

پہلے فنا، پھر ولایت (اس میں فنا سے فنائیت ہے) پھر نبوت بلاتشریع اور پھر مکمل نبوت۔

یہ اقتباس اس بات پر مشتمل ہے کہ نبوت اہلِ تصوف کے مجاہدوں، مراقبوں اور ریاضتوں کے ذریعے خود حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس دعوے کی جڑیں قدیم صوفیانہ فلسفے سے جا ملتی ہیں، اس لیے قاضی عیاض نے کہا ہے:

''جس نے اپنے لیے نبوت کا دعویٰ کیا یا اس کے کسبی ہونے اور صفائے قلب کے ساتھ اس کے مرتبے تک پہنچنے کو ممکن کہا، جس طرح فلسفی اور غالی صوفی کہتے ہیں، ہم اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔''[3]

یہ نظریہ صریح کفر، کھلا الحاد، نبوت و انبیا کا انکار اور دینِ اسلام سے خروج ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے لیے ان مقامات تک رسائی کا دعویٰ کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب "الحکومة الإسلامية" میں دعویٰ کیا ہے:

''رافضی فقیہ موسیٰ اور عیسیٰ کے مرتبے پر ہے۔''[4]

یہ بھی ذہن سے غائب نہ رہے کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا مقامِ نبوت کے مقام سے اعلیٰ ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے،[5] اس کا خود خمینی کے کلام میں بھی ذکر آئے گا، اس کے ساتھ ساتھ خمینی کو ایران میں امام کہا جاتا ہے، یعنی اسے اس صفت کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، جو شیعہ کے نزدیک نبوت کی صفت سے بھی بلند ہے۔[6]

اسی لیے مرتضیٰ کتبی (استاد طہران یونیورسٹی) اور جان لیون وانڈرون (فرانسیسی صحافی) نے کہا ہے:

''ایرانی قوم کی اکثریت روح اللہ خمینی کو آیت اللہ شمار نہیں کرتی، بلکہ امام خیال کرتی ہے اور یہ ایک نادر لقب ہے، جو شیعہ کی تاریخ میں کسی کو نہیں دیا گیا۔''[7]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٤٩)

[2] المصدر السابق.

[3] الشفاء (٢/ ١٠٧٠۔ ١٠٧١)

[4] الحکومة الإسلامية (ص: ٩٥)

[5] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۷) دیکھیں۔

[6] شیعہ کے نزدیک امام کی اصطلاح مکمل طور پر اہلِ سنت سے جداگانہ ہے اور اسی بنا پر شیعہ کے اس لفظ کے استعمال پر اہلِ سنت متنبہ نہیں ہوتے۔

[7] المجتمع والدين عند الإمام الخميني، یہ مضمون "الموند الفرنسية" میں شائع ہوا، پھر ایک کتاب "إيران" (ص: ٢١٦) میں طبع ہوا۔

ایک ایرانی بیوروکریٹ فخر الحجازی نے جب یہ کہا کہ ''خمینی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے بھی عظیم تر ہے۔'' تو اس نے بھی اس بات کی تاکید کی۔ یہ بات کہہ کر اس نے خمینی کی خوشنودی حاصل کی، چنانچہ خمینی نے اس کو تہران کا ڈپٹی مقرر کیا اور اسے ملک کے سب سے بڑے مالیاتی ادارے ''مؤسسة المستضعفين'' کا چیئرمین بنا دیا۔''[1]

ہم محمد جواد مغنیہ کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی خمینی کو اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تلمیحاً کچھ برتری دیتے ہوئے کہتا ہے:

''السید المعلم (خمینی) نے اپنی کتاب "الحكومة الإسلامية" (ص: ۱۱۱) میں کہا ہے: خوف کیوں؟ قید ہوگی یا جلا وطنی یا پھر قتل۔ اللہ کے ولی تو اللہ کی رضا چاہنے کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں۔''

اس کے بعد مغنیہ اس پر تعلیق لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ کلمات محض غضب کی کوئی علامت یا جوش اور ابال نہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں پھینک کر کیا اور اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا، بلکہ یہ جذباتی آگ سے الگ، علم اور قطعی منطق پر مبنی ہیں۔''[2]

یہ مغنیہ کی حرف بہ حرف عبارت ہے، جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خمینی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کامل ہے۔ خمینی کا فعل علم اور منطق پر مبنی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا فعل غصے اور جذبات کا نتیجہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے کریم الاصل اور عظیم الشان نبی ہیں کہ ان کا کسی ولیوں کے خالص ترین ولی کے ساتھ بھی کوئی تقابل نہیں بنتا، خمینی کون ہوتا ہے کہ اس کو ان پر برتری دی جائے یا ان کے ساتھ تقابل میں اس کا نام بھی پیش کیا جائے؟ لیکن غالیوں کی منطق ہی نرالی ہے، ان کے دل اللہ کے انبیا اور اس کے رسولوں کی تعظیم سے خالی ہیں، کیوں کہ ان کے اپنے ائمہ اور ان کے نائبین کے متعلق غلو نے ان کے دلوں سے رسالت اور رسولوں کی عظمت نکال دی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خمینی نے اپنا نام اذان میں داخل کیا اور شہادتین پر اس کو مقدم کیا۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی[3] کہتا ہے:

''خمینی نے اپنا نام نمازوں کی اذان میں داخل کیا اور اپنا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بھی مقدم کیا،

---

[1] موسىٰ الموسوي: الثورة البائسة (ص: ١٤٧)

[2] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ١٠٧)

[3] یہ شیعہ کے عالم ابوالحسن الموسوی اصفہانی کا پوتا ہے، اس نے تہران یونیورسٹی اور پیرس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور اس نے کئی یونیورسٹیوں میں فلسفے اور اقتصادیات کے پروفیسر کے طور پر کام کیا۔

چنانچہ جب خمینی نے حکومت سنبھالی، تو ایران کی تمام مساجد میں اذان اس طرح دی جاتی تھی: اللہ اکبر، اللہ اکبر، خمینی راہبر، پھر "أشهد أن محمد رسول اللّٰه" کہا جاتا۔"[1]

بلکہ "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" کا اصلاً ذکر ہی نہیں ہوا۔ یہ مولف کی بھول بھی ہوسکتی ہے۔ اگر چوتھی صدی میں شیعہ کا عالم ابن بابویہ یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ کا اذان میں یہ کہنا: "أشهد أن عليا ولي اللّٰه..." مفوضہ[2] نے گھڑا ہے، اللہ ان پر لعنت کرے۔"[3] تو معلوم ہوا کہ معاصرین اور متقدمین کے راستے جدا جدا ہیں۔ معاصرین نے اپنے اور غالیوں کے درمیان تمام فرق مٹا دیے ہیں اور زندیقیت وغلو کی طرف اپنے مذہب کو واپس لے جانے کے سفر کی ان کے ہاں کوئی حدود نہیں، جہاں وہ پڑاؤ ڈال سکیں۔

④ رافضیت میں غلو:

خمینی کا شیعیت میں غالی اور انتہا پسند مذہب کو لینے کا رجحان ہے، جو غالی رافضیوں کا مذہب ہے۔[4] اس کے ائمہ کو انبیا پر برتری دینے کے غالیوں کے نظریے پر اعتماد کی دلیل، اس کا یہ کہنا ہے:

''ہمارے مذہب کی ضروریات (بنیادی عقائد) میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کا مقام اتنا بلند ہے، جس تک کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل ہی ...ان سے منقول ہے: ہمارے اللہ کے ساتھ حالات ہیں، جو کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کی پہنچ سے باہر ہیں۔''[5]

یہ بعینہٖ غالی رافضیوں کا مذہب ہے، جیسا عبدالقاہر بغدادی،[6] قاضی عیاض[7] اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ[8] نے ثابت کیا ہے۔

---

① الثورة البائسة (ص: ١٦٢۔ ١٦٣) نیز دیکھیں: عبد الجبار العمر: الخميني بين الدين والدولة (ص: ٦)

② مفوضہ۔ غالی شیعہ کا ایک گروہ ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا، پھر جہاں کی تخلیق اور انتظام آپ ﷺ کے سپرد کر دیا، پھر محمد نے جہاں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا، لہٰذا وہ دوسرے منتظم ہیں۔ (دیکھیں: مقالات الإسلاميين للأشعري: ١/ ٨٨، الفرق بين الفرق للبغدادي، ص: ٢٥١، اعتقادات فرق المسلمين والمشركين للرازي، ص: ٩٠، الخطط للمقريزي: ٢/ ٣٥١) نیز شیعہ کتب دیکھیں: المفيد: تصحيح الاعتقاد، ص: ٦٤۔ ٦٥، المجلسي: بحار الأنوار: ٢٥/ ٣٤٥)

③ دیکھیں: من لا يحضره الفقيه (١/ ١٨٨۔ ١٨٩)

④ اس کے رافضہ نام کے ساتھ شغف کا یہ عالم ہے کہ اس نے اپنی ایک کتاب کا نام "دروس في الجهاد والرفض" رکھا ہے۔

⑤ الحكومة الإسلامية (ص: ٥٢)

⑥ دیکھیں: أصول الدين (ص: ٢٩٨)

⑦ الشفاء (٢/ ٢٩٠)

⑧ منهاج السنة (١/ ١٧٧)

آپ دیکھتے ہیں کہ وہ خمینی غالی رافضیوں کا مذہب تمام معاصرین کی طرف منسوب کرتا ہے کہ یہ شیعہ کے نزدیک ضروریاتِ مذہب میں داخل ہے، بنا بریں معاصرین ائمہ اسلام کے فیصلے کے مطابق غالی رافضی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ خمینی کا اپنے ائمہ کے بارے میں عقیدہ وہی ہے، جو چوتھی صدی ہجری کے شیعہ علما کی نگاہ میں غالیوں کا مذہب تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ اس کے ائمہ کے بارے میں ''سہو اور غفلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

یہ ان کے رئیس المحدثین ابن بابویہ کی نظر میں ائمہ کے بارے میں غالیوں اور مفوضہ کا مذہب ہے، جو ابن بابویہ وغیرہ کے نزدیک لعنت کے مستحق ہیں، اس کے الفاظ ہیں:

''غالیوں اور مفوضہ پر اللہ کی لعنت ہو، وہ نبی ﷺ کے سہو کے بھی منکر ہیں۔''[2]

اس نے اپنے استاذ محمد بن حسین بن ولید سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی اور امام سے سہو کی نفی کو غلو خیال کرتا تھا،[3] نیز اس نے اپنی کتاب ''الإعتقادات'' میں ان غالیوں اور مفوضہ پر ان الفاظ میں حکم لگایا ہے:

''غالیوں اور مفوضہ کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ ۔جل اِسمہ۔ کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور وہ یہود و مجوس اور نصاریٰ سے بھی بُرے ہیں۔''[4]

ان تمام نظریات کے ساتھ ساتھ خمینی اپنے باقی عقائد میں اثنا عشریہ کے عقائد سے مختلف نہیں، جن پر میں نے اس بحث کے صفحات پر گفتگو کی ہے۔ یعنی خصوصاً صحابہ کرام اور عموماً اہلِ سنت کی تکفیر میں اس کے عقائد ان سے بالکل مختلف نہیں۔[5] حتی کہ وہ ان کو، ان کے سوا جن کو وہ کمزور (مستضعفین) کہتے ہیں[6]، نواصب کے لقب سے یاد کرتا ہے، بلکہ وہ اس مسئلے میں اپنی قوم کی شدت پسندی پر مبنی رائے کو اختیار کرتا ہے، یعنی ان کے ساتھ حربی کافر کا سا معاملہ کیا جائے۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ٩١)

[2] من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[3] المصد السابق.

[4] الإعتقادات (ص: ١٠٩)

[5] حتی کہ وہ اپنی کتاب ''تحرير الوسيلة'' (ص: ١/ ١٦٩) میں نماز میں ائمہ کے دشمنوں سے براءت کی مشروعیت ثابت کرتا ہے اور ائمہ کے دشمنوں سے مراد شیعہ کے ہاں تین یا سات کے علاوہ تمام صحابہ کرام ہیں۔ نیز خمینی اپنی کتاب ''كشف الأسرار'' (ص: ١١٢) میں سیدنا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کی صراحت کرتا ہے۔ نیز دیکھیں: الندوي: صورتان متضادتان (ص: ٥٧۔ ٥٨) محمد منظور النعماني: الثورة الإيرانية في ميزان الإسلام (ص: ٤٨ وما بعدها)

[6] شیعہ کے نزدیک اس اصطلاح کی تعریف گزر چکی ہیں۔ دیکھیں (ص: ٩٥٩)

''قوی ترین رائے یہ ہے کہ ناصب کو حربی کافر کے ساتھ ملایا جائے، اس طرح ان کا مال، مالِ غنیمت کے طور پر لیا جائے اور اس سے خمس بھی نکالا جائے، بلکہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ جہاں بھی پایا جائے اور جس سمت بھی ہو، اس کا مال لینا جائز ہے اور اس سے خمس نکالنا واجب ہے۔''[1]

وہ نواصب سے اہلِ سنت کو اور شیعہ میں سے جن کو ان کے ساتھ ملایا جا سکے، یعنی جارودیہ کے علاوہ زیدی شیعہ کو مراد لیتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ صرف ''خوارج'' اس کی مراد نہیں، جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر پر ان کے اجماع کے سبب اہلِ سنت کے ہاں نواصب کے نام سے جانے جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ نواصب کے ساتھ خوارج کو ایک علاحدہ قسم کے طور پر ذکر کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے:

''نواصب اور خوارج پر اللہ لعنت کرے، وہ دونوں پلید ہیں۔''[2]

قرآنِ کریم کے بارے میں ان کے عقیدے کے متعلق بھی خمینی اشارتاً حضرت علی کے پاس قرآن کے موجود ہونے کی خرافت کی تصدیق کرتا ہے کہ انھوں نے وہ قرآن صحابہ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو رد کر دیا، نیز وہ قرآن بہت سارے اضافوں پر مشتمل ہے، جو اس قرآن میں نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''شاید وہ قرآن جس کو اس نے (یعنی حضرت علی نے) جمع کیا اور رسول اللہ[3] کے بعد اسکو لوگوں تک پہنچانے کا ارادہ کیا، وہی قرآن کریم ہو، اس کے فہم میں وہ تمام خصوصیات داخل ہوں، جو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق تحریر کیا گیا ہو۔''[4]

وہ ''فصل الخطاب'' کے مولف، ملحد مجوسی کے لیے رحمت کی دعا کرتا اور اس کی کتاب ''مستدرك الوسائل'' سے استفادہ کرتا ہے۔[5] اسی طرح وہ اپنی ان بنیادی کتابوں سے بھی استفادہ کرتا ہے، جو اس کفر پر مشتمل ہیں، جیسے، کلینی کی ''الکافي''[6] اور طبرسی کی ''الاحتجاج''[7] ہے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ''کشف الأسرار'' کی بعض فارسی عبارتوں کا عربی ترجمہ کیا ہے، جو خمینی کے علی الاعلان اس کفر کے

---

[1] تحرير الوسيلة (١/ ٣٥٢) نیز دیکھیں: وجاء دور المجوس (ص: ١٨٦)

[2] تحرير الوسيلة (١/ ١١٨)

[3] اس نے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کا ذکر نہیں کیا۔ صلى الله عليه وسلم.

[4] رسالة في التعادل والترجيح (ص: ٢٦) ضمن الجزء الثاني من الرسائل للخميني.

[5] دیکھیں: الحكومة الإسلامية (ص: ٧٧)

[6] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٦٢، ٦٣، ٩٤)

[7] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٧٧)

اظہار پر مشتمل ہیں۔[1]

"کشف الأسرار" کی ایک مترجم عبارت میں جس میں خمینی سائل کے اس سوال کا کہ "قرآن میں ائمہ کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟" جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

"وہ لوگ جن کا اسلام اور قرآن کے ساتھ تعلق صرف سرداری اور دنیاداری کے لیے تھا، وہ اپنے برے مقاصد کے لیے قرآن کو ذریعہ بناتے تھے، ان کے لیے ممکن تھا کہ اگر قرآن میں امام کا نام ذکر ہوتو وہ اس آسمانی کتاب میں تحریف کرتے ہوئے ان آیات کو اس سے مٹا دیں اور مسلمانوں کی زندگی پر شرمندگی کا یہ دھبا لگا دیں۔"[2]

یہاں وہ قرآن کریم میں تحریف کے واقع ہونے کی صراحت اشارے کی زبان میں کر رہا ہے، لیکن وہ کھلے الفاظ میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے قرآنِ کریم میں تحریف کرنا ممکن ہے، حالاں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾[الحجر: ۹] کو جھٹلاتی ہے۔

اس تنگ اور متعصب فکر کو دیکھیں، جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں صحابہ قرآن میں تحریف نہ کر دیں، ائمہ میں اس کا ذکر نہیں کیا، جو ان کے عقیدے کے مطابق دین کی اصل اور مضبوط اساس ہے۔

اس طرح خمینی غیوبت کی خرافت کا بھی قائل ہے اور اس کے لوٹنے کا دعویٰ کرتا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے:

"تمام انبیا دنیا میں عدالت کے قواعد مضبوط کرنے کے لیے آئے، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، حتی کہ نبی آخر الزمان، ختم المرسلین، حضرت محمد ﷺ بھی جو انسانیت کی اصلاح کے لیے آئے، اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس میں جو شخص کامیاب ہوگا، وہ مہدی منتظر ہے۔"[3]

مسلمانوں نے اس کی شدید مذمت کی اور رابطہ عالمِ اسلامی نے بھی ایک مذمتی بیان جاری کیا، جس میں اس نظریے کی مخالفت کی گئی اور وضاحت کی گئی کہ یہ صریحاً اسلام، قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے،

---

[1] دیکھیں: صورتان متضادتان (ص: ٥٨)

[2] كشف الأسرار (ص: ١١٤)

[3] یہ خمینی کی ایک تقریر ہے، جو اس نے شیعہ عقیدے کے مطابق امام مہدی کے جشنِ میلاد کی مناسبت سے ۱۵/ شعبان ۱۴۰۰ھ میں کی اور اسے تہران ریڈیو میں نشر کیا گیا۔ (الرأي العام الكويتية بتاريخ ١٧ شعبان ١٤٠٠هـ. اور دیکھیں: مجلة المجتمع الكويتية، العدد: ٤٨٨، في: ٨/ ٧/ ١٩٨٠م) نیز دیکھیں: أحمد الأفغاني: سراب في إيران (ص: ٤١۔ ٤٢) ونهج الخميني (ص: ٤٥۔ ٤٧)

اس کے علاوہ متعدد اداروں اور شخصیات کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی۔[1]

جماعتِ اسلامی پاکستان کے رسالے میں خمینی کا یہ خطاب شائع کیا گیا اور اس پر ان الفاظ میں تنقید کی گئی:

''یہ اسلام اور تاریخ اسلام کی نفی اور تردید ہے، یہ ایسی بات ہے، جس کو دوست بھی ہضم نہیں کر سکتے۔''[2]

اپنی اس وضاحت میں وہ اپنے غلو میں اَٹے ہوئے مذہب کے مزاج اور فطرت سے باہر نہیں نکلا، اس کا عقیدہ ہے کہ ائمہ (مہدی بھی ان میں سے ہے) انبیا سے افضل ہیں۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے کی وجہ سے مرتد ہوگئے تھے۔

شیعہ کے نزدیک رسالت کا جوہر حضرت علی کی امامت ہے، اس لیے وہ کہتا ہے:

''رسول نے اگر اپنے بعد خلیفہ کی تعیین نہ کی ہوتو وہ رسالت کو نہ پہنچانے والا خیال کیا جائے گا۔''

اس بنا پر اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کامیاب نہیں ہوسکے، کیوں کہ آپ نے اپنے فوراً بعد حضرت علی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ خمینی نے ایک بیان جاری کیا، جس میں اس نے اپنے خطاب کا انکار اور مذمت کرنے والوں کو جواب دیا، اس کے جواب میں اس منکر اور برائی کی تاکید کے سوا اور کچھ نہیں، وہ کہتا ہے:

''ہم کہتے ہیں کہ انبیا کو اپنے مقاصد کو نافذ کرنے کی توفیق نہیں ہوسکی اور اللہ تعالیٰ زمانے کے آخر میں ایک شخص کو مبعوث کرے گا، جو انبیا کے مسائل نافذ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے انکار کرنے والوں کی مذمت میں کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔''[3]

خمینی کہتا ہے:

''ائمہ کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کی طرح ہیں۔''[4]

بلکہ وہ رقاع کی کہانیوں پر بھی عمل کرتا ہے اور ان کو وہی احترام دیتا ہے جو امتِ مسلمہ کتاب وسنت کو دیتی ہے۔[5] اس طرح امامیہ کے عقائد کی فہرست میں آخری عقیدے تک خمینی ان کی اتباع کرتا ہے، بلکہ وہ بسا

[1] اس سلسلے میں علمائے مغرب کی طرف سے ایک بیان بھی جاری ہوا تھا۔ دیکھیں: مجلة "دعویٰ الحق" العدد الرابع، الصادر في شعبان و رمضان ١٤٠٠هـ. نیز دیکھیں: نهج الخميني (ص: ٤٩)

[2] یہ مجلّہ ۲۹/ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ کو شائع ہوا۔ نیز دیکھیں: نهج خميني في ميزان الفكر الإسلامي (ص: ٥٢)

[3] الخميني: مسألة المهدي المنتظر مع رسالة أخرى (ص: ٢٢) مركز الإعلام العالمي للثورة الإسلامية في إيران.

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ١١٣)

[5] اپنے ولایتِ فقیہ کے عموم کے نظریے پر اس نے ان توقیعات سے استدلال کیا ہے۔ دیکھیں: الحكومة الإسلامية (ص: ٧٦۔ ٧٧)

اوقات ان سے بھی زیادہ شدت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے، جس کی تفصیل اور استیعاب کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ ایسا نہیں، جیسا اس کو سطحی اور عام نظریہ دیکھنے والے خیال کرتے ہیں، لیکن میں نے بعض کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے:

''خمینی تقیے میں اپنے بعض عقائد سے دستکش ہو چکا ہے اور اس نے اپنے پیروکاروں کو اہلِ سنت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو ظاہر صورت میں اعتدال سمجھا جائے گا۔''[1]

اس کا جواب اس کے رسالے "التعادل والترجیح" اور "التقیۃ" میں موجود ہے۔ آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہوگا کہ اس کا ایمان ہے کہ ان کے دین کی بنیاد ہی اہلِ سنت کی مخالفت پر کھڑی ہے اور روایات کے اختلاف کے وقت یہ قاعدہ اس کے ہاں مرجحات (ترجیح دینے والے قواعد) میں شامل ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ان کی عامہ (اہلِ سنت) کے خلاف روایات کو اختیار کرنے کا حکم دینے والی روایات، جیسے یہ روایت: ''جو عامہ کے خلاف ہو اس میں ہدایت ہے۔'' اور یہ روایت: جو قوم (اہلِ سنت) کے موافق ہو، اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ ہدایت اس کے خلاف میں ہے۔'' یہ ترجیح کے اصول میں ایک اصل اور قاعدہ ہے، اس کے ساتھ ترجیح محض عبادت کے لیے نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی مخالفت حقیقت کی راہ دکھاتی اور ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔''[2]

اس کے بعد اس نے اس عنوان: ''عامہ کی مخالفت میں ذکر ہونے والی روایات''[3] کے تحت ایک مبحث قائم کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس باب میں ان کی روایات دو قسموں کی ہیں۔ پہلی قسم عامہ سے نقل کی جانے والی روایات میں تعارض کے وقت، عامہ کے خلاف روایات کو لینے کا حکم دیتی ہے اور دوسری قسم ان کی مطلقاً مخالفت کا حکم دیتی ہے۔ پھر پہلی قسم میں اس نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''حسن بن جہم سے مروی ہے کہ میں نے نیک بندے (یعنی امام) سے کہا: ابوعبداللہ سے ایک بات روایت کی جاتی ہے، پھر اس سے اس کی مخالف بات نقل کی جاتی ہے، تو ہم کس کو لیں؟ انھوں نے کہا: وہ لو جو قوم کے خلاف ہو، جو قوم کے مطابق ہو، اس سے اجتناب کر۔''[4]

---

[1] دیکھیں: أحمد جلی: دراسة عن الفرق (ص: ۱۵۴۔ ۱۵۵)

[2] دیکھیں: رسالة التعادل والترجيح (ص: ۷۱)

[3] المصدر السابق (ص: ۸۰)

[4] رسالة التعادل والترجيح (ص: ۸۰)

باقی روایات بھی اس مفہوم سے باہر نہیں، بلکہ بعض میں شیعہ روایات کو اہلِ سنت کی کتبِ حدیث پر پیش کرنے کا حکم ہے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''ان کو عامہ (اہلِ سنت) کی احادیث پر پیش کرو تو جو ان کی روایات سے موافقت کریں، انھیں چھوڑ دو اور جو ان کی موافقت کریں، ان کو اپنا لو۔''[1]

خمینی نے اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ان روایات کی دلالت بڑی واضح ہے کہ عامہ کی مخالفت دو متعارض روایتوں میں ترجیح دینے کا سبب ہے، اگرچہ بعض کی سندیں معتبر ہوں، بلکہ اگرچہ وہ ظاہری طور پر صحیح بھی ہوں اور ان کا مضمون ہمارے اصحاب کے درمیان مشہور ہی کیوں نہ ہو۔ تمام ابوابِ فقہ اور فقہا کی زبانوں میں ترجیح کا یہی متداول، عام اور معروف اصول ہے۔''[2]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ خمینی اپنی ہر اس روایت کو ترک کرنے کی تلقین کر رہا ہے، جو اہلِ سنت کے موافق ہو، گویا وہ عیسائی اور یہودی ہیں، جن کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے، بلکہ شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں، جو صریحاً دلالت کرتی ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں۔[3]

دوسری قسم میں ان کی وہ روایات ہیں، جو نہ صرف مطلقاً اہلِ سنت کی مخالفت کا حکم دیتی ہیں، بلکہ اہلِ سنت کے اعمال، اقوال اور عقائد کو تلاش کرنے کا حکم دیتی ہیں، تاکہ وہ ان کی مخالفت کریں۔ اس قسم میں خمینی نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔

پہلی روایت شیعی شخص کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے شہر کے مفتی سے سوال کرے، تاکہ اس کے مخالف عمل کر سکے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''فقیہِ شہر کے پاس جا، اس سے اپنا مسئلہ دریافت کر، اگر وہ تجھے کوئی فتویٰ دے تو اس کے خلاف چل، حق اسی میں ہے۔''[4]

یہ اور اس قسم کی دوسری روایات نے شیعہ کے ہاں ایک اشکال کو جنم دیا کہ اہلِ سنت کی روایات میں،

---

[1] المصدر السابق (ص: ۸۰۔ ۸۱)

[2] رسالة التعادل والترجيح (ص: ۸۲)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۷۶۴) دیکھیں۔

[4] رسالة التعادل والترجيح (ص: ۸۲)

بالخصوص فقہ کے ابواب میں، ایسی باتیں ہیں، جو شیعہ کی روایات کے موافق ہیں، اگر وہ مطلقاً ان روایات کی مخالفت پر عمل پیرا ہوں تو اس کے نتیجے میں وہ دونوں مذہبوں سے یکسر خارج ہوجائیں گے، اس لیے خمینی نے ان تمام روایات میں سے ہر روایت کے بعد اس پر اس طرح کا تبصرہ کیا، جس میں وہ اس اشکال سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے، لہٰذا سابقہ روایت پر اس نے یہ تبصرہ کیا:

''یہ اضطرار اور مجبوری کی صورت میں ہے، جب کوئی راہ نہ سجھائی دے، تو امام نے اس کو تمام راستے بند ہونے کی صورت میں باہر نکلنے کی راہ بتائی، اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس روایت کو رد کر دینا بھی جائز ہے جو ہماری سند سے نقل ہوئی ہو اور ان (اہلِ سنت) کے بھی موافق ہو۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''اس کا یہ کہنا: خدا کی قسم! جن پر وہ ہیں، تم ان میں سے کسی چیز پر بھی نہیں ہو اور نہ وہ اس میں سے کسی چیز پر ہیں، جن پر تم ہو، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، ان کا حنیفیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' اس کا ظاہری مفہوم ان کے عقائد میں اور امامت اور اس کے متعلقہ امور میں مخالفت ہے، لیکن یہ دونوں روایات اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ اس خبر کو بھی رد کر دیا جائے جو ان کے موافق ہو۔ (یعنی جو امت مسلمہ کے موافق ہو'')[2]

آپ خمینی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت کی مخالفت کو اپنے اصولِ ترجیح میں شمار کرتا ہے، لہٰذا وہ لوگ کہاں سوئے ہیں، جو اس کی طرف ہم آہنگی اور تقارب کا ہاتھ پھیلاتے ہیں؟ ایسے لوگ کہاں ہیں جو کہتے ہیں کہ اس نے اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا چھوڑ دیا ہے؟

اپنے فرقے کو اہلِ سنت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دینا بھی اس کا تقیے پر عمل کرنے کا ایک حصہ ہے، جس کے بارے میں اس نے اپنی کتاب "التقیة" میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، لیکن وہ سارے اہلِ سنت جو تمام چیزوں کے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور وہ شیعہ مذہب کے خفیہ گوشوں سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے، وہ اس کے اس قدم کو سراہتے ہیں اور اسے اس کی مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں اور اس کے مناقب میں شمار کرتے ہیں۔[3]

باوجودیکہ اس نے اپنے تقیے کے موضوع پر کتابچے میں اس عنوان ''عامہ (اہلِ سنت) کے ساتھ نماز کے

---

[1] المصدر السابق.

[2] رسالة التعادل والترجيح (ص: ۸۳)

[3] دیکھیں: الشيخ محمد المجذوب: جريدة "المدينة المنورة" العدد (٤٨٠٨) ١ ربيع الأول ١٤٠٠ھ

صحیح ہونے پر دلالت کرنے والی روایات'' کے تحت ایک خاص بحث کی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے:

''بالخصوص ایسی روایات ذکر ہوئی ہیں، جو لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کے صحیح ہونے، ان کی مساجد میں حاضر ہونے کی ترغیب، ان کی اقتدا کرنے اور ان نمازوں کو صحیح شمار کرنے پر دلالت کرتی ہیں، حماد بن عثمان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''جس نے ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی، وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی۔''

اس پر تعجب کرتے ہوئے خمینی کہتا ہے:

''بلاشبہہ آپ، یعنی رسول اللہ ﷺ، کے ساتھ نماز صحیح اور بہت زیادہ فضیلت والی ہے، ایسے ہی ان کے ساتھ بھی تقیے کی حالت میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ہے۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''میں نے اس سے ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ بڑا شدید معاملہ ہے، تم اس کی استطاعت نہیں رکھ سکو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کیے اور حضرت علی نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔''[2]

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ تقیے کی یہ قسم ضرورت کے ساتھ منسلک نہیں، یہ اہلِ سنت کے ساتھ تعامل میں خاص ہے، کیوں کہ اس کی رائے میں تقیہ خوف کی حالت میں اضطراری ہوتا ہے اور مدارات یعنی ظاہر داری کے لیے بھی، یہ اس وقت ان کے نزدیک تمام اعمال سے افضل ہوتا ہے۔ پہلی حالت کے بارے میں حکم بالکل واضح ہے، لیکن دوسری حالت کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''مداراتی تقیہ (صلح جوئی کے لیے) مرغوب عمل ہے، اس کے ساتھ عبادت تمام عبادات سے زیادہ محبوب اور افضل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عامہ کے ساتھ تقیہ کرنے میں خاص ہے اور روایات کے بہت زیادہ ہونے کے ساتھ اس پر اس کو محمول کیا جائے گا۔''[3]

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا افضل عمل ہے اور یہ ان کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اس کے بعد وہ

---

[1] رسالة في التقية (ص: ١٠٨) ضمن الجزء الثاني من الرسائل.

[2] رسالة في التقية (ص: ١٩٨) ضمن الجزء الثاني من الرسائل.

[3] المصدر السابق (ص: ٢٠٠)

اپنے نزدیک تقیے کی ایک تیسری قسم ذکر کرتا ہے، جو پھیلانے کے مقابلے میں چھپانا ہے، جس طرح وہ کہتا ہے:

''یہ اس کی تعبیر کے مطابق مذہب کو پھیلانے اور اہلِ بیت کے راز افشا کرنے سے تحفظ کے معنی میں ہے۔''[1]

تو کیا اس کے بعد بھی کہا جائے گا کہ خمینی نے تقیہ کرنا اور دھوکا دینا چھوڑ دیا ہے؟ لیکن جس نے یہ بات کہی، اس کی نگاہوں سے یہ بات پوشیدہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیے کی کئی اقسام ہیں اور اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا شیعہ کے نزدیک افضل عمل ہے، ضرورت کے ساتھ مشروط نہیں۔ آخر میں آپ کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ وہ خلفائے راشدین کے زمانے کو تقیے کا زمانہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

'' رسول اللہ ﷺ کے بعد امیر المومنین کے خلافت کے زمانے تک اور ان کے بعد غیوبت کے زمانے تک، ائمہ اور ان کے شیعہ دو سو سال سے زیادہ عرصے تک تقیے میں مبتلا رہے۔''[2]

چنانچہ واضح ہوا کہ خمینی غالی رافضی ہے، بلکہ وہ ان کی ان آرا کو بھی اختیار کرتا ہے، جو سب سے زیادہ شاذ ہیں۔ وہ جان بوجھ کر اہلِ سنت کی مخالفت کرتا ہے اور اگر وہ اس سے نکلے تو وہ تقیہ ہوگا۔

⑤ خمینی کا ولایت فقیہ کی عمومیت کا نظریہ:

اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کی عام ولایت چند اشخاص کے ساتھ مربوط ہے، جن کے نام بھی متعین ہیں اور تعداد بھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح منتخب کیا ہے، جس طرح اس نے نبیوں کو منتخب کیا۔[3]

ان ائمہ کا حکم اللہ کے حکم کی طرح ہے، ان کی عصمت اللہ کے رسولوں کی عصمت کی طرح ہے اور ان کی فضیلت اللہ کے نبیوں کی فضیلت سے بڑھ کر ہے، لیکن ان میں سے آخری امام، شیعہ کے عقیدے کے مطابق، ۲۶۰ھ سے غائب ہے، اس لیے اثنا عشریہ کسی کے لیے بھی اس وقت تک منصبِ خلافت پر فائز ہونا حرام قرار دیتے ہیں، جب تک وہ اپنی کمین گاہ سے باہر نہ آجائے، وہ یہاں تک کہتے ہیں:

''قائم کے آنے سے پہلے جو جھنڈا بھی بلند کیا جائے گا، ایسا کرنے والا طاغوت ہوگا، خواہ وہ حق کی طرف ہی کیوں نہ بلائے۔''[4]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٨٤)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٩٦)

[3] اس سلسلے میں تفصیل کے لیے ''امامت'' کا مبحث دیکھیں۔

[4] کتبِ شیعہ سے ان روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ۷۸۹، ۷۹۰)

گذشتہ صدیوں کے شیعہ اسی مذہب پر گزر گئے، وہ غائب امام سے، اپنے نظریے کے مطابق، صرف ایک ایسی توقیع اور امامی حکم نامہ وصول کرنے میں کامیاب ہوئے، جو ان کے علما کو اس کے بعض اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، تمام اختیارات کی نہیں۔ یہ رقعہ کہتا ہے:

''پیش آمدہ مسائل میں ہمارے حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔''[1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کو جدید مسائل اور پیش آمدہ واقعات کے احکام جاننے کے لیے علما سے رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے شیعہ کے ہاں یہی رائے ٹھہری کہ ان کے فقہا کی ولایت صرف فتویٰ نویسی اور اس جیسے مسائل کے ساتھ خاص ہے، جس طرح منتظر کے رقعے کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک عمومی ولایت کا تعلق ہے، جو ریاست سازی اور سیاست بازی پر مشتمل ہے تو وہ غائب کے ساتھ خاص ہے اور یہ اس وقت تک موقوف ہے، جب تک وہ اپنی پوشیدگی سے باہر نہ نکل آئے، اس لیے شیعہ مذہب کے پیروکاروں نے اسی انداز میں زندگی گزار دی کہ وہ مسلمانوں کے خلفا کو غاصب، مستبد اور ظالم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جنھوں نے ان کے امام کی سلطنت پر قبضہ جما لیا اور وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کی کشادگی اور آزادی کو جلدی ممکن بنائے، تاکہ وہ ان کا ملک قائم کر سکے۔ اس دوران میں وہ حکومتوں کے ساتھ اپنے عقیدۂ تقیہ کے تقاضے کے مطابق تقامل کرتے رہے۔

لیکن امامِ حجت کی غیوبت طویل ہوگئی۔ بارہ صدیاں گزرنے کو آ گئیں، لیکن وہ ظاہر نہ ہوا اور شیعہ اپنے عقیدے کے مطابق اپنی شرعی حکومت و ریاست سے محروم تھے، تو اس عالم میں مہدی کے فرائض فقیہ کو سونپنے کا نظریہ متاخرین کے افکار کو پچکارنے لگا۔ خمینی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ کے دو علما نراقی[2] اور نائنی[3] نے یہ موقف اختیار کیا کہ فقیہ کو بھی حکومت، سیاست اور انتظامی امور کی سربراہی کے تمام فرائض منصبی اور ذمے داریوں کا وہ حق حاصل ہے جو امام کے ساتھ مخصوص ہیں۔''[4]

خمینی نے اپنے علما میں سے کسی ایسے عالم کا ذکر نہیں کیا، جس نے ان دونوں سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہو، کیوں کہ اگر کوئی ایسا شیعہ عالم ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا، کیوں کہ وہ اپنے مذہب کو سندِ جواز مہیا کرنے

---

1. کتبِ شیعہ سے ان روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ٩٤٤)
2. أحمد بن محمد مهدي النراقي الكاشاني (١١٨٥ـ ١٢٤٥)
3. حسين بن عبد الرحمن النجفي النائني (١٢٧٣ـ ١٣٥٥)
4. الحكومة الإسلامية (ص: ٧٤)

کے لیے ایسی چیزوں کا متلاشی ہے۔ چنانچہ ولایت فقیہ کی عمومیت کا عقیدہ تیرھویں صدی ہجری سے پہلے اثنا عشریہ کے ہاں نہیں ملتا۔ خمینی نے اس دھاگے کو اٹھا لیا، جس کو اس نے پہلے سے بُنا تھا، پھر اس نے اس نظریے کا پرچار اور شیعہ مذہب کو نافذ کرنے کے لیے امام کے نائب کی سربراہی میں ایک ملک قائم کرنے کی ضرورت پر زور دینا شروع کر دیا۔ وہ کہتا ہے:

''آج، غیوبت کے زمانے میں، کوئی ایسی روایت موجود نہیں، جو کسی مخصوص شخص کو متعین کرتی ہو، جو کاروبارِ مملکت سنبھالے، تو ایسی صورت میں کیا رائے ہونی چاہیے؟ کیا احکامِ اسلام کو ایسے ہی بے کار اور بلاعمل چھوڑ دیا جائے؟ یا ہم اسلام سے بے رغبت ہو جائیں؟ یا ہم یہ کہیں کہ اسلام صرف دو صدیوں کے لیے لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے آیا تھا، تاکہ بعد میں ان کو ایسے ہی بے مہار چھوڑ دے؟ یا یہ کہیں کہ اسلام نے ملک چلانے کے امور اور احکام کو مہمل کر دیا ہے، جب کہ ہم جانتے ہیں کہ حکومت کے وجود کے نہ ہونے کا مطلب اسلام کی سرحدوں کو پامال کرنا ہے، جس کا مطلب ہوگا کہ ہم اپنی زمین سے پسپائی اختیار کر لیں۔ کیا ہمارا دین ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا حکومت زندگی کی ضروریات میں سے ایک ضرورت نہیں؟''[1]

ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے:

''ہمارے امام مہدی کی غیوبت کبریٰ کو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ امام منتظر کے آنے کی مصلحت کو آتے آتے مزید ہزاروں سال گزر جائیں، اس طویل مدت میں کیا اسلام کے احکام معطل اور بے کار ہی رہیں گے؟ لوگ اس دوران میں جو چاہیں کرتے رہیں؟ کیا اس کی وجہ سے قتل و غارت اور انتشار پیدا نہیں ہو جائے گا؟

''وہ قوانین جن کا رسولِ اسلام ﷺ نے اعلان کیا، ان کو پھیلانے کے لیے جدوجہد کی اور تیئیس سال تک ان کے بیان اور نفاذ میں لگے رہے، کیا یہ صرف اسی محدود مدت تک کے لیے تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے شریعت کی عمر صرف دو صدیاں مقرر کی ہے؟ میری نظر میں اس رائے کو اختیار کرنا اس عقیدے سے بھی برا ہے کہ اسلام منسوخ ہو چکا ہے۔''[2]

پھر کہتا ہے:

---

[1] الحکومة الإسلامية (ص: ٤٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٦)

''لہٰذا ہر وہ شخص جو اسلامی حکومت کی تشکیل کی عدمِ ضرورت کے موقف کا اظہار کرتا ہے، وہ احکامِ اسلام کے نفاذ کی ضرورت کا انکار کرتا ہے، وہ ان کو معطل اور جامد کرنے کی دعوت دیتا ہے اور نتیجتاً وہ دینِ حنیف، دینِ اسلام کے دوام اور جامعیت کا انکار کرتا ہے۔''[1]

بنا بریں خمینی ان اسباب کی وجہ سے، جن کو اس نے ذکر کیا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ فقیہ اور اس کے پیروکاروں کے لیے مہدی کی نیابت کرتے رہنا اور اسلامی ممالک میں حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے خروج کرنا ضروری ہے۔ یہ موقف اختیار کر کے وہ اپنے دین کے طے شدہ اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اپنے ائمہ کی ان بہت ساری وصیتوں کی مخالفت کرتا ہے، جو غائب کا انتظار کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں اور خروج کے لیے جلد بازی سے روکتی ہیں، بلکہ شیعہ کے عصرِ حاضر کے ایک آیت اور مرجع نے کہا ہے:

''ان سے (ائمہ سے) اپنے دشمنوں اور اپنے وقت کے حاکموں کے خلاف خروج کی حرمت کے بارے میں کثرت کے ساتھ روایات منقول ہیں۔''[2]

کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا منصب صرف اسی کے لیے خاص ہے، جس کو اللہ کی طرف سے اس پر متعین کیا گیا ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان حکومتوں سے راضی تھے۔ یہ تمام بہانے جو خمینی نے شیعہ ملک قائم کرنے کی ضرورت بیان کرنے اور فقیہ کی ریاست میں مہدی کی نیابت کو جواز مہیا کرنے کے لیے ذکر کیے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اگر شیعہ علما اپنی بات میں سچے ہوتے اور اپنے پیروکاروں کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تو اس نظریے کو ایک بالکل دوسرے نقطہ نظر سے دیکھتے۔ یہ نقطۂ نظر مذہب کی اس اساس اور اصل پر تنقید کی راہ کھولتا ہے جو غیوبت کی خرافت اور غائب کے انتظار پر قائم ہے، جس نے ان کو اس انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

بہر حال یہ اس حجت اور آیت کی بڑی اہم اور خطرناک گواہی ہے، جو رافضیت کے اصلاً فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ گذشتہ تمام صدیوں میں اس فرقے کا اجماع گمراہی پر اجماع تھا اور ایک متعین امام کے بارے میں وصیت کا ان کا مذہب، جس کے لیے وہ اہلِ سنت سے صدیوں تک جھگڑتے رہے اور ان کو کافر کہتے رہے، ایک فاسد اور خراب موقف ہے۔ تاریخ اور واقعاتی حقائق نے مکمل وضاحت کے ساتھ اس کے فساد اور خرابی کو ثابت کر دیا ہے۔

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٦۔ ٢٧)

[2] محمد الحسيني البغدادي النجفي (الملقب بالآية العظمىٰ، والمرجع الديني الأعلى): وجوب النهضة لحفظ البيضة (ص: ٩٣)

اب وہ اپنے نام نہاد صاحبِ زمان کے خروج کا صدیوں تک طویل انتظار کرنے کے بعد اس سے مایوس ہو کر ''ولایتِ فقیہ کی عمومیت'' کے موقف کے ساتھ اس کے خلاف خروج کے لیے مجبور ہو چکے ہیں، لہٰذا انھوں نے اس کے تمام اختیارات پر قبضہ جما لیا اور خمینی نے اس کے تمام فرائضِ منصبی اپنے لیے اور اپنے ہم جنس وہم مذہب بعض فقہا کے لیے مخصوص کر لیے، کیوں کہ وہ ملک کی سربراہی میں غائب کے تمام منصبی امور اپنے سر لینا ضروری سمجھتا ہے، اس لیے اس نے اپنے فرقے کو اس نظریے کا قائل اور اس پر مطمئن کرنے کے لیے اپنی کتاب ''الحكومة الإسلامية'' یا ''ولاية الفقيه'' لکھی۔

خمینی مملکت کے امور چلانے میں ہر کس و ناکس کی ولایت اور گورنری پر موافقت نہیں کرتا، بلکہ اس کو وہ فقہائے شیعہ کے ساتھ خاص کرتا ہے اور حکومت اور سلطانی انھی میں محصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''باوجودیکہ کوئی ایسی نص موجود نہیں، جو کسی متعین شخص کو امام کی پوشیدگی میں اس کا نائب مقرر کرتی ہو، لیکن شرعی حاکم کے خصائص ہمارے اس زمانے کے اکثر فقہا میں موجود ہیں، اگر وہ اتفاق کر لیں تو ان کے لیے ایک بے مثال عادل حکومت تشکیل دینا ممکن ہے۔''[1]

اگر آیات اور فقہا کی حکومت اس کے بقول عدل میں بے مثال ہے تو پھر ان کو منتظر کے خروج کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی یہ رائے ہے کہ شیعہ فقیہ کی ولایت (حکومت) رسول اللہ ﷺ کی ولایت کی طرح ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اللہ نے رسول کو تمام مومنوں کا ولی (سربراہ) بنایا ہے، آپ ﷺ کے بعد امام ولی تھا، ان دونوں کی ولایت کا یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کے شرعی احکام سب پر لاگو ہیں۔''[2]

پھر کہتا ہے:

''یہی ولایت اور حاکمیت فقیہ کے پاس بھی موجود ہے۔ صرف ایک فرق ہے کہ فقیہ کی دوسرے فقہا پر ولایت اس طرح نہیں کہ وہ ان کو معزول کر سکتا ہو یا مقرر کر سکتا ہو، کیوں کہ فقہا اہلیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہیں۔''[3]

لہٰذا خمینی کا یہ نظریہ دو قواعد پر مرتکز ہے:

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ٤٨۔ ٤٩)

[2] الحكومة الإسلامية (ص: ٥١)

[3] المصدر السابق.

1. فقیہ کے لیے عمومی ولایت کا موقف۔
2. ملک کا سربراہ صرف شیعہ فقیہ ہوسکتا ہے۔

یہ موقف ائمہ کی تعیین اور بارہ میں حصر کے دعوے سے خروج ہے، کیوں کہ فقہا کی تعداد متعین کی جا سکتی ہے نہ ان کی مخصوص شخصیات ہی متعین و مقرر ہیں، جس کا یہ معنی ہوا کہ وہ کسی حد تک[1] اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق امامت کے مفہوم کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس نظریے کے تقاضے کے مطابق انھوں نے اقرار کر لیا ہے کہ ان کے اسلاف گمراہ تھے اور ان کا مذہب فاسد تھا۔

لیکن وہ اس نظریے (ولایتِ فقیہ کا نظریہ) کو مہدی کی نیابت ہی شمار کرتے ہیں، تا آنکہ وہ لوٹ آئے، لہٰذا وہ اپنے مذہب کی اصل اور بنیاد سے دستکش نہیں ہوئے، اس لیے، میرے خیال کے مطابق، یہ رجحان بابیت کے مذہب سے مختلف نہیں، کیوں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ شیعہ فقیہ ہی مہدی کی نمایندگی کرتا ہے، جس طرح باب کا یہ دعویٰ تھا۔ شاید صرف یہ فرق ہو کہ خمینی اپنے تمام فقہا کو ابواب (نائبین) خیال کرتا ہے۔

اگر ہم یہ بھی کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ خمینی نے روافض کے مہدی منتظر کو باہر نکال دیا ہے، کیوں کہ اس نے اس کے تمام اختیارات اور فرائض منصبی فقیہ کے ساتھ جوڑ دیے ہیں، بلکہ اس نے یہ نظریہ پیش کر کے ایک نہیں، بلکہ دسیوں مہدی نکال دیے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے اکثر علما اور آیات اس منصب کے اہل اور حق دار ہیں۔ اس کا کہنا ہے:

''ہمارے عصر حاضر کے اکثر فقہا میں وہ خصوصیات موجود ہیں، جو ان کو امام معصوم کی نیابت کا اہل بنا سکتی ہیں۔''[2]

اس نیابت کے تقاضے کے مطابق ان کا حکم رسول ﷺ کے حکم کی طرح ہوگا۔ وہ کہتا ہے:

''وہ لوگوں پر اس طرح حجت ہیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ان پر اللہ کی حجت تھے۔ جو بھی ان کی فرمانبرداری سے پیچھے ہٹے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرے گا۔''[3]

مزید کہتا ہے:

---

[1] کسی حد تک اس لیے کہ وہ امامت کسی شخص میں محصور کرنے سے تو نکل آئے ہیں، لیکن انھوں نے اس کو ایک نوع میں محصور کر دیا ہے، جو شیعہ فقیہ ہے۔

[2] الحكومة الإسلامية (ص: ١١٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٨٠)

''ان (علمائے روافض) کو وہ سب سپرد کیا گیا ہے، جو ان (انبیا) کے سپرد کیا گیا تھا۔ جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی، وہی ان کے سپرد کی گئی ہے۔''[1]

بلکہ اس نے یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ شیعہ فقیہ کی حکومت ان کے مہدی موعود کی حکومت کی طرح ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہمارے پاس صرف عصائے موسیٰ، علی بن ابی طالب[2] کی تلوار اور ان دونوں کی زبردست عزیمت کی کمی ہے۔ جب ہم اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر لیں گے، تب ہم موسیٰ کی لاٹھی اور علی کی تلوار بھی حاصل کر لیں گے۔''[3]

مجھے ایسے لگتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور علی بن ابی طالب کی تلوار کو اکٹھا کرنا ''آیات'' کے ملک اور حکومت میں یہودیوں کے شیعہ کے ساتھ تعاون سے کنایہ ہے۔ یہ کسی حد تک خمینی کی حکومت میں وقوع پذیر بھی ہوا، جس طرح نیوز ایجنسیوں نے ان دونوں کے درمیان خفیہ تعاون کا راز فاش کیا اور اسلحے کے سکینڈلز سامنے آئے جو بڑے مشہور ہوئے۔

خمینی یہ تاکید کرتا ہے:

''ماضی کے شیعہ نے شیعہ کی حکومت کی تشکیل کبھی نہیں کی۔ ماضی میں ہم حکومت کی تشکیل کے لیے ایک ساتھ اٹھے نہ ہم نے ایک ساتھ کام کیا، جو حکومت خیانت کرنے والے فاسدوں کو توڑ کر رکھ دے۔''[4]

وہ کہتا ہے:

''ہمارے ائمہ کو زمامِ ریاست سنبھالنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کا انتظار کرتے رہے، چنانچہ عادل فقہا پر لازم ہے کہ وہ حکومت کی تشکیل و تنظیم کے خود مواقع پیدا کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں ...۔''[5]

شیعہ کی حکومتیں پہلے بھی قائم ہوئی ہیں، لیکن ان کی سربراہی ''آیات'' اور ''معصوم کے نائبین'' کی طرف

---

[1] المصدر السابق.

[2] یہ مہدی کے لیے انبیا اور ائمہ کی میراث ہے۔ دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٣١)

[3] الحكومة الإسلامية (ص: ١٣٥)

[4] المصدر السابق (ص: ٤٠)

[5] الحكومة الإسلامية (ص: ٥٤)

سے نہیں کی گئی، اس لیے انھوں نے اپنی حکومت کو پہلی اسلامی یعنی شیعی ریاست شمار کیا۔

ایک رافضی کہتا ہے:

''خمینی نے اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایران میں عظیم اسلامی جمہوریہ کی بنیاد رکھی اور انبیاے کرام، رسولِ عظیم اور ائمہ معصومین کے خواب کو تعبیر بخشی۔''[1]

شیعہ کا آیت ''طالقانی'' اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفا کی حکومت ان کی ریاست کے مرتبے کو نہیں پہنچتی اور وہ اس کے قیام کے لیے تمہید اور ابتدائیہ تھی، اس کے الفاظ ہیں:

''ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ اس زمانے میں زندہ رہنے کی اہل ہے اور اسلام کے آغاز میں زندہ رہنے کے اہل نہیں تھی۔ وہ سیاسی اور معاشرتی تبدیلیاں جن کا دنیا نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین کے زمانے سے لے کر آج تک مشاہدہ کیا، وہی اسلامی جمہوریہ کے قیام کی حقیقی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔''[2]

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ نقطۂ نظر کا مزاج ہمیشہ غلو، شخصیت پرستی اور اعتقادات میں شدت پسندی کی طرف میلان رکھتا ہے، جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ طالقانی خمینی جمہوریہ کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے، بلکہ بعض نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ان کے ائمہ نے خمینی کی پہلے سے بشارت دے رکھی ہے۔[3]

شیعہ مہدی کے واپس آنے کے بعد اپنے عقیدے کے مطابق اس کی سیرت اور اعمال کے متعلق جو بیان کرتے ہیں، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ان کے حوالے سے نقل ہو چکا ہے کہ واپس آنے کے بعد اس کو قتل کرنے اور انتقام لینے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوگا۔

وہ کہتے ہیں:

''اس کو ''جفر احمر'' دے کر بھیجا جائے گا، جس کا مطلب ذبح کرنا ہے اور وہ اپنے ذبح خانوں میں بالخصوص عرب کو ذبح کرے گا... الخ۔''[4]

---

[1] أحمد الفهري (شیعہ اسے ''علامہ'' کا لقب دیتے ہیں): تقديمه لكتاب ''سر الصلاة'' للخميني (ص: ۱۰)

[2] یہ بیان ایک لبنانی مجلّے ''السفير'' نے ۳۱/ ۳/ ۱۹۷۹ء کو نشر کیا تھا۔ اسے محمد جواد مغنیہ نے نقل کیا اور اسے اسلامی جمہوریت کے لیے ایک جدید فہم قرار دیا، جو صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے، جس کے دل و دماغ میں اسلام جاگزیں ہوا! دیکھیں: الخميني والدولة الإسلامية (ص: ۱۱۳)

[3] محمد جواد مغنية: الخميني والدولة الإسلامية (ص: ۳۸۔ ۳۹)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۹۲۵) دیکھیں۔

ہم آج اس مزعومہ سیرت اور کردار کے آثار آیات کی ریاست میں نمودار ہوتے دیکھتے ہیں، کیوں کہ خمینی اور اس کے انصار و اعوان نے ایران کے اندر اور ایران کے باہر مہدی کی ریاست کے ذبح خانوں کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا ہے۔

درحقیقت گم شدہ مہدی کی واپسی کے بعد مزعوم قتل و غارت کی روایات کے واضعین اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ مہدیت اور اس کی پوشیدگی کا مسئلہ ایک خیال اور وہم کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن وہ حقیقت میں اپنے سینوں میں چھپے ہوئے جذبات اور اپنے دلوں میں بھڑکنے والی نفرتوں کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح شیعہ علما کی اکثریت بھی یہ جانتی ہے کہ مہدی ایک خرافت ہے، اس لیے انھیں جوں ہی مسلمانوں کو قتل کرنے کی اپنی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ملا، تو انھوں نے فوراً اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مہدی کے خروج کا انتظار بھی نہیں کیا، کیوں کہ ان کو علم ہے کہ وہ نہیں نکلے گا، کیوں کہ وہ اصلاً موجود ہی نہیں۔ اس کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ خمینی اپنی کتاب "تحریر الوسیلة" میں یہ بات مقرر کرتا ہے کہ ان کے مہدی کی غیوبت کی وجہ سے جہاد کا آغاز کرنا جائز نہیں۔ وہ کہتا ہے:

"ولی امر اور سلطانِ عصر، اللہ اس کی جلدی جلدی رہائی فرمائے، کی پوشیدگی کے زمانے میں اس کے نائبین جو فتوے اور قضا کی شروط پر پورا اترنے والے فقہا ہیں، سیاسیات اور امام کے سارے کاموں کے اجراء میں، ما سوائے جہاد کا آغاز کرنے کے، اس کے قائم مقام ہوں گے۔"[1]

لیکن جب اس نے اپنی ریاست قائم کی تو اس نے اس کے دستور میں مقرر کیا:

"اسلامی جمہوریہ کی فوج صرف حدود کی حفاظت اور حراست کی ذمے داری نہیں سنبھالے گی، بلکہ یہ عقدی پیغام، یعنی اللہ کی راہ میں جہاد اور دنیا کے تمام میں اطراف و اکناف میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حاکمیت کو توسیع دینے کی بھی ذمے داری ہوگی۔"[2]

لہٰذا آپ اس کے کلام میں تناقض کو واضح دیکھتے ہیں، وہ تحریر الوسیلہ میں جہاد کو مہدی کے فرائض میں سے قرار دیتا ہے اور اپنی ریاست قائم کرنے کے بعد اس کے دستور میں جہاد کو فوج کے ساتھ منسلک اور فقیہ کے فرائض میں شمار کر رہا ہے۔ یہ امر ولایتِ فقیہ کے اس کے نئے مذہب کے تقاضے کے مطابق ہے، جس میں

[1] تحریر الوسیلة (١/ ٤٨٢)

[2] الدستور لجمهورية إيران الإسلامية (ص: ١٦) منشورات مؤسسة الشهيد، نیز دیکھیں: "الدستور" کا دوسرا اڈیشن "وزارة الإرشاد الإيرانية" (ص: ١٠) نے شائع کیا ہے۔

مہدی کے تمام اختیارات شیعہ عالم کو مل چکے ہیں، ان کے دستور کی ایک شق اس پر بھی دلالت کرتی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''امام مہدی کی پوشیدگی کے زمانے میں اسلامی جمہوریہ ایران میں حکومت کی سربراہی اور امت کی امامت فقیہ کے ہاتھ میں ہوگی ...''[1]

اس لیے اپنی ریاست قائم کرنے کے بعد انھوں نے سب سے پہلے جو کام کیا، وہ اپنے لشکروں اور بعض اسلامی ممالک میں اپنی ماتحت تنظیموں کے ذریعے مسلمان اقوام کا قتل کرنے کے لیے چڑھائی کرنا تھا۔ اس کے باوجود خمینی کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ دفاع کے دائرے میں داخل ہے اور تاویل کی کوئی حد نہیں، وہ کہتا ہے:

''ہم کسی پر حملہ کرنے اور اسلحہ اٹھانے کی نیت نہیں رکھتے۔ عراق ایک طویل عرصے سے ہم پر حملے کر رہا ہے، ہم اس پر حملہ نہیں کرتے، بلکہ صرف دفاع کرتے ہیں اور دفاع ایک ضروری کام ہے۔''[2]

لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اپنے انقلاب کو برآمد کرنا چاہتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''ہم اپنے انقلاب کو تمام اسلامی ممالک میں برآمد کرنا چاہتے ہیں۔''[3]

وہ اپنے انقلاب کو پرامن برآمد ہی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ قوت کے بل بوتے پر اپنے مذہب کو مسلمانوں پر لاگو کرنا چاہتا ہے، اس نے اپنی ریاست قائم کرنے سے پہلے اس کا ذکر کیا تھا اور یہ اقرار کیا کہ اس کا ذریعہ ایک شیعہ ریاست قائم کرنا ہے، جو اس کام کی ذمے داری نبھائے گی، وہ کہتا ہے:

''ہم امتِ اسلامیہ کو (رافضیت پر) اکٹھا کرنے استعمار کے ہاتھوں سے اس کی زمینوں کو آزاد کروانے اور ان کی عملی حکومتوں کو گرانے کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے کہ ہم اپنی اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ اس کے بیج اور ابتدائی کوششیں ہیں، جس دن خیانت کے سرداروں کے سر کچل دینا اور ان بشری بتوں کو پاش پاش کرنا ممکن ہوگا، جو زمین پر ظلم اور فساد پھیلا رہے ہیں، اس دن اس کے اعمال کامیابی کا تاج پہنیں گے۔''[4]

یہ روافض محض ان اسباب کی بنا پر حکومتوں پر تنقید نہیں کرتے، جو وہ ذکر کرتا ہے، کیوں کہ اگر دنیا میں کوئی

---

[1] دستور الجمهورية الإسلامية في إيران (ص: ١٨) ط: وزارة الإرشاد.

[2] خطاب الخميني حول مسألة تحرير القدس والمهدي المنتظر (ص: ٩۔ ١٠)

[3] المصدر السابق (ص: ١٠)

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ٣٥)

ایسی حکومت ہوتی، جس سے بہتر کوئی نہ ہوتی، تو پھر بھی وہ ان کے غصے اور غضب ہی کا نشانہ ہوتی، جب تک وہ رافضیت پر مبنی نہ ہوتی۔ یہ بات جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

ابھی تک مسلمانوں کو قتل کرنے کا مہدی کا ممکنہ عمل ان کے حجتوں اور آیات کی زبانوں پر جاری ہے اور اس کام کا آغاز خمینی کرے گا، کیوں کہ وہ مہدی کے تمام فرائض منصبی کا نائب ہے۔ شیعہ کے بعض علما نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، کیوں کہ وہ اپنے امام کے بقول:

''طیش میں مبتلا ہیں اور زیادہ دیر تک کسی بات کو چھپا نہیں سکتے۔''[1]

۱۷ مارچ ۱۹۷۹ء کو عبدان میں اسلامی جمہوریہ ایران کی تائید میں ایک سرکاری اور عوامی جلسے کا انعقاد ہوا۔ ڈاکٹر محمد مہدی صادقی نے اس جلسے میں جو تقریر کی، وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تحریر کی گئی اور ریڈیو نے اس کو ایک اہم تقریر قرار دیا، اس خطاب میں مذکور ہے:

''مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام مسلمان بھائیو! میں کھلے لفظوں میں کہتا ہوں کہ مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کا امن والا حرم ہے، جس پر یہودیوں سے بدتر ایک گروہ نے قبضہ کیا ہوا ہے ...۔''

اس سے پہلے اس نے ذکر کیا:

''جب ان کا انقلاب ثابت قدم ہوجائے گا تو وہ قدس، مکہ مکرمہ، افغانستان اور مختلف ممالک میں منتقل ہوجائیں گے۔''[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں مکہ مکرمہ کی حالت قدس کی طرح ہے، جس پر یہود نے قبضہ کیا ہوا ہے اور افغانستان کی طرح ہے، جس پر اشتراکیوں نے قبضہ کیا ہوا تھا، لیکن اسی دوران میں آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ شام میں نصیری کافر حکومت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔

مجلّہ ''شہید''، قم میں شیعہ علما کا ترجمان ہے، اس کے شمارہ نمبر ۴۶ میں، جو ۱۶ شوال ۱۴۰۰ھ کو جاری ہوا، ایک تصویر چھاپی گئی، جو کعبہ شریف کی نمایندگی کرتی ہے اور اس کے ساتھ ایک دوسری تصویر چھپی، جو مسجد اقصیٰ

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٢)

[2] یہ تقریر ''الثورة الإسلامية'' ریڈیو عباران سے ۱۲ بجے دوپہر بتاریخ ۱۷/ ۳/ ۱۹۷۹ء کو نشر کی گئی۔ نیز دیکھیں: وجاء دور المجوس (ص: ٣٤٤۔ ٣٤٧)

کی ترجمانی کرتی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک ہاتھ ہے، جس نے بندوق پکڑی ہوئی اور اس کے نیچے یہ سلوگن لکھا ہوا ہے:

''ہم دونوں قبلوں کو آزاد کروائیں گے۔''[1]

بعض شیعہ علما کی خمینی کے ولایتِ فقیہ کے مذہب کی مخالفت:

خمینی کے مہدی کے تمام فرائض فقیہ کو منتقل کرنے کے مذہب نے شیعہ کے جملہ علما کو بھڑکا دیا اور خمینی اور شیعہ کے ایک بڑے مرجع تقلید، شریعت مداری[2] کے درمیان شدید کشمکش نے جنم لیا، اسی طرح شیعہ کے علما کے ایک گروہ نے اس مذہب کی مخالفت کا اعلان کیا۔[3]

محمد جواد مغنیہ تعجب کرتا ہے کہ خمینی نے یہ موقف اختیار کر لیا ہے اور معصوم اور فقہا کے اختیارات کو برابر کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''معصوم کا قول[4] اور اس کا حکم مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کی طرح ہے، ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ٣۔ ٤] ۔اس کا یہ مطلب ہوا کہ سمجھدار، ناسمجھ، عالم اور جاہل سب پر معصوم کی ولایت اور فرمانبرداری کا حق لازم ہے اور اگر وہ موجود ہو تو روحانی اور زمانی حکومت صرف اس میں محصور ہوگی اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا، وگرنہ ولایت اس کے لیے نہیں ہوگی، بلکہ اس کے اوپر ہوجائے گی اور یہ علم ہونا چاہیے کہ غلطی اور خطا سے معصوم کے اوپر، اس ذات کے علاوہ کوئی نہیں، جس کے لیے خلق اور امر ہے، یعنی اللہ جل جلالہ۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جائے گا: جب معصوم غائب ہو تو اس کی مکمل ولایت فقیہ کی طرف منتقل ہوجائے گی؟''[5]

---

[1] دیکھیں: مجلّہ ''الشهيد''، کا مذکورہ شمارہ۔ نیز دیکھیں: اخبار ''المدينة''، سعودی عرب (٢٧ ذوالقعدہ ١٤٠٠ھ) نیز مولانا عبدالقادر آزاد خطیب شاہی مسجد، لاہور پاکستان نے جب ایران کا دورہ کیا تو وہاں انھوں نے جو دیکھا، اس کے بارے میں کہا کہ انھوں نے تہران کے ہیلٹن ہوٹل کی دیواروں پر یہ نعرے لکھے پڑھے: ہم کعبہ، بیت المقدس اور فلسطین کو کافروں کے ہاتھوں سے آزاد کروائیں گے۔ (مزید دیکھیں: الفتنة الخمينية للشيخ محمد آزاد، ص: ٩)

[2] دیکھیں: عبد الجبار العمر: الخميني بين الدين والدولة، مبحث الخميني وشريعت مداري (ص: ١٤٤ وما بعدها)

[3] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ١٥٣۔ ١٥٤)

[4] شیعہ کے نزدیک ان کے ائمہ رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہیں۔

[5] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ٥٩)

یہ اس کی نگاہ میں غایت درجہ کا غلو ہے، کیوں کہ فقیہ کی حکومت کو معصوم کی حکومت کی طرح کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

''معصوم کی حکومت شکوک و شبہات سے پاک ہے، کیوں کہ وہ خود دلیل ہے، مدلول نہیں اور حقیقی ہے، ظاہری نہیں، لیکن فقیہ کی حکومت اور فیصلہ مدلول ہے جو ظاہر (دلیل) پر اعتماد کرتا ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ وہ نسیان کا نشانہ بھی بن سکتا ہے اور اس پر تکبر، غرور، جیسے شخصی جذبات غالب آ سکتے ہیں، وہ ماحول سے بھی متاثر ہوسکتا ہے اور اس کی اقتصادی حالت اور معاشری رتبے میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ میں نے مشاہدہ بھی کیا ہے اور بہت سارے ظالم احکام کا جبر بھی سہا ہے، یہاں بہت زیادہ مثالیں پیش کرنے کی تو گنجایش نہیں، لیکن اتنا کہوں گا کہ میں ایک فقیہ کو جانتا تھا، جو سرکاری عہدے سے پہلے بڑا زاہد پارسا تھا اور اس کے بعد لوگوں نے باتیں کرنا شروع کر دیں کہ وہ اپنی اولاد اور سسرالی رشتے داروں کو نوازنے لگا ہے۔''[1]

یہ اس کی اپنی قوم کے ''شیوخ'' کے خلاف گواہی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جونہی انھیں کسی عہدے کو حاصل کرنے کا موقع ملے، ان کی پارسائی اور زہد کی ظاہری صورت جو وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں، مٹ جاتی ہے۔ یہ علما جن کی یہ حالت ہو، خمینی سمجھتا ہے کہ یہ امت کے ولی الاَمر ہیں!

خمینی کی روش کے مخالف رجحان کا حامل یہ گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ''فقیہ کی ولایت معصوم کی ولایت سے بہت زیادہ کمزور اور محدود ہے۔''[2] جو ان کی روایات میں ثابت ہے کہ ''وہ فتویٰ نویسی، عدالتی امور، عمومی اوقاف، غائب کے اموال اور لاوارث کی وراثت کے امور کی ولایت اور حکومت ہے۔''[3] اس سے تجاوز نہیں کرسکتی۔

مغنیہ نے اپنے جملہ بڑے علما کے جملہ اقوال سے اس مذہب پر استدلال کیا ہے اور خمینی کی جانب سے اپنے موقف کے اثبات کے لیے پیش کردہ دلائل کی تردید کی ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ اس کے دلائل عمومِ ولایت اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتے، جو اس نے مراد لیا ہے، یہاں انھیں نقل کرنے اور ان کا جائزہ لینے کی کوئی گنجایش ہے نہ فائدہ۔ لیکن یہاں یہ فائدہ ضرور ہے کہ خمینی اپنے گروہ کے اس موقف پر کہ فقیہ کی ولایت حکومت کے لیے اہلیت نہیں رکھتی، یہ تنقید کرتا ہے کہ یہ اسلام کے احکام کو معطل کر دے گا اور یہ دین کے منسوخ

[1] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ٥٩۔ ٦٠)

[2] المصدر السابق (ص: ٦١)

[3] المصدر السابق (ص: ٦٠)

ہونے کے قول کے قائم مقام ہے، لیکن خمینی کے اپنے مذہب کی تائید میں پیش کیے گئے دلائل اس درجے تک نہیں پہنچتے کہ وہ اس کی مراد پر دلالت کر سکیں، لہٰذا اس کے اپنے فرقے کے مذہب پر لگائے گئے احکام (الزامات) بالکل سچے ہیں، نیز یہ کہ یہ عقیدہ اصولِ شریعت، عقل و منطق اور اشیا کے مزاج کی مخالفت پر مبنی ہے۔

خمینی مخالف رجحان امرِ ولایت کا مرجع عام لوگوں کو قرار دیتا ہے، اس کو شیعہ علما کے ساتھ خاص نہیں کرتا، بلکہ علما کو اس حالت پر باقی رکھتا ہے، جس پر ان کو رکھا گیا ہے، یعنی غائب کے آنے اور دین و دنیا کے امور سنبھالنے تک وہ مخصوص امور کی ولایت تک محدود رہیں گے، یہ اس زمانے کی زبان میں دین کو ریاست سے جدا کرنا ہے، لہٰذا یہ مذہب فقیہ میں غلو اور دین کو ریاست سے جدا کرنے کی دعوت کے درمیان گھوم رہا ہے۔ ہر وہ مذہب جو باطل ہو، ضروری ہے کہ وہ اس جیسے تناقضات کو جنم دے۔

یہ دونوں آرا ہی وصیت اور تعیین کے دعوے کی تردید پر آ کر رکتی ہیں، کیوں کہ دونوں ہی گم شدہ غائب، جو کبھی نہیں آئے گا، کیوں کہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں، کی شکلی تعیین کے سوا کسی متعین شخص کو رئیس مقرر نہیں کرتیں۔

آیات کی ریاست کا دستور:

اسلامی جمہوریہ ایران نے ایک کتاب کی شکل میں اپنے دستور کا اعلان کیا، جس کو وزارت ارشادِ اسلامی نے جاری کیا اور اس کی پہلی اشاعت ۱۴۰۶ھ کو ہوئی۔ اس سے پہلے اس دستور کا مواد ایک ''الشہید'' نامی ایرانی رسالے کے خاص نمبر میں شائع ہو چکا تھا۔[1] یہاں اس دستور کی بعض شقوں کو ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ واضح ہو سکے کہ آیا یہ دستور ان کے دعویٰ کے مطابق اسلامی ریاست کی ترجمانی کرتا ہے، یا نہیں؟

یہ دستور بارہ نمبر شق میں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ ریاست کا دین جعفری مذہب ہوگا:

> ''ایران کا سرکاری دین اسلام اور جعفری اثنا عشری مذہب ہے، یہ قانون ہمیشہ رہے گا، جو ناقابلِ تبدیل ہے۔''[2]

اسی طرح یہ دستور امامت میں اثنا عشری نظریے کو مقرر کرتا ہے اور ولایتِ فقیہ کے بارے میں خمینی کے مذہب کو امامت کے ساتھ مربوط کرتا ہے:

---

[1] طبعة مؤسسة الشهيد، قم، سنة ١٩٧٩م

[2] الدستور (ص: ٢٠)

''ولایتِ فقیہ، امامت اور حکومت کے استمرار کے لیے معتمد ہے۔''[1]

دیکھیے! وہ اپنے دستور میں گروہی تعصب کا اعلان کر رہے ہیں، حالاں کہ وہ اپنا نام ''اسلامی جمہوریہ'' رکھتے ہیں! شاید ان کا یہ قول یہ اشارہ کرتا ہو کہ ان کا مذہب اسلام کے نام میں داخل نہیں، اس لیے اسلام کے ساتھ ایک دوسرے دین کے طور پر جو اس میں شریک ہے، اس کا علاحدہ ذکر ضروری ہے، حالاں کہ آپ اکثر ان کو سنتے ہیں کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا مذہب باقی اسلامی مذاہب سے صرف فروع میں مختلف ہے۔ اگر ان کے تصور میں معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر دستور میں علاحدہ سے جعفریہ کو اپنا مذہب قرار دینے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر یہ شق ہمیشہ کے لیے ناقابلِ تبدیل کیوں ہے؟ کیا انھوں نے غیب پر جھانک لیا ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد کیا ہوا ہے؟ یہ لوگ اہلِ سنت کے پاس موجود حق کو دیکھنے کے لیے اپنی عقلوں اور دلوں کو کیوں نہیں کھولتے، تاکہ وہ نفرت خیز تعصب کی بیماری سے شفا پا سکیں؟

اس شق کے موجب تو ان کے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ایران کے بجائے جعفری جمہوریہ ہونا چاہیے، کیوں کہ اسلامی ریاست اسلام کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے، مذہب کی بنیادوں پر نہیں۔ خلیفہ جب کسی مذہب کو اختیار کرتا ہے تو قوتِ دلیل کی بنا پر اختیار کرتا ہے نہ کہ وراثت اور تعصب کی وجہ سے، لیکن انھوں نے یہ شق داخل کر کے اپنے ایک عالم کی اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہے کہ ''اثنا عشریہ ایک دین ہے، مذہب نہیں۔''[2]

اس دستور کے دوسرے قاعدے کی بعض شقیں ان کی ائمہ سے منقول روایات کو سنتِ رسول ﷺ کی جگہ رکھتی ہیں اور یہ لوگ ادنیٰ کو اعلیٰ کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس شق کے الفاظ ہیں:

''اسلامی جمہوریہ کا نظام کتاب اللہ اور معصومین کی سنت کی اساس پر، اجتہاد کی شرائط پر پورا اترنے والے فقہا کے جاری اجتہاد کی بنیاد پر کھڑا ہے۔''[3]

اس شق میں نبی ﷺ کی سنت کا اعتراف نہیں، کیوں کہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ معصومین کی سنت کو لیتے ہیں، جن کو وہ انبیا اور رسولوں سے افضل شمار کرتے ہیں۔ یہ دستور جو اپنے حساب سے رسول اللہ ﷺ

[1] المصدر السابق (ص: ۹)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۰) حاشیہ (۳) دیکھیں۔

[3] الدستور (ص: ۱۵۔ ۱٦)

کی سنت کو کالعدم کرتا ہے، کیا اس کی اسلامی صفت باقی رہتی ہے؟

اس شق کے تقاضے کے مطابق وہ اصولِ کافی اور بحار الانوار وغیرہ جیسی کتابوں میں جو کفر اور گمراہی موجود ہے، اس سب کو لیں گے، کیوں کہ یہی ان کے وہ مصادر ہیں، جو ان کے معصوموں کی سنت نقل کرتے ہیں۔ دستور کی بعض شقوں میں آپ کو قوم پرستی اور لسانی تعصب کا مظاہرہ بھی نظر آتا ہے، دستور کا پندرہ نمبر قاعدہ کہتا ہے:

''ایرانی قوم کے لیے زبان اور سرکاری اور عوامی خط کتابت کا ذریعہ فارسی ہے، لہٰذا تمام سرکاری کاغذات، خط کتابت، سرکاری احکام اور درسی کتابیں اسی زبان میں ہوں گی۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ شق ایرانی قوم پرستی کی اساس پر رکھی گئی ہے، کیوں کہ اسلام کی ایک ہی زبان ہے جو عربی ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ وہ عربوں کی زبان ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ قرآن وسنت کی زبان اور رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ اور تابعین کی ریاست کی زبان تھی۔ دستور کا سولہ نمبر قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ ان کا مرجع امت کی رائے ہے، کتاب وسنت نہیں، اس کے الفاظ ہیں:

''اسلامی جمہوریہ ایران کے تمام شہری امور کو امت کی رائے کے مطابق چلانا ضروری ہے۔''[1]

بلاشبہہ اسلام میں حکومتِ خلافت اپنے تمام کام کتاب وسنت کی روشنی میں چلاتی ہے، رائے عامہ کے مطابق نہیں، یہ اسلام میں حکومت کی بنیاد نہیں، بلکہ یہ انسان کے وضع کردہ نظاموں کی بنیاد ہے۔

یہ نظریہ قاعدہ نمبر ۵۷ میں زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے، جس کے مطابق:

''معاشی، سیاسی، معاشرتی اور اہم ثقافتی معاملات میں قانون سازی کے اختیارات بعض اوقات عام عوامی ریفرنڈم کے ذریعے عمل میں لائے جائیں گے۔ یہ عام ریفرنڈم پارلیمنٹ کے ممبران کی دوتہائی اکثریت کے مطالبے پر کروایا جائے گا۔''[2]

یہ اپنے آپ کو قانون سازی کے دوسرے مصدر یعنی سنت نبویہ سے محروم کر کے اپنے معاملات کے لیے عوامی ریفرنڈم کا سہارا لیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شیعہ کے عالم یوسف بحرانی (الحدائق کے مولف) نے تو ان کو یہ تجویز دی ہے کہ یہ اپنے لیے کوئی دوسرا مذہب تلاش کریں، کیوں کہ یہ مذہب تو ان کے مقاصد پورے نہیں کر سکتا۔[3]

---

[1] الدستور (ص: ١٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٤٦)

[3] اس کی عبارت ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: (ص: ۴۲۲)

یہ ان کے دستور کی جدید ترین طباعت ۱۴۰۶ھ میں مذکور بعض شقوں کا اجمالی تذکرہ تھا،[1] جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی ریاست کی ترجمانی نہیں کرتا، بلکہ فارسی، نسل پرست، رافضی اور جعفری ریاست کی نمایندگی کرتا ہے، جو اپنے احکام کتاب وسنت سے نہیں لیتا، بلکہ کلینی اور اس کے ہمنواؤں کی روایات سے بندھا ہوا ہے، جن کو یہ معصومین کی ''سنت'' کہتے ہیں۔

[1] یہاں یہ درج کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ دستور لبنانی اخبار "السفیر" میں چھپا۔ جس کا ترجمہ محمد صادق الحسینی نے کیا۔ یہ ترجمہ اس دستور کی جدید ترین سرکاری طباعت کے بالکل الٹ ہے، اس میں جو تبدیلی ہوئی ہے، ہوسکتا ہے، اس میں تقیے کا کوئی ہاتھ اور اثر ہو، تاکہ اپنے مذہب کو تنقید سے بچایا جا سکے۔

"حزب التحریر" ایرانی انقلاب کے لیے نرم گوشہ رکھنے والی اور اس کی حلیف ایک جماعت ہے۔ یہ ایران کی حکومت کو صحیح اسلامی حکومت تصور کرتی ہے، اس تنظیم نے اخبار "السفیر" میں چھپنے والے ایرانی دستور کا مطالعہ کرنے کا اہتمام کیا اور بیروت میں موجود ایرانی سفارت خانے سے اس دستور کے ترجمے کی صحت کی تصدیق کروائی تو وہاں سے جواب آیا کہ یہ ترجمہ بڑا دقیق اور امانت دارانہ ہے، اس جماعت نے اپنی تحقیق کا ما حاصل یہ پیش کیا کہ اس دستور کا نام کے سوا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ عدالتی امور و اختیارات کی آٹھویں فصل کی شق نمبر ۱۳۱۔۱۳۲، ۱۳۵ اور ۱۳۶ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وضعی سول قانون ہی عدالتوں میں رو بہ عمل ہوگا۔ (دیکھیں: نقض مشروع الدستور الإيراني، ص: ٤٨) حزب التحریر کا اس پر یہ تبصرہ تھا کہ یہ اسلامی دستور ہے نہ یہ اپنے احکام کتاب وسنت سے اخذ کرتا ہے، نیز واضح ہوتا ہے کہ اس دستور کا خالق مغربی سوچ کا حامل ہے، اسلامی سوچ کا نہیں۔ (المصدر السابق: ٥٢)

نیز کہتا ہے: ''اگر اس دستور کو نافذ کیا جائے تو وہ ملک کو اسلامی ملک نہیں بنائے گا، دستور کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی عقیدے کے چشمے سے نکلتا ہو اور اس کا تمام مواد اور شقیں کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں۔'' (المصدر السابق)

یہ حزب التحریر کا فیصلہ ہے، حالانکہ وہ ایرانی حکومت کی حلیف اور دوست ہے اور اس کا رجحان بھی رافضہ کے رجحانِ فکر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، کیوں کہ یہ جماعت بعض اسلامی احکام پر عمل کو اس وقت تک کے لیے موخر کرتی ہے، جب تک خلافتِ اسلامیہ قائم نہ ہو جائے، جس طرح شیعہ اپنے مذہب کے بعض احکام پر عمل کو مہدی کے آنے تک موخر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ جماعت ان کے دستور پر یہ حکم لگاتی ہے۔ اگر جگہ تنگ نہ ہوتی تو میں ان کی تنقید کی تمام تر جہتیں ذکر کرتا۔ یہ تنقید تجویز کردہ اسلامی دستور کے ساتھ ملا کر خمینی کو بھیجی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ نے اپنے دستور میں قابلِ اعتراض مواد کو بدلنے کے لیے اس سے استفادہ کیا ہے، جس طرح اس کی جدید ترین اشاعت سے معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ گمراہی سے خالی نہیں، جیسا کہ ہماری تنقید میں بہ خوبی واضح ہو چکا ہے۔ "حزب التحریر" کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: الجماعات الإسلامية في ضوء الكتاب و السنة: تاليف سليم الهلالي، و زياده الدبيج (ص: ١٣٧ وما بعدها)

پانچواں باب

عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات۔

دوسری فصل: شیعہ کا حکم۔

پہلی فصل

عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات

تاریخ کے مختلف مراحل اور طویل ادوار میں شیعہ کے عالمِ اسلام پر اثرات کا جائزہ لینا ایک بہت بڑا اور وسیع موضوع ہے، بلکہ اس کے متعدد موضوعات اور مختلف پہلو ہیں، جو کئی مقالوں اور بہت زیادہ کاوشوں کے متقاضی ہیں۔ صرف تیسری اور چوتھی صدی میں عراق میں رونما ہونے والے تاریخی واقعات کا جائزہ لینا، جن میں شیعہ کا گہرا اثر اور کردار تھا، ایک بڑا وسیع موضوع ہے۔ اگر پورے عالمِ اسلام میں ان واقعات کی تحقیق کی جائے تو کام کا پھیلاؤ کتنا زیادہ ہوجائے گا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ معاصر حالات میں عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف میں روز بہ روز بڑھتی ہوئی شیعہ تنظیموں کا احاطہ کرنا اور ان کے اثرات کا جائزہ لینا، متعدد سفروں، وسیع تر تعلقات اور عملی تحقیقات کا تقاضا کرتا ہے۔

ایک مقالے بلکہ ایک مقالے کی ایک فصل میں اس کے کچھ حصے کی تحقیق بھی ممکن نہیں، بالخصوص اس مقالے میں، جس کا اصل مقصد ان کے اصول و عقائد کی تحقیق و تنقید کرنا ہو۔ ان اسباب کی بنا پر ہم اس فصل میں صرف دلالت کرنے والے اشارے، مختصر بات اور با مقصد تلمیح پر اکتفا کریں گے، نیز کل کے بجائے جز اور استیعاب و تفصیل کی جگہ ایک زمانے میں ایک علاقے کی ایک مثال پیش کرنے کو ترجیح دیں گے۔

میں چاہوں گا کہ مخصوص میدانوں میں شیعہ کے بعض اثرات کو نمایاں کرسکوں، تاکہ ہماری گفتگو بکھر نہ جائے۔ وہ میدان حسبِ ذیل ہوں گے:

1. اعتقادی اور نظریاتی میدان۔
2. سیاسی میدان۔
3. معاشرتی میدان۔
4. معاشی میدان۔

یہ محض ان اثرات کی وضاحت کے لیے تقسیم ہے، وگرنہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے اور ایک

ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں، کیوں کہ بدعت کی نحوست امت کے لیے بڑی خطرناک ہے، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے۔ اس امت کی تاریخ اور اس میں ظاہر ہونے والے مختلف بدعتی رجحانات کا مطالعہ کرنے والا انسان ساری اسلامی ریاست پر اس کے سلبی اثرات محسوس کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اموی خلافت کے سقوط کے اسباب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی زبان سے سنیے، وہ فرماتے ہیں:

''بنو امیہ کی حکومت مٹ جانے کا ایک سبب اس جعد بن درہم کا وجود تھا۔''[1] (جس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات معطل کرنے کا نظریہ پیش کیا)۔[2]

وہ کہتے ہیں:

''بنو امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد الجعدی اس کی طرف منسوب تھا، اس کی نحوست اسی کے گلے میں پڑ گئی، حتی کہ اس کی حکومت ختم ہوگئی۔ جب ایسی بدعات ظہور پذیر ہونے لگیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مخالف ہوں تو اللہ تعالیٰ رسولوں کے مخالفوں سے انتقام لیتے اور رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں۔''[3]

تاریخی واقعات کی یہ تفسیر مورخین کی تاریخی واقعات کی روایتی تفسیر سے بالکل مختلف ہے، کیوں کہ وہ ان کی تفسیر خالص مادی اسباب کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے، جس کو اہلِ ایمان کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۳/ ۱۸۲)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۸۹) دیکھیں۔

[3] المصدر السابق (۱۳/ ۱۷۷)

اعتقادی اور نظریاتی میدان

یہ نہایت وسیع اور بڑا موضوع ہے۔ ذیل میں ہم اس کے بعض خدوخال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

① امتِ محمدیہ ﷺ میں شرک کو پیدا کرنا:

شیعہ کے امام اور امامت کے متعلق عقیدے کا عالمِ اسلام میں شرک اور شرکیات کو جنم دینے میں واضح ہاتھ ہے، بلکہ اہلِ علم کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ امتِ محمدیہ ﷺ میں شرک اور قبروں کی پوجا کو سب سے پہلے شیعہ نے پیدا کیا۔ شیعہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو، ان کی قبروں کے متعلق غلو میں بدل گیا اور انھوں نے اپنی اس بت پرستانہ روش کی تائید کے لیے روایات وضع کیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''قبروں پر بنے ہوئے درباروں کی زیارت کے لیے سفر کی مشروعیت کے متعلق روایات سب سے پہلے رافضی بدعتیوں اور ان کے ہم جنسوں نے وضع کیں، جو مساجد کو ویران کرتے ہیں اور درباروں کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں شرک کیا جاتا ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے اور ایسا دین ایجاد کیا جاتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ کتاب و سنت میں صرف مساجد کا ذکر ہے، درباروں کا نہیں۔''[1]

آج شیعہ کے مزار اور درگاہیں شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے اڈے بن چکے ہیں۔ بہت سارے لوگ جنھوں نے شیعہ علاقوں کو دیکھا ہے، وہ ان شرکیہ مظاہر کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔[2]

یہ مصیبت اہلِ سنت کے بعض علاقوں میں بھی سرایت کر گئی ہے، لیکن یہ اصل میں رافضیوں کا کام ہے، جن کی کتابیں اس کی تائید و نصرت کرتی ہیں۔ یہاں ان درباروں، درگاہوں اور جگہوں کا نام اور ان میں ہونے والے کاموں کی صورت گری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

② اللہ کے دین سے روکنا:

رافضی رجحانِ فکر کو، اپنی تمام تر گمراہی اور شذوذ کے باوجود جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ہمیشہ سے رافضی

---

① الرد على الأخنائي (ص: ٤٧)

② اسی کتاب صفحہ (۱۱۰۴) دیکھیں۔

علما کی تبلیغی کوششوں کا ساتھ نصیب رہا ہے، جو اپنی جماعت کی تعداد بڑھانے کے لیے ہر کارآمد ذریعہ تلاش کرتے ہیں۔

یہ تبلیغی پڑاپیگنڈا اور تشہیری مہم ''بہت بڑے جھوٹ'' پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرتی ہے اور شیعہ کو اس میں کھیلنے، اس کے ساتھ اپنے اَتباع کو دھوکا دینے اور جاہل مسلمانوں کو فریب دینے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ یہ جھوٹ کہتا ہے کہ شیعہ کے شذوذ و انحراف کو اہلِ سنت کی روایات کی تائید حاصل ہے، اس لیے وہ کثرت کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ''اس نقطۂ نظر سے شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

ہم ان کی کتابوں میں ان لوگوں سے بہ کثرت استدلال دیکھتے ہیں، جنھیں یہ عامہ کہتے ہیں، [1] اس جھوٹی بات اور کذب بیانی سے وہ شخص دھوکا کھا گیا، جس کا دل اللہ تعالیٰ نے حق سے پھیر دیا، چنانچہ وہ سمجھ بیٹھا کہ دینِ اسلام وہی ہے، جو یہ بدعتی پیش کرتے ہیں، جب اس نے دیکھا کہ یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے تو اس نے اسلام کو چھوڑ کر الحاد اور بے دینی کی کھائی میں چھلانگ لگا دی۔

اس لیے شیعہ کے غالی لوگ اپنے ہاتھ اور زبان دونوں سے دینِ اسلام پر حملے کرتے ہیں، جس طرح بابک خرمی کے پیروکاروں ''خرمیہ'' [2] کی عادت تھی۔ اسی طرح ابوسعید جنابی کے پیروکار بحرین کے

---

[1] شیعہ کی متاخر اور معاصر کتابوں میں سے تقریباً کوئی کتاب بھی اس اسلوب سے خالی نہیں۔ ان سب سے غلو اور جھوٹ میں آگے ''غاية المرام'' نامی کتاب ہے، جو مکمل اسی اسلوب پر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اپنے واضح اور عیاں جھوٹ کی وجہ سے شیعہ پر ہمیشہ کے لیے ایک بدنما دھبا ہے، اس کے باوجود عصرِ حاضر کا ایک مرجع اس پر فخر کرتا ہے۔ (محسن العاملي: الشيعة، ص: ١٢٤) نیز ''فكرة التقريب'' کے ضمیمہ جات ملاحظہ کریں۔

[2] خرمیہ، نامی کے دو فرقے ہوئے ہیں، ایک فرقہ اسلام کی سلطنت قائم ہونے سے پہلے کا ہے، جو مال اور شرم گاہ میں اشتراکیت کے داعی اور اباحیت پسند مزدک کے پیروکار تھے۔ جنھوں نے فارس میں فساد برپا کر دیا، تو عادل بادشاہ نوشیروان نے ان کا کام تمام کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فوت ہوگیا تھا۔

خرمیہ کا دوسرا فرقہ سلطنتِ اسلام میں ظاہر ہوا، جیسے بابک خرمی کے پیروکار جو آذربائیجان کے ایک علاقے میں نمودار ہوا۔ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے۔ یہ تمام محرمات کو حلال کرتا تھا اور اس نے بیس سال تک بنو عباس کے بہت زیادہ لشکروں کو شکست دی۔ یہاں تک کہ معتصم باللہ (المتوفیٰ ۳۲۳ھ) کے عہدِ خلافت میں یہ اپنے بھائی اسحاق کے ساتھ گرفتار ہوا اور ''سُرَّ من رآى'' نامی شہر میں اس کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

اسلام کے عہد میں ظاہر ہونے والے یہ خرمیہ یقیناً قدیم فارسی مذہب ''مزدکیہ'' ہی کا تسلسل تھے۔ انھوں نے شیعہ کے انحراف میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس لیے نوبختی شیعہ کہتا ہے: ''غلو کا آغاز ان سے ہوا، انھوں نے کہا کہ ائمہ آلہہ (معبود) اور انبیا و رسل ہیں۔'' نیز یہ تناسخ اور قیامت کے نہ ہونے کے بھی قائل تھے۔ (دیکھیں: النوبختي: فرق الشيعة، ص: ٣٦، ابن النديم: الفهرست، ص: ٣٤٢۔ ٣٤٤، الإسفرايني: التبصير في الدين، ص: ٧٩۔ ٨٠، الملطي: التنبيه والرد، ص: ٢٢، الغزالي: فضائح الباطنية، ص: ١٤ وما بعدها)

قرامطہ[1] اور کئی دیگر لوگ تھے۔[2]

رافضیت کو اسلام کہہ کر پیش کرنا بلاشبہہ اللہ کے دین سے روکنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، کیوں کہ ایک عقل مند انسان غیوبت و رجعت کی خرافات، باطنی تاویلات اور صحابہ پر تبرا بازی کو کس طرح قبول کر سکتا ہے۔ آج یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ایران میں ''آیات'' کی حکومت و ریاست قائم کرنا دراصل مسلمانوں کی خلافت کو دوبارہ قائم کرنے اور اتحادِ امت میں رکاوٹ پیدا کرنا اور اسلامی بیداری کے مظاہر کو روکنے کے لیے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہو۔

ایسی ریاست قائم کرنا جو اسلام کا چہرہ مسخ کرتی ہو اور مسلمانوں کی خواہشات اور امیدوں کے خلاف ایک صورت پیش کرتی ہو، وہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں جوش و جذبات کے شعلوں کو ٹھنڈا کر سکتی ہے اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔

کافر استعمار مستشرقین کے نام کی ایک جماعت کے ذریعہ ان بدعتی رجحانات میں بڑی دلچسپی رکھتا ہے، جن کی اکثریت ان ممالک کی وزارت خارجہ میں مشیر کے طور پر کام کرتی ہے اور یہ بڑے بڑے ممالک اپنی سیاست کا طریقۂ عمل ان مستشرقین کی رپورٹوں کی روشنی میں تیار کرتے ہیں، جو امتِ اسلام کی تاریخ اور گروہی تحقیق پر مبنی ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کافر استعمار ہمارے ساتھ اپنی تاریخ کو بھی نہیں بھولا۔ جس طرح اس کے بعض راہنماؤں کے اقوال اور اس کے مختلف مواقف اس کی گواہی پیش کرتے ہیں، نیز بعض نو مسلم یورپین نے بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، جس طرح محمد اسد نے اپنی کتاب: "الإسلام علی مفترق الطریق'' میں ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] قرامطہ ایک اسماعیلی فرقہ ہے، جس کی تعریف (ص: ۱۱۵) گزر چکی ہے۔ انھیں ایک شخص حمدان قرمط کی طرف نسبت کی بنا پر قرامطہ کہا جاتا ہے۔ یہ شخص ابتدا میں ان کا ایک راہنما تھا۔ (فضائح الباطنية، ص: ۱۲)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (۱/ ۱۱٤)

[3] اس کے متعلق محمد اسد نے ''صلیبی جنگوں کا ہیولا'' کے عنوان کے تحت فصل میں گفتگو کی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''کئی صدیوں تک متواتر صلیبی جنگیں ہی یورپ کے اسلام کے متعلق موقف کی تعیین میں سب سے آگے ہوئیں۔'' (الإسلام علی مفترق الطرق، ص: ٥٥) وہ کہتا ہے: ''جتنا اس سے یورپ نے فائدہ اٹھایا ہے، عالم اسلام نے بھی اس سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا، لیکن یورپ نے اس احسان کو یاد نہیں رکھا کہ اسلام کے خلاف نفرت ہی میں کچھ کمی کر دے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس رہا اور یہ نفرت وقت بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی، حتی کہ ان کی عادت بن گئی۔ جب لفظِ مسلم بولا جاتا تو یہ نفرت قومی شعور پر چھا جاتی، بلکہ یہ ان کے محاروں تک میں داخل ہو چکی تھی اور ہر یورپی مرد ہو کہ عورت، اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ (المصدر السابق، ص: ٥٩۔ ٦٠)

وہ مزید کہتا ہے کہ یہ دشمنانہ احساسات ثقافتی تبادلے کے تمام ادوار کے باوجود زندہ اور مسلسل ارتقا پذیر رہے، حالاں کہ ←

چاہے ''آیات'' کی حکومت کا قیام یا عالمِ اسلام میں شیعہ لہر کا چڑھنا کافر دشمن کا مقصود ہو یا نہ ہو، لیکن اس کے اللہ کی راہ سے روکنے اور بہ رضا و رغبت زندیقیت کو قبول کرنے اور پھیلانے کے اثرات ضرور ہیں، جس سے مسلمان دھوکا کھا رہے ہیں اور یہی سب سے بڑی بیماری ہے، جس کی درج ذیل مسئلے میں وضاحت ہوتی ہے۔

③ الحاد و زندیقیت کے فرقوں کا ظہور:

شیخ الاسلام ذکر کرتے ہیں کہ اسماعیلیہ، نصیریہ اور دیگر ملحد منافق زندیقوں کی گمراہی کا نقطۂ آغاز رافضہ کی جھوٹی باتوں کی تصدیق تھی، جن کو وہ قرآن اور حدیث کی تفسیر میں پیش کرتے ہیں۔[1] عبیدیوں کے ائمہ بھی اپنے دعوے کی بنیاد ان جھوٹوں پر کھڑی کرتے، جنھیں رافضہ نے گھڑا تھا، تاکہ اس کے ساتھ شیعہ ان کی گمراہی کو قبول کر لیں، اس کے بعد وہ آدمی کو صحابہ پر تنقید کے مرحلے سے گزار کر حضرت علی پر تنقید کے مرحلے میں داخل کر دیتے، اس کے بعد بالتدریج الوہیت کو ہدفِ تنقید بناتے، جس طرح "البلاغ الأکبر" اور "الناموس الأعظم" کے مولف نے ان کے لیے یہ ترتیب لگائی ہے۔ اس لیے رافضیت کفر و الحاد کا سب سے بڑا دروازہ اور دہلیز تھی۔[2]

چنانچہ رافضہ ان ملحدوں کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتے تھے، جس سے گزر کر وہ اللہ تعالیٰ کے اسما اور اس کی کتاب مبین کی آیات میں الحاد کی تمام اصناف میں داخل ہو جاتے، جس طرح قرامطی اور باطنی وغیرہ جیسے منافقوں کے سربراہوں نے یہ خود تسلیم کیا ہے۔[3]

گذشتہ سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اثنا عشریہ کی روایات اور احادیث جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ان کو ائمہ اہلِ بیت سے حاصل کیا ہے، غالی افکار و نظریات اور بے دین فرقوں کے ظہور کے لیے ایک مناسب ماحول اور زرخیز مٹی مہیا کرتی ہیں۔

کیوں کہ ان روایات نے شیعہ فرقوں کے مختلف رجحانات اور شاذ افکار کے تلچھٹ کو یکجا کر دیا ہے، جنھوں نے امت میں تفرقہ بازی اور فساد کو ہوا دی۔ یہ اقوال ہم تک فرق اور عقائد و نظریات کی کتابوں

← دینی شعور، جو اس عداوت کا سبب تھا، وہ ختم ہو گیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیوں کہ نفسیات میں یہ طے شدہ بات ہے کہ انسان بسا اوقات ان عقائد کو چھوڑ سکتا ہے، جو اس نے بچپن میں حاصل کیے ہوں، لیکن بعض خرافات اس کے ذہن کے ساتھ چپکی رہ سکتی ہیں، جو ہر عقلی تجزیے کو چیلنج کرتی ہے۔ (المصدر السابق، ص: ٦٠۔ ٦١) میں کہوں گا کہ نفسیات کے یہ مقررہ قاعدے یورپ کے دینوں پر تو صادق آ سکتے ہیں، دینِ فطرت اسلام پر نہیں۔

[1] منهاج السنة (٤/ ٣)

[2] منهاج السنة (٤/ ٣)

[3] المصدر السابق (١/ ٣)

کے ذریعے پہنچے، پھر ہم نے شیعہ روایات کو دیکھا کہ وہ ان رجحانات کی نہ صرف گواہی دیتی ہیں، بلکہ ان کی تائید بھی کرتی ہیں۔[1]

انھی روایات کی وجہ سے اثنا عشریہ کی کوکھ سے بہت سارے فرقوں نے جنم لیا، جن کا غلو اور کفر بہت زیادہ مشہور ہوا، جیسے: شیخیہ، بابیہ اور کشفیہ وغیرہ تھے۔ بلکہ منتقی کے مولف نے تو یہ کہا ہے کہ رافضیت بدترین فرقوں کی جائے پناہ ہے...''[2]

اس کے بعد انھوں نے زندیقیت اور الحاد کے ان جملہ فرقوں کا ذکر کیا، جو رافضیت کی چھتری تلے پناہ لیتے ہیں۔ اسی لیے امام غزالی نے کہا ہے کہ باطنیہ کا مذہب ظاہری طور پر رافضیت ہے، لیکن باطنی طور پر خالص کفر ہے۔''[3] لہٰذا وہ کافر ہیں، لیکن اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں۔

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان کی جماعت میں انھی کی اکثریت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

''رافضہ کے اکثر ائمہ اور عام لوگ زندیق اور ملحد ہیں، ان کو علم اور دین سے کوئی غرض نہیں۔''[4]

چنانچہ تشیع کا ماحول اور آب و ہوا مختلف فرقوں اور خواہش پرستوں کے لیے بڑی زرخیز ہے۔

محبّ الدین خطیب نے لکھا ہے:

''شیعیت ایران میں بہائیت اور کمیونزم کے پھیلاؤ کا ایک اہم عامل تھا۔''[5]

4 مسلمانوں کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے گمراہ کرنے کی کوشش:

شیعہ کے فکری اثرات کے کے نتیجے میں سے ایک یہ امر ہے کہ ان کا ایک گروہ رجالِ حدیث میں گھس گیا اور انھوں نے بعض ان روایات کو ذخیرہ حدیث میں داخل کرنے کی کوشش کی، جو شیعیت کی معاون اور خادم ثابت ہوسکتی ہیں، بلکہ اس رنگ کا مواد اہلِ سنت کی معاجم اور دواوینِ حدیث میں بھی پایا گیا، لیکن رجالِ حدیث اس کی طرف متوجہ ہوگئے، انھوں نے حق کو واضح کر دیا اور رافضی سازش کو بے نقاب کر دیا۔

شیخ سویدی ان کے اس چھوڑے ہوئے اثر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۱۵) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: المنتقیٰ (ص: ۷۷)

[3] فصائح الباطنية (ص: ۳۷)

[4] منهاج السنة (٤/ ٧٠)

[5] الخطوط العريضة (ص: ٤٤۔ ٤٥)

''شیعہ کے بعض علما نے علمِ حدیث کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، لہٰذا انھوں نے ثقہ محدثین سے احادیث سنیں، اہلِ سنت کی صحیح اسانید کو یاد کیا اور اپنے آپ کو تقوے اور پرہیزگاری کے ظاہری زیور سے آراستہ کیا، حتی کہ ان کو اہلِ سنت کے محدثین میں شمار کیا جانے لگا۔ یہ صحیح اور حسن احادیث روایت کرتے، اس کے بعد ان روایات میں اپنے مذہب کے مطابق موضوع روایات داخل کر دیتے۔ اس دسیسہ کاری کی وجہ سے عوام تو ایک طرف رہے، خواص اہلِ سنت بھی گمراہی کا شکار ہوگئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ائمہ حدیث کی ذمے داری لگائی، جنھوں نے موضوع روایات کا پیچھا کیا، انھیں جا پکڑا اور ان کے موضوع ہونے کو واضح انداز میں بیان کیا اور مقامِ شکر ہے کہ ان کی حالت واضح ہوگئی۔ شیعہ کے ایک گروہ کا جب پول کھل گیا تو انھوں نے احادیث وضع کرنے کا خود اعتراف کیا۔''

اس کے بعد سویدی کہتے ہیں:

''یہ موضوع روایات ابھی تک معاجم اور مصنفات میں موجود ہیں، اکثر تفضیلیہ[1] اور شیعہ ان روایات سے تمسک کرتے ہیں۔''[2]

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا، ان میں جابر جعفی کا نام بھی شامل ہے۔[3] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابو یعلی نے اپنی کتاب ''الإرشاد'' میں کہا ہے کہ رافضہ نے علی رضی اللہ عنہ اور آلِ بیت کی فضیلت میں تین ہزار روایات کے قریب وضع کیں۔ حافظ ابن قیم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم اس کو بعید از حقیقت نہیں سمجھ سکتے، کیوں کہ اگر آپ ان کے پاس موجود اس طرح کے مواد کی تلاشی کریں تو آپ کو وہی بات ملے گی، جو ابو یعلی نے کہی ہے۔''[4]

5 لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ظاہری طور پر شیعہ کا اہلِ سنت کے مذہب میں داخل ہونا:

رافضی سازش نے جو فکری اثرات چھوڑے، ان کی ایک صورت یہ تھی کہ شیعہ کے علما کا ایک گروہ ظاہری

---

1. زیدیہ وغیرہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے والے۔ دیکھیں: التسعينية لابن تيمية (ص: ٤٠)
2. السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥۔ ٢٦) نیز دیکھیں: الألوسي: السيوف المشرقة (ص: ٥٠ مخطوط) و مختصر التحفة (ص: ٣٢)
3. السيوف المشرقة (ص: ٥٠)
4. المنار المنيف (ص: ١١٦)

طور پر اہلِ سنت کے مذہب میں داخل ہوگیا اور انھوں نے لوگوں کو گمراہی میں مکمل مبتلا کرنے کے لیے حنفی و شافعی کے القاب اختیار کر لیے اور ایسی کتابیں تالیف کیں، جو رافضیت کی تائید کرتی تھیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کے اہلِ سنت کے پردے میں چھپے ہوئے بعض علما نے شیعہ فکر سے ملتے جلتے افکار پیدا کیے اور انھیں اسلامی حلقوں کے سامنے پیش کیا۔ شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ نجم الدین طوفی (المتوفی ۷۱۶ھ) نے شیعہ مذہب کو رائج کرنے کے لیے اسی ذریعے کو استعمال کیا۔ اس نے مصلحت کا نظریہ پیش کیا، جس کے بارے میں اس نے کہا کہ مصلحت نص (قرآنی آیت یا حدیث) سے مقدم ہوگی اور یہ شیعہ مسلک ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نص کو مخصوص یا منسوخ کر سکتا ہے۔

چنانچہ طوفی پورا کا پورا شیعہ نظریہ لے کر آیا، اگرچہ اس نے امام کا لفظ نہیں بولا، لیکن اس کی جگہ اس نے مصلحت کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ اپنی بات اور اپنے نظریے کو پھیلا سکے۔ اس کے بعد شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ طوفی نے ''نص'' کی اہمیت گھٹانے اور مصالح مرسلہ کے ساتھ نص کو مخصوص یا منسوخ کرنے کے نظریے کے ساتھ نصوصِ شرعیہ کی اس اہمیت اور تقدس کو گھٹانے کی کوشش کی، جو اہلِ سنت ان کو دیتے ہیں۔[2]

---

[1] ان کے اس کام کے لیے مختلف مسالک اور طریقے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''یہ بعض اوقات خلفائے اربعہ کے فضائل میں کوئی کتاب تالیف کرتے ہیں اور جب فضائلِ علی بیان کرنے کا موقع آتا ہے تو ان میں اپنے دعوے کی تائید کرنے والی روایات داخل کر دیتے ہیں، جو علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیتِ خلافت اور صحابہ کی تنقیص پر مشتمل ہوتی ہیں۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیں: تحفة الإثنى عشرية: الورقة: ٤٦ مخطوط)

کبھی بعض مذاہب کی فقہ کے متعلق کوئی کتاب لکھتے ہیں اور اس کو اس حلقے اور ماحول میں نشر کرتے ہیں، جہاں اس فقہ کا کوئی مقلد نہیں ہوتا، پھر اس مذہب میں بڑی غلط اور قبیح چیزیں ملا دیتے ہیں، جیسے احادیث کو رد کر کے ان کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دینا یا بعض بدکاریوں کا اقرار کرنا۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کی اس طرح کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، جس کو انھوں نے امام مالک کی طرف منسوب کیا تھا اور اس کا نام ''المختصر'' رکھا، اس کتاب میں انھوں نے امام مالک کی طرف غلاموں کے ساتھ بدفعلی کرنے کے جواز کی جھوٹی نسبت کی۔ (المصدر السابق، ورقة: ٤٥ ب)

کسی وقت یہ ایسی کتابیں لکھتے ہیں، جن میں ان کے مصنفوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ پہلے اہل سنت تھے، پھر جب ان کے سامنے اہلِ سنت کا مذہب جھوٹا ثابت ہوگیا تو انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، جیسے: ''لما ذا اخترت مذهب الشيعة'' (میں نے شیعہ مذہب کیوں اختیار کیا) انھوں نے یہ کتاب ''مرعی الانطا کی'' نام کے ایک شخص کی طرف منسوب کی ہے۔

رافضہ کے اس کام کے جتنے طریقے اور راہیں ہیں، وہ اتنی زیادہ ہیں، جن کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[2] دیکھیں: ابن حنبل (ص: ٣٢٦) ابو زہرہ نے طوفی کے حالات ذکر کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ (المصدر السابق، ص: ٣٢٤۔ ٣٢٥) ابو زہرہ نے اپنے اس حکم کی بنیاد طبقات الحنابلہ لابی یعلی میں طوفی کے مذکور کلام پر رکھی ہے۔

بلکہ روافض نے اپنی بعض مشہور شخصیات کے ناموں کی اہلِ سنت کی بعض بڑی شخصیات کے ناموں میں مشابہت کو بھی باعثِ غنیمت خیال کیا ہے اور حق کی تلاش کرنے والوں کو گمراہ کرنے کے لیے انتہائی سستی فکری ملاوٹ کی ہے۔ وہ اہلِ سنت کے معتبر ناموں میں غور کرتے ہیں، جس کا نام اور لقب اپنے کسی عالم کے نام اور لقب کے ساتھ مشابہ دیکھیں تو وہ شیعہ روایت یا شیعہ قول اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اس کی ایک مثال امام ابن جریری طبری رحمہ اللہ ہیں۔ یہ مشہو سنی امام اور تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے مولف ہیں۔ ان کے ساتھ شیعہ کا ایک عالم محمد بن جریر بن رستم طبری[1] نام میں موافقت رکھتا ہے، دونوں ایک ہی زمانے اور ایک ہی شہر بغداد میں ہوئے ہیں، بلکہ ان دونوں کی وفات بھی ایک ہی سال ۳۱۰ھ کو ہوئی۔

روافض نے اس مشابہت سے فائدہ اٹھایا اور امام ابن جریر طبری کی طرف اپنے مذہب کی تائید کرنے والی بعض کتابیں منسوب کر دیں، جس طرح "المسترشد في الإمامة"[2] نامی کتاب ہے، جو باوجودیکہ اس رافضی محمد بن جریر بن رستم طبری[3] کی تالیف ہے، انھوں نے یہ کتاب امام ابن جریر کی طرف منسوب کردی۔ یہ لوگ آج تک اپنے مذہب کی تائید کرنے والی بعض روایات کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[4]

بلکہ رافضہ کی اس کارروائی نے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی زندگی میں ان کو اذیت سے دوچار کیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بعض عوام نے ان پر رافضیت کا الزام لگایا اور بعض جاہلوں نے آپ پر الحاد کی تہمت باندھی۔[5] ان کی طرف ''غدیر خم'' کی حدیث کے متعلق دو جلدوں میں ایک کتاب منسوب کی گئی اور ان کی طرف وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کا جواز بھی منسوب کیا گیا۔[6]

ایسے لگتا ہے کہ بعض علمائے اہلِ سنت کے سامنے رافضہ کی اس کوشش کا زمانہ قدیم ہی میں پول کھل چکا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

---

(1) رافضی مذہب میں اس کی کئی تالیفات ہیں، جیسے "المسترشد في الإمامة"، "نور المعجزات في مناقب الأئمة الإثني عشر" (دیکھیں: في ترجمة: جامع الروة: ۲/ ۸۲۔ ۸۳، بحار الأنوار: ۱/ ۱۷۷، تنقیح المقال: ۲/ ۹۱، نیز دیکھیں: ابن حجر: لسان المیزان: ۵/ ۱۰۳)

(2) دیکھیں: ابن الندیم: الفهرست (ص: ۳۳۵)

(3) دیکھیں: طبقات أعلام الشیعة في المائة الرابعة (ص: ۲۵۲) ابن شهر اشوب: معالم العلماء (ص: ۱۰٦)

(4) دیکھیں: الأمیني النجفي: الغدیر (۱/ ۲۱٤۔ ۲۱٦)

(5) دیکھیں: البدایة والنهایة (۱۱/ ۱٤٦)

(6) المصدر السابق.

”بعض علما کا خیال ہے کہ ابن جریر دو ہیں، ایک یہ شیعہ جس کی طرف یہ سب منسوب کیا جاتا ہے اور وہ ابوجعفر محمد بن جریر کو ان صفات سے مبرّا قرار دیتے ہیں۔“[1]

یہ قول جس کو حافظ ابن کثیر نے بعض علما کی طرف منسوب کیا ہے، یہی عین حقیقت ہے، جس طرح تراجم کی کتابوں اور ان دونوں کے آثار کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہاں زمین کہاں آسمان! دونوں آدمیوں کے آثار اور اقوال ونظریات میں جو فرق ہے، اس کو ایک دوسرے پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا۔[2]

امام ابن جریر طبری کا عقیدہ رافضہ کے عقیدے کی کسی ایک جہت سے بھی نہیں ملتا۔ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کا علم رکھنے والے اور ان پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔ ابوجعفر طبری[3] نام کا ایک اور رافضی بھی ہے، جو پہلے رافضی طبری کے علاوہ ہے، اگرچہ استاذ فواد سزگین نے ان دونوں رافضیوں کو ملا دیا ہے۔[4] حالانکہ ان دونوں کے درمیان دوصدیوں سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

اخبار ”المدينة المنورة“ نے اس دوسرے رافضی کی ایک ”عقد الزهراء“ کے نام سے خود ساختہ کہانی شائع کی ہے۔ اگر روافض اسما میں مشابہت کو استعمال نہ کرتے تو یہ کہانی کبھی چھپ نہیں سکتی تھی۔[5] ابن جریر کی طرح اور لوگ بھی ہیں،[6] لیکن یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بحث بھی ایک مستقل تحقیق کی مستحق ہے۔

---

[1] المصدر السابق.

[2] دونوں میں اس تفریق کے سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مجلة المجمع العلمي العراقي، المجلد التاسع (ص: ٣٤٥)

[3] ابوجعفر محمد بن ابی القاسم بن علی طبری، چھٹی صدی کا امامیہ کا عالم تھا۔ (دیکھیں: طبقات أعلام الشيعة، ص: ٢٤٢، ٢٧٨)

[4] اس نے کتاب ”بشارة المصطفیٰ“ پہلے یعنی ابن رستم شیعہ کی طرف منسوب کی ہے، جب کہ وہ دوسرے یعنی ابی القاسم کی تصنیف ہے۔ (دیکھیں: تاريخ التراث: ٢/ ٢٦٠)

[5] جريدة ”المدينة“ عدد (٤٦٢١) الثلاثاء ٢٤ رجب ١٣٩٩ھ (ص: ٧) اختبار محمد سالم محمد، یہ شیعہ کتاب ”بشارة المصطفیٰ“ سے منقول ہے۔ یہ کتاب ”بشارة المطفیٰ“ انتہائی غلو پر مشتمل ہے۔ اس میں جبت اور طاغوت کی تاویل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے کی گئی ہے۔ (ص: ٢٣٨) نیز اس میں لکھا ہے کہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم، فوقیت اور ان کی طاعت و ولایت کے وجوب میں شکر کرتا ہے، اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کرے۔ (ص: ٥١)

[6] جیسے ابن قتیبہ، یہ بھی دو آدمی ہیں۔ ایک عبداللہ بن قتیبہ غالی رافضی اور دوسرا عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، جو اہل سنت کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے ”المعارف“ کے نام سے ایک کتاب لکھی، تو اس رافضی نے بھی گمراہ کرنے کی نیت سے اسی نام ”المعارف“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ (دیکھیں: مختصر تحفة الإثنى عشرية، ص: ٣٢، مختصر الصواقع، ص: ٥١ مخطوط، السويدي: نقض عقائد الشيعة، ص: ٢٥ مخطوط)

محققین ”الإمامة والسياسة“ کی ابن قتیبہ سنی کی طرف نسبت کی وجہ سے حیرت کا شکار ہیں، کیوں کہ یہ جھوٹوں اور باطل افکار کا پلندہ ہے۔ عبداللہ عسیلان کہتا ہے کہ میں نے کتاب ”الإمامة والسياسة“ کے اصل مولف کو جاننے کی بڑی کوشش ←

6 عالمِ اسلام میں رافضیت کی اشاعت:

رافضہ کی قدیم نصوص اور روایات میں مذکور ہے کہ ان کے نظریے کو صرف ایک شہر کے باسیوں نے قبول کیا اور یہ شہر کوفہ ہے، اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رافضیت کا مسلمانوں کے معاشرے میں اپنے عقائد پھیلانے میں کس حد تک اثر ہوسکتا ہے۔

ابو عبداللہ نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے ہماری ولایت کو مختلف شہروں کے باشندوں پر پیش کیا، لیکن اہلِ کوفہ کے سوا کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔''[1]

چنانچہ تشیع کو اسلامی بلاد میں سے کوفہ کے سوا اور کوئی وطن نہ ملا، کیوں کہ یہ شہر علم اور اہلِ علم سے دور تھا۔[2] یہاں تشیع کا پھیلنا ابن سبا کے آثار میں سے تھا، اس نے کوفہ کو بہت پہلے سے اپنی سرگرمی کا مرکز بنا لیا تھا، جب وہ اس کو چھوڑ کر گیا تو وہ وہاں اپنے منہج پر عمل کرنے والی ایک جماعت تیار کر چکا تھا۔[3]

کوفہ کے شیخ اور عالم ابو اسحاق سبیعی (المتوفی ۱۲۷ھ) نے اس شہر پر طاری ہونے والی تبدیلی ملاحظہ کی ہے۔ انھوں نے جب کوفہ چھوڑا، تب وہ لوگ اہلِ سنت کے مذہب پر تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور تقدیم میں شک نہیں کرتا تھا، لیکن جب وہ لوٹ کر وہاں آئے تو وہاں کی فضا ہی بدلی ہوئی تھی اور نظریۂ رفض اتنا عام ہو چکا تھا کہ کوئی اس کو برا بھی نہیں جانتا تھا۔[4]

← کی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ (عبداللہ عسیلان: الإمامیة والسیاسیة، ص: ۲۰) بلکہ اس نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ اس کا مولف کوئی مالکی ہوسکتا ہے۔ (المصدر السابق، ص: ۲۰) حالاں کہ اس کتاب پر رافضی چھاپ بالکل واضح اور روشن ہے، کیوں کہ اس میں صحابہ کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، کیوں کہ وہ ۔اس کی رائے کے مطابق۔ خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ عسیلان نے مذکورہ کتاب سے اس کی مثالیں بھی نقل کی ہیں۔ (المصدر السابق، ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹) لیکن اس کی اور دیگر بہت سارے لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا کہ یہ روافض کی دسیسہ کاری ہے، کیوں کہ ابن قتیبہ نام کے دو آدمی ہیں اور کتاب "الإمامیة والسیاسة" اسی رافضی کی تصنیف ہے، لیکن میں نے، اس بات کی اہمیت کے باوجود، کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ تنبیہ ذکر کی ہو۔

[1] بحار الأنوار (۶۰/ ۲۰۹، ۱۰۰/ ۲۵۹)

[2] اسی کتاب کا مقدمہ دیکھیں۔

[3] دیکھیں: سلمان العودة: عبداللہ بن سبأ (ص: ۴۹)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۲۷) دیکھیں۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیماری پورے عالمِ اسلام میں سرایت کر گئی، حتی کہ بعض محققین کے مطابق آج مسلمانوں میں سے ہر دسواں آدمی شیعہ ہے۔[1] عصرِ حاضر میں تشیع کے داعی بڑی سرگرم اور زمین دوز تنظیمیں تشکیل دیتے ہیں، جو پہلے سے تیار شدہ منصوبے کے مطابق عالمِ اسلام میں رافضیت پھیلانے کے لیے پھیل جاتے ہیں۔ شیعہ کے علمی مراکز، جنھیں ''حوزات علمیہ'' کہتے ہیں، ان کو مالی مدد مہیا کرتے ہیں اور وہ ان کم عقل پیروکاروں کے خون پسینے کی کمائی سے اپنی جیبیں بھرتے ہیں، جن کے خیالات اور جذبات کو حبِ آلِ بیت کے خوبصورت دعوے کا نشہ پلا کر جوش سے بھر دیا جاتا ہے، حالاں کہ شیعہ کے علما کے نصیب میں یہ محبت محض نام اور دعوے کی حد تک ہے۔ یہ علما امام کے ''خمس'' کے نام پر ان کے اموال کی بھاری مقدار پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔

ان زمین دوز تنظیموں کے نعرے اور امتیازی نشانات فری میسنز (Free Masons) سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ کبھی ''اتحاد بین المذاہب''[2] کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی ''جمعیت اہلِ بیت'' کا جھنڈا اٹھا لیتے ہیں۔[3]

ایران میں آیات کی ریاست وحکومت قائم ہونے کے بعد ایرانی حکومت کے سفارت خانے رافضیت کی دعوت پھیلانے کے مراکز میں تبدیل ہوگئے۔ انھوں نے اسلامی مراکز اور مساجد کو بالخصوص جمعات کے دنوں میں رافضی رجحان کی دعوت کے لیے استعمال کیا۔

"المجتمع" رسالے نے یورپ میں ہونے والی رافضی سرگرمیوں پر ایک تحقیق شائع کی، جس کے مطابق:

''یورپ میں ایران کے سفارت خانے اور کونسل خانے یورپ میں مقیم مسلمانوں کے حلقوں میں (کافروں میں نہیں) اپنا عقیدہ پھیلانے کے مراکز میں تبدیل ہوگئے۔

''اس کی مزید تصدیق شیعہ فکر کو بیان کرنے والے وہ ہزاروں کتابچے اور پمفلٹس کرتے ہیں، جو یورپین مسلمانوں کو ایسی جگہوں پر تقسیم کیے جاتے، جہاں وہ اکٹھے ہوتے، بالخصوص مساجد کے دروازوں پر یا ڈاکخانے یا دیگر ذرائع سے ان تک پہنچائے جاتے۔ بلکہ ثقافتی مراکز اور کتب خانے بھی ایسے لگتا ہے کہ یورپ میں بسنے والے مسلمان اقلیت کے درمیان ایرانی رافضیت پھیلانے کی خاطر قائم کیے گئے ہوں! ان کتب خانوں کے ساتھ ساتھ، جو ایرانی انقلاب اور اس کے اعتقادی منہج کے متعلق کتابوں اور لٹریچر پر مشتمل ہیں، ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان کتب خانوں

---

[1] روم لاندو: الإسلام والعرب (ص: ٩٥)

[2] دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ٥١١)

[3] دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ٥١٤)

اور خانہ ہائے فرہنگ کے منتظمین لیکچرز اور سیمینارز کا بھی اہتمام کرتے، جن میں اکثر کا موضوع اعتقادی مسائل ہوتا ہے۔‘‘

اس کے بعد اس رسالے نے یورپ کے ان بعض کتب خانوں کا نام ذکر کیا ہے، جو ہر ہفتے میں جمعرات اور سوموار کے دن ایرانی انقلاب کے نظریے کی روشنی میں اعتقادی محاضرات اور لیکچرز کا اہتمام کرتے۔ ان کو رسائل، کتابچوں اور آڈیو کیسٹوں کے ذریعے پھیلایا جاتا اور مسلمانوں کو ان لیکچرز میں شرکت کی دعوت دی جاتی، تاکہ ان کو ایرانی طریقے کے مطابق شیعہ منہج پھیلانے کے لیے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

ان ایرانی مراکز نے، بعض نوجوانوں کو، جن کو انھوں نے دھوکے کا شکار کر لیا اور ایرانی نقطۂ نظر کے لیے اپنا ایجنٹ بنا لیا، مسلمانوں کی بعض مساجد میں بھیجنا شروع کر دیا، تاکہ وہ وہاں خصوصاً جمعے کے دن نمازیوں سے رابطے کریں، کیوں کہ جمعہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔

اس رسالے نے اپنی تحقیق میں یہ بھی ذکر کیا کہ یہ دعوتی رابطے عموماً مساجد میں بعض حادثات اور فتنوں کو پیدا کر دیتے، اس کی اس نے چند مثالیں بھی ذکر کیں اور یہ بھی کہا کہ ایرانی سرگرمیاں، جن فتنوں کو جنم دیتی ہیں، ان کے مسلمانوں پر منفی اثرات بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔[1]

روافض کی سرگرمیاں مختلف چہرے اور متنوع وسائل رکھتی ہیں، جو اہلِ سنت کی طرح کسی نظریے یا قاعدے کی پابند نہیں، کیوں کہ روافض تقیے میں دین کا ۹۰ فیصد حصے سمجھتے ہیں۔

ایک شیعہ معاصر عالم نے غیر ارادی طور پر اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ، اس کے الفاظ میں، ’’وہ مقصد اور ضرورت ہے، جو ہر ذریعے کو جائز قرار دیتی ہے۔‘‘[2]

یعنی مطلوبہ مقصد اور غرض و غایت کے حصول کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔ یہ میکاولی کا نظریہ ہے[3]، جس پر وہ لوگ اعتماد کرتے ہیں، جن کے سامنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی دین نہیں ہوتا، لیکن اسلام میں مقصد حرام ذریعے کو جائز قرار نہیں دیتا۔

---

[1] دیکھیں: مجلة المجتمع (العدد: ٧٦٠) السنة السابعة عشرة ١٥ رجب ١٤٠٦هـ.

[2] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٤٩)

[3] ’’ضرورت ہر ذریعے کو جائز قرار دیتی ہے۔‘‘ یہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کا ایک اسلوب ہے، جو دھوکا دہی، فراڈ اور انانیت پر مبنی ہے۔ یہ قاعدہ اٹلی کے ایک فلاسفر نیکولا مکیاولی (۱۴۶۹۔ ۱۵۲۷ء) کی طرف منسوب ہے۔ اس نے سب سے پہلے یہ قاعدہ پیش کیا اور اسے اپنی کتاب ’’The Prinse‘‘ میں لکھا اور یہ کتاب قرون وسطیٰ کے ایک یورپی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ دیکھیں: أحمد عطية: القاموس السياسي (ص: ١١٠٥۔ ١١٠٦)

اس لیے روافض کے اپنے مذہب کو پھیلانے کے وسائل اور ذرائع دھوکا دہی اور فریب کاری کے رنگوں سے آراستہ ہیں، جن کی چکا چوند سے انھوں نے بہت سارے مسلمان افراد اور مسلم قبیلوں کو شکار کیا۔ انھوں نے بہت سارے قبائل کے سرداروں کو متعہ کے ذریعے گمراہ کر کے رافضیت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔[1]

حیدری نے ''عنوان المجد'' میں ان سنی قبائل کے متعلق، جنھوں نے رافضہ کی کوششوں اور فریب کاریوں کی وجہ سے رافضیت قبول کر لی، ایک خطرناک تفصیل ذکر کی ہے، وہ کہتا ہے:

''عراق کے وہ عظیم الشان خاندان اور قبائل، جنھوں نے زمانہ قریب میں رافضیت قبول کی، ان میں اکثریت ربیعہ قبیلے کی ہے۔ یہ ستر سال سے رافضی ہو چکے ہیں۔ تمیم بھی ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، جو عراق کے نواحی علاقوں میں رہتے ہیں اور تقریباً ساٹھ سالوں سے رافضی شیطانوں کی وہاں آمد و رفت کی وجہ سے رافضی ہو چکے ہیں۔

''خزاعل ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ رافضی ہو چکے ہیں۔ یہ بنو خزاعہ کا ایک بہت بڑا خاندان ہے، لیکن تبدیل کر کے ان کا نام خزاعل رکھ دیا گیا ہے۔ زبید کا خاندان بھی بہت زیادہ قبائل پر مشتمل ہے، یہ بھی علما کی غیر موجودگی اور روافض کی آمد و رفت کی وجہ سے تقریباً ساٹھ سال سے رافضیت قبول کر چکا ہے۔

''ان نو گرفتارِ رافضیت قبائل میں بنو عمیر بھی داخل ہیں، جو تمیم ہی سے نکلے ہیں اور خزرج جو ازد کے بنی مزیقیا کی شاخ ہیں، اسی طرح شمر طوکہ یہ بہت زیادہ ہیں۔ نیز دوار اور دفافعہ بھی ان میں شامل ہیں۔

''عمارہ آلِ محمد کے قبائل نو گرفتارِ رافضیت بھی ہیں۔ ایسے قبائل کثرت کی وجہ سے نا قابلِ شمار ہیں۔ یہ بھی زمانہ قریب میں رافضی ہوئے ہیں۔ بنو لام کا قبیلہ بھی، یہ بھی بہت زیاہ ہیں، پھر دیوانیہ کے

---

[1] ۱۳۲۶ھ میں علامہ محمد کامل رافعی نے بغداد سے اپنے دوست شیخ رشید رضا مصری کو ایک خط لکھا، جس کو رسالہ ''المنار'' نے ۱۶ جلد میں شائع کیا۔ اس خط میں انھوں نے ان علاقوں کی روئیداد لکھی، جن کی انھوں نے سیاحت کی، اس میں انھوں نے شیعہ علما کی دیہاتیوں کو شیعہ بنانے کی کوشش میں ذکر کیا کہ وہ ان کے قبائل کے سرداروں کو نکاحِ متعہ کی حلت کا جھانسہ دے کر گمراہ کرتے ہیں، جو ہر وقت بہت زیادہ عورتوں سے لذت اٹھانے میں بڑی رغبت رکھتے ہیں۔

یہ خط مجلّہ ''المنار'' میں پہلے لکھنے والے کے نام کے بغیر شائع کیا گیا، اس کے بعد شمارہ نمبر ۲۹ میں سید رشید رضا نے خط لکھنے والے کا نام ذکر کیا اور وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پہلے ہم نے اس خوف کے پیشِ نظر ان کا نام نہیں لکھا تھا کہ کہیں وہاں کی حمیدی حکومت ان کو نقصان نہ پہنچائے، کیوں کہ اس حکومت کی صورتِ حال معروف ہے۔ (مجلة المنار، المجلد: ۲۹، نیز دیکھیں: المجلد الثاني، ص: ٦٨٧)

قبیلے، جو پانچ خاندان ہیں: آلِ اقرع، آلِ بدیر، آلِ عفج، آلِ جبور اور آلِ جلیحہ۔ اقرع کے آگے سولہ قبیلے ہیں اور ہر قبیلہ بہت زیادہ تعداد میں ہے۔ آلِ بدیر کے تیرہ قبیلے ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ عفج کے آٹھ قبیلے ہیں، جن کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ جلیحہ کے چار قبیلے ہیں، ان کی بھی بہت زیادہ تعداد ہے۔ اسی طرح جبور بھی ہے، سو سال سے عراق میں رافضی ہونے والے بڑے قبائل ہیں، کعب کا خاندان سب سے کم ہے، لیکن اس کی شاخیں بہت زیادہ ہیں ...۔''[1]

حیدری اس انداز میں ان اہلِ سنت قبائل کا ذکر کرتا چلا جاتا ہے، جو اہلِ سنت کی غفلت کی وجہ سے رافضی ہوگئے، نیز یہ لوگ رافضہ کی پیار ومحبت اور اتفاق و اتحاد کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر بھی ان کے قریب ہوگئے۔ اس طرح اہلِ سنت کے علما نے اپنی خاموشی کی وجہ سے شیعہ کے لیے اپنا مذہب پھیلانے کے لیے زمین ہموار کی، وگرنہ اگر حق بیان کیا جاتا تو کوئی شخص بھی رافضیت سے دھوکا نہ کھاتا۔

یہ لوگ آج تک مسلسل ہر سطح پر اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ان بعض ممالک کے سربراہان کے ساتھ رابطے رکھنے میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں، جن میں ان کو اپنے مذہب کے لیے نرم گوشہ نظر آتا ہے۔ جس طرح دورِ قدیم میں ابن مطہر حلی نے خدا بندہ[2] میں یہ چیز محسوس کی اور اس کو اپنا شکار کر لیا، اس کے تاریخی اثرات بڑے معروف و مشہور ہیں۔

ایسے ہی دورِ جدید میں انھوں نے لیبیا کے سربراہ کے ساتھ کیا، جس پر آخری عمر میں رائے اور محبت میں

[1] عنوان المجد في بيان أحوال بغداد والبصرة و نجد (ص: ١١٢۔ ١١٨)

[2] خدا بندہ آٹھواں ایل خانی بادشاہ تھا۔ یہ چنگیز خان کی اولاد میں سے چھے پشتوں بعد اس کے ساتھ جا ملتا ہے، اس کا اصلی نام الجائتو بن ارغون بن ابغا بن ہلاکو تھا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: ''یہ ایک سال تک اہلِ سنت کے مذہب پر رہا، اس کے بعد رافضی ہوگیا اور اس نے اپنے علاقے میں اس کے شعائر بلند کیے۔'' (البداية والنهاية: ١٤/ ٧٧) یہ نومسلم تھا اور اسلامی تاریخ اور اسلامی عقیدے سے ناواقف تھا، اس کی ابن مطہر حلی سے ملاقات ہوئی، جس نے اس کے سامنے رافضیت کو بڑا بنا سنوار کر پیش کیا تو یہ اپنے تمام خاندان، قبائل اور پیروکاروں سمیت اس میں داخل ہوگیا۔
ابن مطہر حلی نے مذکورہ بادشاہ کو شیعہ مذہب کو اپنانے اور اس پر اُکسانے کے لیے بہت ساری کتابیں لکھیں، جن میں ''نهج الحق'' اور ''منهاج الكرامة'' وغیرہ کا نام آتا ہے۔
حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: ''اس کے دور میں بہت زیادہ فتنوں اور مصیبتوں نے جنم لیا تو اللہ تعالیٰ نے جلد ہی لوگوں کی اس سے جان چھڑا دی۔'' یہ چھتیس برس کی عمر میں وفات پا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا ابوسعید ۷۱۰ھ کو رافضیت سے تائب ہوگیا اور اہلِ سنت کی راہنمائی سے اس خبیث عقیدے سے براءت کا اظہار کر دیا، اس نے روافض کو دور بھگا دیا، حلی رافضی حلة بھاگ گیا اور اس کے تمام علما رفو چکر ہوگئے۔ (تحفة الإثنى عشرية: الورقة: ٤٣، تعليقات محب الدين خطيب على المنتقىٰ، ص: ١٨۔ ١٩)

رافضی رجحان بڑا واضح نظر آتا تھا۔ اسی طرح یہ بعض لکھاریوں اور ایمان سے تہی دامن اصحابِ فکر کو شیعہ مذہب کی ترویج کے لیے اور شیعہ کتابوں کے مقدمات لکھوانے کے لیے اجرت دے کر کام کرواتے ہیں۔[1]

یہ عالمِ اسلام کے ذہین ترین طلبا و طالبات کا انتخاب کرتے ہیں اور انھیں قم کا تعلیمی سکالرشپ دیتے ہیں، پھر وہاں ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے اور رافضیت ان کے رگ و پے میں داخل کی جاتی ہے، تا کہ یہ جب اپنے ممالک واپس جائیں، تو وہاں رافضیت کے پرچارک بن کر جائیں۔ شیخ ازہر کہتے ہیں:

''دنیا کے مختلف کونوں سے جو خبریں میرے پاس آ رہی ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایرانی خمینی افکار کی یہ تحریک تشدد کو پھیلا رہی ہے۔ یہ بہت سارے اسلامی ممالک میں بالخصوص نوجوانوں کو اپنا ہدف بنا رہے ہیں اور انھیں ایران میں تعلیمی وظائف اور دیگر کئی طرح کا مالی لالچ دے کر پھسلا رہے ہیں، تا کہ ان نوجوانوں کو ان کے ممالک اور اقوام میں اختلافات پیدا کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ اس عنوان اور ان زمینی حقائق کے ساتھ یہ تحریک امت اسلامیہ میں اضطراب کا باعث بن رہی ہے۔ میرے خیال میں تمام مسلمان اقوام کو، جو ان کے پاس خمینی ازم کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے، اس کے بارے میں بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا، یہ امتِ اسلام میں اختلاف اور کشمکش کو ہوا دینے والی اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنے والی بیرونی تحریکوں میں سے ایک تحریک ہے۔''[2]

(7) بعض نام نہاد اہلِ سنت مفکرین اور ادبا کے ہاں رافضی رجحان کا ظہور:

بعض نام کے اہلِ سنت مفکرین کی تحریریں بھی رافضی فکر ونظر میں لتھڑی اور ان کی تالیفات امامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق روافض کے پیدا کردہ شبہات سے بری طرح متاثر نظر آتی ہیں۔

اسلام کے دورِ اول کی تاریخ یا اسلام میں فلسفیانہ نظر وفکر کا آغاز یا امامت اور خلافت کے مسائل کے متعلق جو مفکرین اور ادبا کی ایک جماعت خامہ فرسائی کرتی ہے، ان کا مطالعہ کرنے والا انسان ان کے سامنے حقائق کو مسخ کرنے کی رافضی سازش کی گہرائی اور گیرائی کا بہ خوبی ادراک کر سکتا ہے۔

مجھے اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس قسم میں ایک تنخواہ دار ایجنٹوں کا ٹولہ بھی موجود ہے، جو مال

---

(1) وہ کتابیں جو یہ شیعہ مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے عالمِ اسلام میں بھجواتے ہیں، ان میں ان جیسے لوگوں سے لکھواتے ہیں، جس طرح "أصل الشیعة" اور "عقائد الإمامیة" وغیرہ کے مقدمات اس کی دلیل ہیں۔

(2) أخبار "الیوم" (العدد: ٢١٦٠) السنة: ٤٢، السبت ١١ رجب ١٤٠٦ھ.

کی چکاچوند سے اندھا ہو کر محض ''متاعِ غرور'' کی دوڑ میں ان کی کہی ہوئی باتوں اور ان کی لکھی ہوئی سطروں ہی کو دہراتا ہے۔

روافض ''نامور لکھاری شخصیات'' کو بھی مال دیتے ہیں، تاکہ وہ عوام کے سامنے رافضیت کے ان پہلوؤں کے متعلق لکھیں، جو اہلِ سنت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں، بلکہ زمانہ قدیم میں ایک بزرگ (امام شعبی رحمہ اللہ) نے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں کہ رافضہ میرے گھر کو مال سے بھر دیں اور میں حضرت علی پر جھوٹ گھڑوں، تو وہ ایسا کر گزریں گے، لیکن خدا کی قسم! میں ان پر کبھی جھوٹ نہیں گھڑوں گا۔[1]

لیکن آج جب ان کے ہاتھ میں مال کی بھی فراوانی ہے، بہت سارے لوگوں میں امانت کی بھی کمی ہے۔ دنیا نے بھی ان کو اپنی چمک دمک سے فریب خوردہ کر دیا ہے تو ایسے حالات میں ایسا ہونا کتنا آسان ہے۔[2] اگر آپ رافضیت کے منہج کی اس فکری تاثیر کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو سنیے:

ڈاکٹر علی سامی نشار، مولف ''شهداء الإسلام في عصر النبوة''، ''نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کرتا ہے، جس میں ایسی باتیں لکھتا ہے، جس سے روافض کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ وہ اس میں بعض صحابہ کرام کو کافر کہتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کہتا ہے:

> ''معاویہ کے متعلق جتنا کچھ بھی کہا گیا ہو، متاخر سلفی مذہب کے علما اور بعض اہلِ سنت نے اس کو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں شامل کرنے کے لیے جتنی بھی کوشش کی ہو، لیکن یہ آدمی کبھی اسلام پر ایمان ہی نہیں لایا، یہ اکثر اسلام کے خلاف سازشیں کرتا رہا، لیکن اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کر سکا۔''[3]

اس کے اس قدر بھیانک جھوٹ کو ملاحظہ کیجیے۔ کیا اس جیسا قول روافض یا ان کے ہم شکلوں کے علاوہ

---

[1] دیکھیں: السنة للإمام عبد الله بن أحمد (٢/ ٥٤٩)

[2] مقولہ ہے کہ ''جو برتن کے اندر ہوتا ہے، وہی باہر نکلتا ہے'' نیز ''الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکلا آیا'' کے مصداق بیروت میں جعفری عدالت کا قاضی القضاۃ محمد جواد مغنیہ، معروف تاریخ دان محمد حسین ہیکل کو الزام دیتا ہے کہ اس نے ٥٠٠ مصری جنیہ کے بدلے میں اپنی کتاب ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے دوسرے اِڈیشن سے ایک عبارت نکال دی، جب کہ محمد حسین ہیکل نے تو وہ عبارت اس لیے دوسری طبع میں حذف کی تھی کہ اس کو پہلی اشاعت کے بعد علم ہوا تھا کہ وہ موضوع ہے، تو اس نے دوسری اشاعت میں اس کو حذف کر دیا، لیکن اس رافضی نے اس کی اپنی قوم کی کارستانی اور عمل کے مطابق تاویل کی ہے، ملاحظہ فرمائیے اور داد دیجیے! محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٨، حاشيه)

[3] نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ١٩)

کوئی اور کہہ سکتا ہے؟ ایک مسلمان ایک ایسے صحابی کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا ہے، جس نے غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کیا ہو؟[1] جو رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں امین ہو اور آپ کی وحی لکھتا ہو، جو چالیس سال تک مسلمانوں کا نائب اور پھر مستقل حکمران رہا ہو، جو ان کے ساتھ اسلام کے شعائر قائم کرتا ہو۔[2]

اس کے بعد وہ اہلِ سنت پر الزام تراشی کرتا ہے کہ حضرت معاویہ کے صحابی ہونے کا قول بعض اہلِ سنت کا قول ہے، جب کہ اکثریت اس کے موقف پر قائم ہے۔ یہ بات بھی روافض کے مسلک جھوٹ کی طرح ایک بنایا گیا جھوٹ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان نقل متواتر اور اہلِ علم کے اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔[3]

پھر یہ شخص ان کے والد (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب) کے بارے میں کہتا ہے:

''ابوسفیان زندیق تھا، یعنی فارسی مجوسیت پر ایمان رکھنے والوں میں سے تھا۔''[4]

حالاں کہ خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان کو اپنا نائب اور عامل بنایا۔ جب رسولِ کریم ﷺ کی وفات ہوئی، تب آپ رضی اللہ عنہ نجران پر رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ زندیق ہو اور رسول اللہ ﷺ اس کو مسلمانوں کے علم وعمل کے احوال پر امین خیال کر کے اپنا عامل مقرر کر دیں؟[5]

وہ روافض کے اس قول کی بھی تائید کرتا ہے کہ صحابہ کی ایک قلیل ترین جماعت حضرت علی کو خلافت و امامت کا حق دار خیال کرتی تھی اور حکومت ان سے چھینی گئی ...اس کے الفاظ ہیں:

''صحابہ کی ایک قلیل اور مخلص جماعت نے محسوس کیا کہ تیسری مرتبہ حضرت علی سے حکومت چھین لی گئی ہے، پہلی مرتبہ ان سے حکومت چھین کر پہلے صحابی کو دی گئی، دوسری مرتبہ چھین کر دوسرے صحابی کو دی گئی اور تیسری مرتبہ چھین کر ایک ایسے گرتے پڑتے بوڑھے کو دے دی گئی، جسے احسن طریقے سے حکومت چلانی آتی تھی نہ وہ عدل قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے حکومت کی بھاگ دوڑ قریش کی گمراہ شدہ باقیات کے سپرد کر دی۔''[6]

اس تیسرے سے وہ خلیفہ راشد ذوالنورین حضرت عثمان غنی کو مراد لے رہا ہے، جن کو صحابہ کرام نے

---

1. دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٤٥٨)
2. المصدر السابق (٤/ ٤٧٢)
3. المصدر السابق (٤/ ٤٧٧)
4. نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ٣١)
5. مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٤٥٤، ٣٥/ ٦٦)
6. نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام (١/ ٢٢٨)

بالاتفاق خلیفہ منتخب کیا تھا۔ گویا یہ الزام دے کر وہ تمام صحابہ کی عیب جوئی کر رہا ہے، لیکن اس برعکس وہ رافضہ کے بارے میں، جن کو اثنا عشریہ کے نام سے یاد کرتا ہے اور جو گزشتہ صفحات میں ذکر ہونے والے تمام کفر اور شناعت کے قائل ہیں، کہتا ہے:

''اثنا عشریہ شیعہ کے فلسفیانہ افکار تمام کے تمام خالص اسلامی ہیں۔''[1]

ان عجیب تضادات کو ملاحظہ کریں اور تعجب کریں!![2] وہ کہتا ہے، گویا ایسی گفتگو کرنے والا کوئی رافضی ہے:

''علی کے شیعہ جنھوں نے ایمان و یقین کے ساتھ علی کے ساتھ محبت کی اور وہ اس مطلق ایمان کی حالت میں امام کے قافلے کے ساتھ چلے کہ اسلام کی حقیقت کبریٰ کا وہی باقی اثر ہیں۔ اس کے مقابلے میں یہ ''عثمانیت'' یا ''امویت'' تھی، جو اسلام کے خلاف شدید ترین نفرت رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں رسول اللہ، آپ کی آل اور صحابہ کے خلاف چھپا ہوا کینہ تھا۔''[3]

میں یہاں اسی ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں، کیوں کہ یہ مسئلہ بھی ایک مستقل تنقیدی مطالعے کا مستحق ہے۔

8 مسلمانوں کی تاریخ مسخ کرنا:

رافضہ نے ایسی کتابیں اور تحریریں تالیف کی ہیں، جن میں جان بوجھ کر امتِ اسلامیہ کی تاریخ کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ جس طرح کلبی،[4] ابو مخنف[5] اور نصر بن مزاحم منقری[6] کی روایات ہیں، جو طبری کی تاریخ میں بھی

---

[1] المصدر السابق (/ ۱۳)

[2] مجھ سے ڈاکٹر محمد رشاد سالم رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اس آدمی کی زندگی میں یہ ساری تبدیلی اس کی کافر اور بدنما بیوی کے ساتھ رشتہ ازدواج اور سسرالیوں کی وجہ سے رونما ہوئی، اور عبدالناصر کی طرف سے زبردستی یورپ کے سفر کی وجہ سے یہ صورتِ حال نمودار ہوئی اور اس کی مالی حالت بھی بہت خراب تھی، جس کا اس کی سوچ اور اسلوب پر گہرا اثر تھا۔ جو صحابہ کرام کی گستاخی کرتا ہے، اس کے لیے یہ سزا کچھ بھی نہیں۔

[3] المصدر السابق (۱/ ۲۲۸۔ ۲۲۹)

[4] محمد بن السائب بن بشر الكلبي، ابن حبان نے کہا ہے: یہ کلبی، سبائی تھا جو کہتے ہیں کہ علی فوت نہیں ہوئے، بلکہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ یہ ۱۴۶ھ کو فوت ہوا۔ (ميزان الاعتدال: ۳/ ۵۵۸، نیز دیکھیں: ابن أبي حاتم: الجرح والتعديل: ۷/ ۲۷۰۔ ۲۷۱، تهذيب التهذيب: ۹/ ۱۷۸)

[5] لوط بن يحيىٰ بن سعيد مخنف الأزدي (أبو مخنف) کوفی۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں: بڑا کٹر شیعہ ہے اور شیعہ روایات کا راوی ہے۔ یہ ۱۵۷ھ کو فوت ہوا۔ اس کی متعدد تالیفات ہیں، جن میں "الردة"، "الجمل" اور "صفين" وغیرہ شامل ہیں۔ (دیکھیں: ميزان الإعتدال: ۳/ ۴۱۹۔ ۴۲۰، الأعلام للزركلي: ٦/ ۱۱۰۔ ۱۱۱)

[6] نصر بن مزاحم بن سیار المنقری الکوفی، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ کٹر رافضی ہے، محدثین نے اس (کی روایت) کو چھوڑ دیا ہے، یہ ۲۱۲ کو ←

موجود ہیں، لیکن امام طبری ان روایات کو ان کی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تا کہ اہلِ علم ان کی حالت پہچان لیں۔[1]

اسی طرح مروج الذھب میں مسعودی اور تاریخ یعقوبی میں یعقوبی کی تحریریں بھی اس کی غمازی کرتی ہیں۔ محبّ الدین خطیب نے "العواصم" کے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ تاریخ کی تدوین کا آغاز اموی خلافت کے بعد شروع ہوا۔ اس لیے اس اچھائی کے اثرات و علامات کو مٹانے اور اس کی روشن پیشانی کو کالا کرنے میں شیعیت کے لبادے میں چھپے ہوئے باطنی اور قوم پرست ہاتھوں کا بھرپور کردار تھا۔[2]

جو شخص علامہ ابن العربی کی کتاب "العواصم من القواصم (علامہ محبّ الدین خطیب کے ممتاز حاشیے کے ساتھ)'' کا گہرا مطالعہ کرتا ہے، اس کے سامنے یہ سازش بے نقاب ہوتی ہے۔ رافضی علما نے انسانیت کی تاریخ کی سب سے بہترین صدی کو گالیاں دینے میں ہزارہا صفحات سیاہ کر دیے اور انھوں نے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے اپنے اوقات اور کوششیں مخصوص کر دیں۔ یہ بہت بڑا رافضی مواد جو رافضہ کی تالیف کردہ تاریخی کتابوں یا جن کی تالیف میں انھوں نے اپنی روایات کے ساتھ شرکت کی، ان میں بکھرا ہوا نظر آتا ہے، جو شیعہ کی کتبِ احادیث جیسے ''کافی''، ''بحار الانوار'' یا ان کے قدیم علما کی تالیف کردہ کتب، جیسے: ''احقاق الحق'' یا ''کتاب الغدیر'' وغیرہ میں بھی نظر آتا ہے۔

یہ سیاہ، بدصورت، بدنما اور تعفن دار مواد اسلام کے دشمنوں مستشرقین اور غیر مستشرقین کی تحریروں کا بنیادی مرجع اور ماخذ ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی روحانی طور پر شکست خوردہ نسل جو مغرب اور مغرب پرستوں ہی میں مثالیت (آئیڈیل) اور قابلِ تقلید نمونہ دیکھتی ہے، اس نے استشراقی قلموں کا لکھا ہوا سب کچھ قبول کر لیا اور اس کو اپنا مصدر و ماخذ

← فوت ہوا۔ اس کی کتابوں میں "وقعة صفين" (یہ مطبوع ہے) "الجمل" اور "مقتل الحسين" ہیں۔ (دیکھیں: ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٥٣، العقيلي: الضعفاء الكبير: ٤/ ٣٠، ابن أبي حاتم: الجرح والتعديل: ٨/ ٤٦٨، لسان الميزان: ٦/ ١٥٧، الأعلام: ٨/ ٣٥٠)

[1] دیکھیں: روايات الكلبي في تاريخ الطبري: (١/ ٣٣٥، ٢/ ٢٣٧، ٢٣٨، ٢٧٢، ٣٧٠، ٤٦٥، ٣/ ١٦٨، ٢٧٤، ٢٨٦، ٤٢٥، ٤/ ١٠٨، ٣٦٨، ٥/ ٤٤٩، ٦/ ١٠٣، ٣٤٩، ٣٦٤) ابو مخنف کی روایات بھی بہت زیادہ ہیں، جو تین سو سے زیادہ مقامات پر ہیں۔ ایک مستشرق ای بیل نے کہا ہے کہ ابو مخنف نے تاریخ کے متعلق ۳۳ کتابیں لکھی ہیں، جو مختلف حوادث سے متعلق ہیں، جو پہلی صدی ہجری کے دوران میں پیش آئے۔ طبری نے اس کا بیشتر حصہ ہمارے لیے اپنی تاریخ میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس کی منسوب کتابیں جو ہم تک پہنچی ہیں، وہ اکثر متاخرین کی وضع کردہ ہیں۔ (نیز دیکھیں: الأعلام: ٦/ ١١١، حاشيه)

نصر بن مزاحم کی روایات کے لیے دیکھیں: تاريخ الطبري (٤/ ٤٥٨، ٤٦٥، ٤٨٥، ٤٨٧) نیز دیکھیں: فهارس الطبري التي وضعها أبو الفضل إبراهيم (ج ١٠ من التاريخ)

[2] دیکھیں: العواصم من القواصم (ص: ١٧٧، حاشيه)

قرار دے دیا، اس طرح انھوں نے ان کے افکار قبول کر لیے اور ان کے شبہات کو ممالک اسلامیہ میں پھیلا دیا۔

اس تمام روش کے مسلمانوں کے افکار اور ثقافتوں پر بڑے خطرناک اثرات ہیں، لیکن اس تمام برائی کی اصل جڑ رافضیت ہے۔ مستشرقین کی آرا و افکار کا مطالعہ اور ان کا شیعہ کے ساتھ تعلق ایک بڑا اہم موضوع ہے، جو مطالعے اور تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں اس بحث میں جگہ کی تنگی کے باعث ہم اس کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتے، اس لیے اشارہ اور تنبیہ ہی کافی ہے۔

کافر دشمن کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف روافض کے شبہات، جھوٹ اور الزامات سے استفادہ کوئی آج کی بات نہیں۔ امام ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کے زمانے میں عیسائی، رافضہ کے کتاب اللہ پر لگائے گئے الزام کو مباحثات میں مسلمانوں کے خلاف بہ طورِ دلیل استعمال کرتے تھے۔ علامہ ابن حزم نے بڑی دانائی سے ان شبہات کا جواب دیا اور واضح کیا کہ اس گروہ کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ روافض مسلمانوں میں سے نہیں۔[1]

9 عربی ادب پر شیعہ کے اثرات:

ادب، شاعری اور نثر کی دنیا بھی اہلِ تشیع کی اثر اندازی سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ شیعہ نے عربی ادب پر بڑے گہرے اپنے کالے اثرات چھوڑے ہیں۔ شیعہ کے شعرا اور خطبا نے عوام کے جذبات بھڑکانے، ان کے احساسات کو ابھارنے اور ان کو امت اور دینِ امت کے خلاف تحریک دینے کے لیے مصائب آلِ بیت کے نام پر بھرپور انداز میں فائدہ اٹھایا ہے۔

ہمارے پاس جو ادب پہنچا ہے، اس میں بعض شیعہ اعتقادی رجحانات بڑے واضح انداز میں نظر آتے ہیں۔ مصائب آلِ بیت کی منظر کشی میں انتہائی زیادہ مبالغے سے کام لیا جاتا ہے اور اس کو شیعیت کی اشاعت اور صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

شیعہ علما اور قائدین نے اپنے ائمہ سے منسوب خرافات اور اساطیر کو بڑے جذباتی اور متاثر کن واقعاتی انداز میں ڈھالنے کے لیے یا خطبات کی صورت میں پیش کرنے کے لیے یا ائمہ کی مدح سرائی میں مبالغہ آمیز شاعری کرنے کے لیے اپنے آپ کو بہت زیادہ مشقتوں میں ڈالا ہے۔

ان کی اس جدوجہد کے نتیجے میں عام لوگوں کے عقائد اور تصورات بھی بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، حتی

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۳۸۲) دیکھیں۔

کہ اس نے ان کے عقیدۂ توحید کو بھی متاثر کیا ہے اور لوگوں نے ائمہ کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا ہے (ہمارے معاشرے میں نام نہاد سنی بھی یا علی مدد اور پنج تن پاک کے نہ صرف نعرے لگاتے ہیں، بلکہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں)۔

سید محمد گیلانی لکھتے ہیں:

آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ نے ادب کا ایک نیا رنگ پیش کیا ہے، جو مسلمانوں کو زوال اور انحطاط کے گہرے گڑھے میں پھینکنے کا ایک سبب تھا۔ وہابی اپنے شہروں کی حد تک ان بہت ساری خرافات کو مٹانے میں کامیاب ہوگئے، لیکن باقی اسلامی بلاد وممالک میں ابھی تک صورتِ حال بالکل ایسے ہی ہے، جیسے تھی، حتی کہ تعلیم یافتہ طبقے کا بھی یہی حال ہے۔"[1]

اس موضوع پر شیعہ کے ایک مشہور اور قابلِ اعتماد قصیدے ''قصیدۂ ازریہ'' کا مطالعہ ہی کافی ہے۔[2] اسی طرح ان لوگوں نے امت اسلامیہ سے انتقام لینے کے لیے خلفا کی شہرت کو نقصان پہنچانے اور اسلامی معاشرے کی تصویر مسخ کرنے کے لیے بھی ادب کے پیشے کو بہ طورِ ہتھیار استعمال کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے کے گمراہ، منحرف اور کمزور پہلو کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، بلکہ معاشرے اور خلیفہ کو انتہائی گھٹیا اخلاقیات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ان لوگوں نے خلیفہ

---

[1] أثر التشيع في الأدب العربي: محمد سيد كيلانى (ص: ٤٣) دار الكتب العربي بمصر.

[2] اسے ''قصیدۂ ہائیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شیعہ عالم محمد کاظم ازری (المتوفی ۱۲۱۱ھ) کا تحریر کردہ ہے۔ (الذريعة: ۱۷/ ۱۳۵) استاد محمود ملاح نے اس قصیدے کا رد "الرزية في القصيدة الأرزية" کے نام سے لکھا ہے، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ رد شیعہ عالم محمد رضا مظفر کو پیش کیا تو مظفر نے کہا کہ ان کا استاد، جواہر کا مصنف (محمد بن حسن بن باقر نجفی، المتوفی ۱۲۶۶ھ۔ یہ جواہر نامی کتاب شیعہ کی فقہ کی معتبر کتاب "شرائع الإسلام" کی شرح ہے۔ دیکھیں: محمد جواد مغنية: مقدمة لشرائع الإسلام) یہ تمنا کرتا تھا کہ اس کے اعمال نامے میں اس کی کتاب "جواهر الكلام" کے بجائے "القصيدة الأزرية" لکھ دیا جائے۔ پھر انھوں نے اس کے چند شعر ذکر کیے: یہ ابیات چیخ چیخ کا واضح کفر کا اعلان کر رہے ہیں؛ جیسے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وہ کہتا ہے:

وهو الآية المحيطة في الكون   في عين كل شيئ تراها

یعنی وہ کائنات میں احاطہ کرنے والی نشانی ہے۔ چناں چہ تو ہر چیز کی آنکھ میں اسے دیکھتا ہے۔

نیز وہ کہتا ہے:

كل ما في القضاء من كائنات   أنت مولىٰ بقائها وفناها

یعنی جو بھی دنیا میں فیصلہ ہوتا ہے تو ہی اس کی بقا اور فنا کا مالک ہے۔

ہارون الرشید اور شاعر ابونواس کے متعلق خبریں نقل کی ہیں۔ (کہتے ہیں کہ ابونواس علی الاعلان ہارون الرشید کے دربار میں لونڈے بازی کرتا تھا) حالانکہ یہ خلیفہ ایک سال حج کرتا اور دوسرے سال جہاد کے لیے نکل جاتا تھا۔

ادب نے ان کو جذبات و خیالات کے اظہار کے نام پر سانس لینے کے لیے ایک آزاد ماحول مہیا کیا، کیوں کہ جذبات و خیالات کی فضا میں تقیہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ امت اور خلیفہ کے خلاف اپنے دل میں پنپنے والی نفرت کو افسانے کے رنگ میں یا شاعری یا کسی ضرب المثل یا خطبے کے قالب میں ڈھال دیتے۔

ان سب باتوں کو جاننے کے لیے بہ طورِ مثال صرف ابو الفرج اصبہانی رافضی کی کتاب "الأغاني" کا مطالعہ ہی کافی ہے۔

سیاسی میدان

شیعہ، جس طرح ان کے اصول قطعیت کے ساتھ نقل کرتے ہیں، عالمِ اسلام میں کسی ملک کے قانونی و شرعی ہونے پر یقین نہیں رکھتے، ان کی رائے ہے کہ عالمِ اسلام کا خلیفہ طاغوت ہے اور اس کی حکومت وسلطنت غیر شرعی ہے، اس سے وہ امیر المومنین حضرت علی اور ان کے بیٹے حضرت حسن کی خلافت کے سوا کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''ہر وہ جھنڈا جو قائم کے خروج سے پہلے بلند ہوگا تو اس کا سربراہ طاغوت ہوگا۔''[1]

اس لیے امت کی تاک میں بیٹھے ہوئے دشمن نے شیعہ میں اپنی متاع گم گشتہ پالی اور شیعہ کے اس عقیدے کے ذریعے سے اپنے بہت سارے مقاصد حاصل کر لیے، جس کا لازمی نتیجہ مسلمان امیر کی محبت و اطاعت کا فقدان اور مسلمان امرا اور مسلم رعایا کے خلاف نفرت و عداوت کو دل میں پالنا ہے۔ اس لیے رافضی پارٹیاں دشمن کے ہاتھ میں کھلونا اور اس کے لیے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے تابع فرمان سواری بن چکی تھیں۔

عقیدہ تقیہ شیعہ عناصر کے لیے منصوبہ بندی کرنے اور سازشیں ترتیب دینے میں آسانی فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگ فری میسنز کی طرح زمین دوز تنظیم کے ساتھ بہت حد تک مماثلت رکھتے ہیں، جو ظاہر میں امت مسلمہ کے سامنے اسلام کی چادر اوڑھ کر آتے ہیں اور مسلمانوں کے حکام کے سامنے محبت اور مودت کا لباس پہن کر آتے ہیں، لیکن باطن میں امت اور مسلم حکام کے خلاف سازشیں بنتے ہیں۔ ان کا قول ہے:

''اگر کوئی بیگانہ حکومت ہو تو ظاہر میں ان کے ساتھ میل ملاپ رکھو، لیکن باطن میں ان کے خلاف چلو۔''[2]

تاریخ کے مختلف ادوار میں شیعہ بعض ملحدوں کی سرگرمیوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں، جو ان کو اپنے مقاصد کے حصول اور اپنے منصوبوں کو نافذ کرنے کے لیے آلۂ کار بنانے، پھر بڑے نامور زنادقہ بھی تشیع کے

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۹، ۷۹۰) دیکھیں۔

[2] أصول الكافي (۲/ ۲۲۰)

قافلے میں شریک ہوگئے، تاکہ ان کم عقل عوام سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ اسی لیے شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے:

''شیعیت کو قبول کرنے والے اکثر لوگ دینِ اسلام کا اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ وہ شیعہ کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے شیعیت ظاہر کرتے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے اسے اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔''[1]

تاریخی واقعات اور حقائق نے بھی ثابت کیا ہے کہ شیعیت ہر اس فتنے باز کے لیے جائے پناہ ثابت ہوئی ہے، جس نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف مکر کے جال بننے چاہے۔ ان فارسی فرقوں نے بھی، جن کی حکومت کا اسلام نے صرف سات سالوں میں مکمل خاتمہ کر دیا، تشیع میں اپنا گوہرِ مقصود دیکھا اور اسی طرح یہودیوں نے بھی اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے رافضیت کے ذریعے کو غنیمت جان کر استعمال کیا۔

آج تک اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں بنانے والے شیعیت کی آڑ لیتے ہیں۔ اثنا عشریہ کے جنم لینے والے بہت سارے فرقوں میں پھوٹنے والے اختلاف نے ان کے ایسے بہت سارے اعترافات ہمارے سامنے پیش کیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک شیعہ محقق نے یہ بات نقل کی ہے کہ ایران میں روس کا سفیر کنیاز دکورکی ان کے شیخ رشتی[2] کے درسوں میں شریک ہوتا تھا (یہ اثنا عشریہ کے ایک فرقے ''کشفیہ'' کا بانی تھا) جیسا کہ گزر چکا ہے۔[3] وہ یہ دروس کربلا میں ''شیخ عیسیٰ لنگرانی'' کے مستعار نام کے ساتھ دیتا تھا۔

اس بات کا انکشاف سوویت یونین (روس) کی وزارتِ خارجہ کی طرف سے ۱۹۲۴ - ۱۹۲۵م کے لیے جاری ہونے والے رسالے ''الشرق'' نے کیا۔[4] اس طرح ایک ریٹائرڈ انگریز جنرل جعفر علی خان (ایسے لگتا ہے کہ اس نے دھوکا دینے کے لیے یہ نام اپنایا) شیعہ لباس پہنتا اور کاظم رشتی کے درسوں میں حاضر ہوتا۔[5]

شیعہ محقق اس روش کی یہ توجیہ پیش کرتا ہے کہ دشمن:

''پہلے سے علم رکھتے تھے کہ ان دونوں علاقوں یعنی ایران اور عراق کے باسی آلِ بیت سے محبت رکھنے والے ہیں، تو وہ ان کی اعتقادی جانب سے آئے۔''[6]

اور انھوں نے، اس کے بقول، کشفی مذہب کے ذریعے ائمہ کے بارے میں غلو کا پرچار کرنا شروع کر دیا

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (۲/ ٤٨)

[2] اس کے حالات کے لیے دیکھیں: الأعلام للزركلي (٦/ ٦٧) نیز دیکھیں: أحسن الوديعة (١/ ٧٢)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (ص: ۱۳۰) دیکھیں۔

[4] دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٣)

[5] المصدر السابق (ص: ٥٣)

[6] المصدر السابق.

اور ان کو پیدا کرنے اور رزق دینے میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ نیز چھوٹے بڑے ہر گناہ کی سزا سے نفی کا عقیدہ عام کر دیا۔[1]

پھر کہتا ہے:

''اس طرح سامراجیت نے ان مسلم عرب علاقوں کی سر زمین کو اس کڑوے عقیدے کے درخت کو لگانے کے لیے بڑا زرخیز پایا۔''[2]

میں یہاں یہ اضافہ کروں گا کہ اس سے پہلے مجلسی، جزائری اور کاشانی جیسے علماے سو کے ہاتھوں غلو کے اصول کاشت کرنے میں صفوی رجحانِ فکر کا بڑا خوف ناک کردار رہا ہے۔ یہ دشمن جس نے شیعیت کا جھوٹا لبادہ اوڑھا اور شیعہ کی صفوں میں داخل ہوگیا، ان کے ہاں بہت بلند مرتبہ بھی پا سکتا ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں، کیوں کہ شیعہ کا اجماع کے متعلق عقیدہ کسی مجہول گروہ کے قول یا کسی مجہول و نامعلوم شخص کی رائے کو اس احتمال کی بنا پر ترجیح دیتا ہے کہ ہوسکتا کہ وہ مجہول، مہدی ہی ہو![3]

جو شخص تاریخی واقعات اور تاریخی معرکوں پر نظر رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تشیع کے دعوے داروں کا ہتھیار ان تمام ہتھیاروں میں سے خطرناک ترین تھا، جو چہار طرف سے سلطنتِ اسلام پر حملہ کرنے کے لیے استعمال کیے گئے، کیوں کہ وہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے، لیکن باطن میں ان کے سب سے بڑے دشمن ہوتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہا ہے:

''ہر فتنے اور مصیبت کی جڑ شیعہ اور ان کے ہم نوا ہیں۔ اسلام پر جتنی تلواریں سونتی گئیں، ان میں

---

[1] المصدر السابق (ص: ٥٤)

[2] دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٤)

[3] وہ تب ان تمام خواہشات سے محروم نہیں ہوگا، جن کو وہ شیعیت قبول کرنے سے پہلے پورا کرتا تھا۔ جنسی شہوت متعہ، شرم گاہ عاریتاً دینے اور عورتوں کی دبر استعمال کرنے کے ساتھ پوری ہوجاتی ہے، جو تمام چیزیں شیعہ کی شریعت میں مقرر ہیں۔ شرعی تکالیف میں نمازوں کو جمع کر کے تخفیف مل سکتی ہے یا بعض اوقات آلِ بیت کی محبت کی وجہ سے یہ سب ساقط ہوجاتی ہیں۔ جہاد اس وقت تک کالعدم ہے، جب تک منتظر نہ نکل آئے، لہٰذا جان کا کوئی خوف ہی نہیں۔ اگر آیت، حجت، مرجعیت کے مراحل تک پہنچ جائے تو پھر خمس کے نام پر اس کے قدموں میں سونے کے ڈھیر لگ جائیں گے۔
پھر منتظر کی نیابت کے نام پر تعظیم و تقدیس یا ''بابویت'' بھی مل جائے گی، لہٰذا اگر وہ شیعہ کی صفوں میں داخل ہو کر ان کے علما کی نشانی کالی چادر اوڑھ کر اپنی قوم کے لیے آرام سے کام کرتا رہے تو اس کو اس میں آخر کیا نقصان ہوگا، بلکہ وہ مکمل فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو عترتِ رسول کی طرف منسوب کر کے سید بھی بن سکتا ہے!

سے اکثر انھی کی طرف سے تھیں۔ زنادقہ نے بھی انھی کی آڑ لی۔"[1]

کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے بھی بڑا کافر سمجھتے ہیں،[2] اس لیے وہ دین کے یہودی، نصرانی اور مشرک دشمنوں کے ساتھ محبت اور موالات کے رشتے قائم کرتے رہے، جن کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت کسی کے سامنے ڈھکی چھپی نہیں، لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ان اولیا کے ساتھ عداوت بھی رکھتے ہیں، جو تمام اہلِ دین میں سے بھی بہتر اور متقیوں کے سردار تھے۔[3]

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

"ہم نے دیکھا اور مسلمانوں نے بھی دیکھا کہ جب مسلمان کسی کافر دشمن سے پنجہ آزما ہوئے تو یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ان کافروں کا ساتھ دیتے۔"[4]

ساری دنیا نے دیکھا کہ جب تاتاری بادشاہ ہلاکو خان ۶۵۸ھ میں شام میں داخل ہوا تو شام کے رافضہ اس کی حکومت قائم کرنے اور مسلمان بادشاہت گرانے کے سلسلے میں اس کے حکم کی تعمیل کرنے میں سب سے آگے اور اس کے اعوان و انصار بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح ہر عام و خاص کو معلوم ہے کہ جب ہلاکو خان نے عراق پر یورش کی اور وہاں اتنا خون بہایا کہ جس کا صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، اس وقت خلیفہ کا وزیر ابن علقمی اور رافضہ ہی اس کے حاشیہ بردار تھے، جنھوں نے اس کی کئی ظاہری اور پوشیدہ طریقوں کے ساتھ مدد کی، جنھیں بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ (اس بحث کے آخر میں اس کے بعض واقعات کی تفصیل ذکر ہوگی)۔

اس سے پہلے اس کے دادا چنگیز خان کی بھی مسلمانوں کے خلاف انھی نے مدد کی تھی۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھا، جب شام وغیرہ کے سواحل پر مسلمان اور عیسائی باہم برسرپیکار تھے، ان کی محبتیں عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور وہ حسبِ امکان ان عیسائیوں کی مدد بھی کرتے۔ وہ رافضہ کے شہر فتح کرنا ناپسند کرتے تھے، جس طرح انھوں نے عکا وغیرہ کی فتح کو ناپسند کیا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف ان کی حمایت کرنا پسند کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمان ۵۹۹ھ کو غازان[5] کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور شام مسلمانوں کی فوج سے خالی ہوگیا، تو انھوں نے

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٤٣)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۶۴) دیکھیں۔

[3] منهاج السنة (٤/ ١١٠)

[4] المصدر السابق (٣/ ٣٨)

[5] یہ خدا بندہ کا بھائی اور چنگیز خان کا پوتا تھا، جو ترکی کفار کا بادشاہ تھا، جنھیں تاتاری کہا جاتا ہے، جس واقعے کی طرف شیخ الاسلام نے اشارہ کیا ہے، اس کی تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں: البداية والنهاية لابن كثير (١٤/ ٦)

شہروں میں فساد پھیلانا شروع کر دیا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار خوب گرم کیا۔ انھوں نے صلیبی جھنڈا بلند کر دیا، عیسائیوں کو مسلمانوں پر ترجیح دی، مسلمانوں کے اموال، اسلحہ اور ان کے قیدی بنا کر قبرص وغیرہ میں عیسائیوں کے حوالے کر دیے۔ یہ اور ان جیسے واقعات کا لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور جس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا، اس کے پاس ان واقعات کی تواتر کے ساتھ خبر پہنچتی رہی۔[1]

قدیم دور میں عیسائیوں کے بیت المقدس پر قبضہ کرنے میں ان لوگوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا، حتی کہ مسلمانوں نے اس کو عیسائیوں سے چھین لیا۔[2] اس موضوع پر بحث بہت زیادہ طویل اور پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخی کتابوں نے ان کڑوے واقعات کو بڑی تفصیل کے ساتھ محفوظ کیا ہے:

اگر اسلامی سلطنت کے اندر رہنے والے شیعہ کا یہ اثر و رسوخ ہے تو ان کی اپنی قائم شدہ حکومتوں کا اثر کتنا شدید ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام نے بنو بویہ[3] کی حکومت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سلطنت نے مذموم مذاہب کی اصناف سے تشکیل پائی تھی، جن میں ایک قوم زنادقہ کی تھی، ایک قرامطہ کی، ایک فلسفیوں کی، ایک معتزلہ کی اور ایک رافضہ کی۔ ان کی حکومت کے ایام میں اہلِ اسلام اور اہلِ سنت بہت زیادہ کمزوری کا شکار ہوگئے تھے، حتی کہ عیسائی اسلام کی سرحدوں پر قابض ہوگئے۔ مصر، مغرب، مشرق اور بہت سارے علاقوں میں قرامطہ پھیل گئے اور بہت سارے سانحات گزر گئے۔[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ خدا بندہ[5] کی حکومت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''دیکھیے! سلطان خدا بندہ کی حکومت میں ان کو کیا کیا مراعات حاصل ہوئیں، جس کے لیے اس نے یہ کتاب لکھی (یعنی ابن مطہر حلی نے اس کے لیے ''منهاج الكرامة'' لکھی، جس کا امام ابن تیمیہ نے ''منهاج السنة'' کے نام سے جواب دیا) ان میں سے کس طرح شر نے ڈیرے ڈال لیے، اگر یہ ہمیشہ رہتا اور مضبوط ہوجاتا تو یہ اسلام کے تمام احکام کو کالعدم کر دیتے، لیکن پھونکوں سے یہ

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٤٤) نیز دیکھیں: (٣/ ٣٨۔ ٣٩) مزید دیکھیں: (٤/ ١٠٠۔ ١١) والمنتقى (ص: ٣٢٩۔ ٣٣٢) تعليقات محب الدين.

[2] منهاج السنة (٤/ ١١٠)

[3] یہ عراق میں ظاہر ہوئے اور ایک قسم ایران میں ۳۳۴ھ کو ظاہر ہوئی اور ۴۴۷ھ کو مٹ گئی۔ اثنا عشریہ ان کو الٰہی حکومت شمار کرتے ہیں۔ (دیکھیں: الشيعة في التاريخ، ص: ٩٨، والشيعة في الميزان، ص: ١٣٨۔ ١٤٨)

[5] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (٤/ ٢٢)

[6] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۳۰) حاشیہ (۲) دیکھیں۔

چراغ بجھایا نہ جائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ قائم رکھنا چاہے۔''[1]

اسی طرح شیخ الاسلام کے بعد صفویہ کی سلطنت میں معاملہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدید تھا اور آج تک مسلمانوں کی سرزمین پر رافضی فساد کا اثر جاری ہے۔ ایران میں آیات کی حکومت ہے، لبنان میں ان کی تنظیمیں ہیں[2] اور خلیجی اور دیگر اسلامی ممالک میں ان کی زمین دوز جماعتیں تسلسل کے ساتھ شر پھیلا رہی ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے علاحدہ ہونے میں بھی رافضی مکر کارفرما تھا۔ ان کے الفاظ ہیں:

''مشرقی پاکستان بھی قزلباش شیعہ کے ایک فرزند یحییٰ خان کی خیانت کا شکار ہو کر ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔''[3]

پاکستان میں شیعہ علما نے اسلامی شریعت کے نفاذ کی بھی مخالفت کی،[4] کیوں کہ یہ متعہ کے نام پر ان کی شہوت رانی پر روک لگاتی ہے اور ان کے ان جرائم کی سزا دیتی ہے، جن کا ارتکاب ان کے لیے اس حجت کی بنا پر کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ حبِ علی کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دے سکتا۔

تاہم یہ بڑے بڑے مسائل کی طرف اشارے ہیں، جن کی تفصیل اور تحقیق کئی مولفات اور کتابوں کی محتاج ہے۔ میں یہاں عبرت کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پہلی مثال: اسلامی سلطنت کے اندر شیعہ کے اثر ونفوذ کے متعلق ہے۔ یہاں میں نمونے کے طور پر ابن علقمی کا واقعہ اور اسلامی سلطنت کے سقوط کے لیے اس کی سازش کا ذکر کروں گا۔

دوسری مثال: شیعہ حکومتوں کے مسلمانوں پر اثرات کے متعلق ہے، اس کے ضمن میں مَیں صفوی حکومت کا تذکرہ کروں گا۔

① ابن علقمی رافضی کی سازش:

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن علقمی، عباسی خلیفہ مستعصم کا وزیر تھا۔ خلیفہ اپنے باپ دادا کی طرح

---

[1] منهاج السنة (۳/ ۲٤٤)

[2] دیکھیں: أمل والمخيمات الفلسطينية للدكتور محمد الغريب.

[3] الشيعة والسنة (ص:۱۱)

[4] دیکھیں! مظالم الشيعة (ص: ۹۔ ۱۰) شیعہ کے راہنما مفتی جعفر حسین نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ شیعہ اسلامی حدود کے نفاذ کی مخالفت کرتے ہیں، کیوں کہ یہ اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق ہوگا۔ (الأنباء الكويتية: ۱/ ٥/ ۱۹۷۹م)

سنی المسلک تھا، لیکن نرم مزاج، سادہ اور لا ابالی طبیعت کا مالک تھا۔

یہ رافضی وزیر خلافت کا خاتمہ کرنے، اہلِ سنت کو ملیا میٹ کرنے اور رافضی مذہب کے مطابق حکومت قائم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہا تھا، اس نے خلافت کی سلطنت کے خلاف اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے منصب اور خلیفہ کی غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کی سازش کے تانے بانے تین مراحل سے گزرتے ہیں:

① اس مرحلے میں اس نے مسلمان افواج کی تنخواہ اور دیگر مراعات میں رکاوٹیں ڈال کر ان کو کمزور کرنے اور تنگ کرنے کے لیے کوششیں کیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''وزیر ابن علقمی فوج کو متنفر کرنے اور دیوان سے فوجیوں کا نام خارج کرنے کی بھرپور کوشش کرتا۔ مستنصر کے آخری آیامِ خلافت میں فوجیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ رہ گئی تھی۔ وہ ان کی تعداد کم کرنے میں مسلسل لگا رہا، یہاں تک وہ صرف دس ہزار رہ گئے۔''[1]

② تاتاریوں کے ساتھ خط کتابت:

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

''اس کے بعد اس نے تاتاریوں سے خط کتابت شروع کی اور ان کو ملک پر قبضہ کرنے پر اکسایا، ان کو اس کے لیے سہولیات دیں، ان کے سامنے حقیقی صورتِ حال بیان کی اور لوگوں کی کمزوری کو ان کے سامنے کھول دیا۔''[2]

③ تاتاریوں سے لڑائی کرنے سے روکنا اور خلیفہ اور لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنا۔

اس نے عام لوگوں کو ان سے لڑنے سے روک دیا۔[3] اس نے خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو یہ باور کروایا کہ تاتاری بادشاہ ان کے ساتھ صلح کرنا چاہتا ہے، اس نے خلیفہ کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس خود جائے اور اس شرط پر صلح کرے کہ عراق کا آدھا خراج ان کو ملے گا اور آدھا خلیفہ کو۔ چنانچہ خلیفہ سات سو افراد کے قافلے میں، جن میں قضاۃ، فقہا، امرا اور نامور شخصیات شامل تھیں، اس کے پاس گیا، اس طرح خلیفہ اور اس کے

---

[1] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٢)

[2] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٢)

[3] منهاج السنة (٣/ ٣٨)

ساتھ امت کے راہنماؤں اور سربرآوردہ شخصیات کو تاتاریوں کی طرف سے بغیر کسی کوشش کے قتل کرنے کی سازش تیار کی گئی۔ رافضہ اور دیگر منافقوں کی جماعت نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ وہ صلح نہ کرے۔ وزیر ابن علقمی نے کہا کہ اگر آدھے پر صلح ہوگئی تو یہ ایک دو سال سے زیادہ جاری نہیں رہ سکے گی، پھر معاملہ اپنی پہلی حالت پر آجائے گا، انھوں نے اس کے لیے خلیفہ کو قتل کرنا ہی بہتر قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو قتل کرنے کا مشورہ وزیر ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی نے دیا۔[2]

اس کے بعد یہ لوگ شہر کی طرف آئے اور جن مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو قتل کر سکے، ان کو قتل کر دیا، ان سے صرف وہی بچے جو عیسائی، یہودی ذمی تھے یا جنھوں نے ان کے اور وزیر ابن علقمی کے گھر میں پناہ لے لی۔[2] انھوں نے کئی لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اہلِ اسلام نے تاتاریوں سے بڑھ کر کوئی مقتل نہیں دیکھا۔ انھوں نے ہاشمیوں کو بھی قتل کر دیا، بنو عباس اور غیر بنو عباس سب کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ جو شخص کافروں کو آلِ رسول اور تمام مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنانے کے لیے مسلط کر دے، کیا ایسا شخص آلِ رسول کے ساتھ محبت رکھنے والا ہوسکتا ہے؟[3]

خطبا، ائمہ اور حفاظِ قرآن کو قتل کر دیا گیا اور بغداد میں کئی مہینوں تک مساجد نمازوں اور جمعات سے بے آباد ہوگئیں۔[4] ابن علقمی کا یہ ہدف تھا کہ ''وہ اہلِ سنت کا مکمل صفایا کر دے، رافضی بدعت کو غالب کر دے، مساجد و مدارس کو ویران کر دے اور رافضہ کے لیے ایک بہت بڑا مدرسہ بنائے، جس کے ذریعے سے وہ اپنا مذہب پھیلا سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قدرت نہ دی، بلکہ اس نے نعمت چھین لی، بلکہ اس واقعے کے چند مہینوں بعد اس کی عمر ختم کر دی اور اس کو اس کے بیٹے کے پیچھے ہی بھیج دیا۔''[5]

اس عظیم سانحے اور بھیانک سازش پر غور کریں اور بعض اہلِ سنت کی غفلت کی حد تک نرم مزاجی سے بھی عبرت حاصل کریں کہ وہ اپنے سب سے بڑے دشمن کو اپنے قریب کر کے آستین کا سانپ پالتے رہے، نیز یہ بھی ملاحظہ کریں کہ روافض اہلِ سنت کے خلاف کتنا زیادہ حسد، بغض اور کینہ رکھتے ہیں؟!

---

[1] نصیر الدین طوسی ہلاکو کے ساتھ ہی تھا، اس نے جب الموت کے قلعے فتح کیے اور ان کو اسماعیلیہ کے ہاتھوں سے چھینا، تب سے ہلاکو خان اس کو اپنی خدمت کے لیے اپنے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔ (ابن كثير: البداية والنهاية: ١٣/ ٢٠١)

[2] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠١۔ ٢٠٢)

[3] منهاج السنة (٣/ ٣٨)

[4] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٣)

[5] المصدر السابق (١٣/ ٢٠٢۔ ٢٠٣)

یہ رافضی چودہ سال تک مستعصم کا وزیر رہا، اس کو اتنی زیادہ تعظیم اور مرتبہ ملا، جو کسی دوسرے وزیر کو نصیب نہ ہوا، لیکن یہ احترام اور رواداری بھی اس کے دل میں اہلِ سنت کے خلاف عداوت اور کینے کو زائل نہ کر سکی۔ متاخر رافضہ نے اپنے دلوں سے پردہ اٹھایا اور چھپے ہوئے راز کو افشا کرتے ہوئے ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے جرم کو ان دونوں کے سب سے بڑے مناقب میں شمار کیا۔

خمینی، نصیر الدین طوسی کی کارستانی کو سراہتے ہوئے کہتا ہے:

''لوگ (اس کے شیعہ) خواجہ نصیر الدین طوسی اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو کھو دینے کی وجہ سے، جنھوں نے اسلام کے لیے زبردست خدمات پیش کیں، بہت زیادہ خسارے کا احساس کرتے ہیں۔''[1]

وہ خدمات، جو وہ مراد لے رہا ہے، ان کو اس سے پہلے خوانساری نے نصیر الدین طوسی کے حالات بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں بے نقاب کیا ہے:

''اس کے جملہ معروف ومشہور کارناموں میں ایک یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سلطان ذی وقار ہلاکو خان کی وزارت قبول کی۔ وہ سلطان مؤید کے قافلے میں لوگوں کی راہنمائی اور شہروں کی اصلاح کے لیے مکمل تیاری کے ساتھ دار السلام بغداد آیا، جہاں بنو عباس کے بادشاہوں کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کیڑوں مکوڑوں کے پیروکاروں کا قتل عام کیا گیا، اس نے ان کے گندے خونوں کی نہریں بہا دیں اور وہ دریائے دجلہ میں جا گریں، پھر وہاں سے ہلاکت کے گھر جہنم کے ساتھ جا ملیں۔''[2]

یہ لوگ اس کی مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کی سازش کو اس کی سب سے بڑی فضیلت شمار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ قتل عام شیعہ کے نزدیک لوگوں کی راہنمائی اور شہروں کی اصلاح کا طریقہ ہے۔ وہ مسلمان جو اس سانحے میں شہید ہوئے، ان کے نزدیک ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ بت پرست ہلاکو، جس کو یہ مؤید (تائید یافتہ) کا لقب دیتا ہے اور اس کا لشکر شیعہ کے نزدیک جنتی ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے ان روافض کے سینے میں مسلمانوں کے خلاف ابلنے والی نفرت کو تسکین پہنچائی۔ دیکھیے! ان کے دلوں میں کتنا زیادہ کینہ ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کی سب سے بڑی خواہش ہے اور کافر امتِ اسلام سے زیادہ ان کے قریب اور چہیتے ہو چکے ہیں!

---

[1] الحکومة الإسلامية (ص: ١٢٨)

[2] روضات الجنات (٦/ ٣٠٠۔ ٣٠١) نیز دیکھیں: نصیر الدین طوسی پر روافض مدح و ثنا کے لیے دیکھیں: النوري الطبرسي: مستدرك الوسائل (٣/ ٤٨٣) القمي: الکنی والألقاب: ١/ ٣٥٦)

یہ ابن علقمی کا واقعہ ہے، جس کو تاریخ کی اکثر کتابوں نے ذکر کیا ہے۔[1] شیعہ کی کتابوں نے بھی نہ صرف اس کا اقرار کیا ہے، بلکہ اس کو سراہا بھی ہے۔ اس کے باوجود ایک معاصر روافض نے اس واقعے کو کمزور کرنے اور اس کے ثبوت پر اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے، دلیل یہ دی ہے کہ جنھوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، وہ اس کے معاصر نہیں تھے، لیکن جب ابو شامہ شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل (المتوفی ۶۶۵ھ) کا ذکر ہوا، جو اس حادثے کا ہم عصر راوی تھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ اگرچہ وہ زمانے کے اعتبار سے اس حادثے کا ہم عصر تھا، لیکن وہ دمشق کا رہنے والا تھا، اس لیے اس میں مکانی معاصرت پوری نہیں ہوتی۔[2]

یہ ابن سبا کے وجود کے انکار کی کوشش کی طرح اس واقعے کے انکار کی بھی کوشش ہے، جو مورخین کے ہاں معروف ومشہور ہے، میں نے تاریخ کی کتابوں میں تلاش جاری رکھی تو مجھے ایک بہت بڑے مورخ کی ایک بہت اہم گواہی ملی، جس میں تین صفات موجود ہیں:

1. شیعہ اس کو اپنے رجال میں شمار کرتے ہیں۔
2. یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔
3. یہ ۶۷۴ھ کو فوت ہوا۔

چنانچہ یہ شیعہ، بغدادی اور اس سانحے کا معاصر ہے، اس کا نام "الإمام الفقيه علي بن أنجب" ہے، جو ابن ساعی کے نام سے مشہور تھا، اس نے ابن علقمی کے جرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ذکر کرتا ہے:

''اس (مستعصم) کے دور میں تاتاری بغداد پر قابض ہوگئے، انھوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عراق کی سرزمین سے عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ کا وزیر ابن علقمی رافضی تھا۔'' اس کے بعد اس نے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔[3]

اس ابن ساعی کو محسن الامین نے شیعہ کے رجال میں شمار کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''علی بن انجب بغدادی، ابن ساعی کے نام سے مشہور ہے، اس کی "أخبار الخلفاء" نامی کتاب

---

[1] اس کی سازش کا واقعہ جاننے کے لیے مزید دیکھیں: ابن شاكر الكتبي: فوات الوفيات: ۲/ ۳۱۳، الذهبي: العبر: ۵/ ۲۲۵، السبكي: طبقات الشافعية: ۸/ ۲۶۲۔ ۲۶۳ وغيرها)

[2] دیکھیں: محمد الشيخ الساعدي: مؤيد الدين بن العلقمي وأسرار سقوط الدولة العباسية. بغداد یونیورسٹی نے یہ کتاب شائع کرنے میں تعاون کیا ہے۔

[3] مختصر أخبار الخلفاء (ص: ۱۳۶۔ ۱۳۷)

ہے۔ یہ ۶۷۴ھ کو فوت ہوا۔"[1]

اسی طرح ابن الطقطقی، شیعہ نے بھی اپنی کتاب "الفخري في الآداب السلطانية" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ روافض کے مسلمانوں کے سانحات کے ساتھ تعلق ثابت کرنے اور ان پر مصیبتیں ٹوٹنے کی تمنا رکھنے کے سلسلے میں وہ خواہش آمیز کلمات ہی کافی ہیں، جو ان کے خوانساری اور خمینی جیسے متاخر اور معاصر علما کی زبانوں سے نکلے ہیں۔

② صفوی سلطنت[2]:

صفوی سلطنت میں، جس کی بنیاد شاہ اسماعیل صفوی نے رکھی، ایرانیوں پر جبراً اثنا عشری شیعیت مسلط کی گئی اور اس کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسماعیل ناقابلِ یقین حد تک ظالم اور خون کا پیاسا تھا۔[3] اپنے بارے میں یہ مشہور کرتا تھا کہ وہ معصوم ہے، اس کے اور مہدی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور وہ بارہ اماموں کے احکام کے تقاضے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا۔[4] اس نے اپنی تلوار ننگی کی اور اہلِ سنت پر چلائی۔ وہ ایرانیوں کو آزمانے کے لیے خلفائے ثلاثہ کو دشنام طرازی بہ طورِ وسیلہ اختیار کرتا، جو ان سے گالی سنتا، اس کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ یہ الفاظ کہے: ''بیش باد کم باد'' (جتنا بھی ہو کم ہے)

یہ آذر بائیجانی زبان کی عبارت تھی، جس کا مطلب ہے کہ سننے والا گالی سے اتفاق رکھتا ہے اور مزید کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اگر سننے والا یہ الفاظ ادا کرنے سے انکار کر دیتا تو فوراً اس کی گردن کاٹ دی جاتی۔ شاہ نے سرِعام سڑکوں، بازاروں اور منبروں پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبرا بازی کا حکم جاری کیا اور انکار کرنے والوں کو گردن زدنی کی سزا سے ڈرایا۔[5]

جب وہ کوئی شہر فتح کرتا تو اس کے باشندوں کو اسلحے کے زور پر فوراً رافضیت قبول کرنے پر مجبور کرتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے جب شروع میں تبریز فتح کیا اور اس کے شہریوں پر جبراً شیعیت مسلط کرنا چاہی تو اس کو ان کے بعض علما نے مشورہ دیا کہ وہ عجلت سے کام نہ لے، کیوں کہ شہر میں دو تہائی آبادی اہلِ سنت کی ہے،

---

[1] أعيان الشيعة (١/ ٣٠٥)

[2] صفوی سلطنت کی بادشاہت ۹۰۵ھ سے ۱۱۴۸ھ تک قائم رہی۔ (مغنية: الشيعة في الميزان، ص: ١٨٢)

[3] علي الوردي: لمحات اجتماعية من تاريخ العراق الحديث (ص: ٥٦)

[4] كامل مصطفىٰ الشيبي: الفكر الشيعي والنزعات الصوفية حتى مطلع القرن الثاني عشر الهجري (ص: ٤١٣)

[5] المصدر السابق (ص: ٥٨)

وہ کسی صورت منبروں پر خلفاے ثلاثہ پر تبرا برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن اس کا جواب تھا:

''اگر میں نے لوگوں کی طرف سے ایک کلمہ اعتراض بھی سنا تو میں اللہ کی مدد سے ان کے سامنے اپنی تلوار ننگی کر لوں گا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''[1]

ڈرانے دھمکانے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف اس نے شہادتِ حسین کو نفسیاتی اثر ڈالنے کے لیے بہ طورِ ہتھیار استعمال کیا، اس نے اسی انداز میں مجالس شہادتِ حسین سجانے کا حکم دیا، جس طرح آج تک شیعہ کے ہاں ان کا انتظام کیا جاتا ہے،[2] اس کے ساتھ اس نے مجالسِ عزا کا بھی اضافہ کیا۔

یہ وہی ہیں، جن کو آج یہ ''شبیہ'' کہتے ہیں، جس میں قتلِ حسین کی تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ اس لیے ان کا ان عجمیوں پر گہرا اثر تھا، بلکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ ایران میں تشیع پھیلانے کا ایک اہم عامل ہے، کیوں کہ ان جلوسوں میں، غل غپاڑہ بہت زیادہ شور اور ڈھول کے جلو میں حزن و گریہ کے مظاہر پیش کیے جاتے، جو عقیدے کو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں داخل کر دیتے اور سیدھے دل کے چھپے ہوئے تاروں کو ہلا دیتے۔[3]

روافض کے علما نے تشیع کو غلو کے مراحل میں داخل کرنے اور اسلحے کے زور پر اس کو ایران کے مسلمانوں پر مسلط کرنے میں صفوی بادشاہوں کی بھرپور مدد کی۔ ان علما میں سب سے زیادہ نمایاں شیعہ کے عالم علی کرکی کا نام ہے[4]، اس کو شاہ اسماعیل کے بیٹے شاہ طہماسپ نے اپنا مصاحب خاص بنایا ہوا تھا اور اس کو ملک میں اپنے احکامات جاری کرنے کی مکمل اجازت دے رکھی تھی، اس کرکی نے جو نئی بدعات ایجاد کیں، ان میں:

''وہ مٹی (ٹھیکری) بھی ہے، جس پر آج شیعہ اپنے نمازوں میں سجدہ کرتے ہیں۔ اس نے ۹۳۳ھ کو اس موضوع پر ایک کتابچہ تحریر کیا۔[5] اسی طرح اس نے شاہ اسماعیل صفوی کی ہم نوائی کرتے ہوئے بندے کے لیے سجدہ کرنے کے جواز میں بھی ایک کتابچہ لکھا۔[6] شاہ اسماعیل کے ساتھی بادشاہ کے بارے میں اتنا غلو کرتے تھے کہ وہ اس کی عبادت کرتے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے۔''[7]

---

[1] المصدر السابق (ص: ٥٨) نیز دیکھیں: تاریخ الصفویین (ص: ٥٥)

[2] الشیبي: الفکر الشیعي (ص: ٤١٥)

[3] الوردي: لمحات اجتماعیة (ص: ٥٩)

[4] علی بن ہلال کرکی ۹۸۴ھ کو ہلاک ہوا۔ (نیز دیکھیں: أعیان الشیعة: ٤٢/ ٢٠٠۔ ٢٠١، مقتبس الأثر: ٢٢/ ٣٣٣)

[5] الفکر الشیعي (ص: ٤١٦) عن ترجمته في روضات الجنات (ص: ٤٠٤)

[6] لمحات اجتماعیة (ص: ٦٣)

[7] اسی لیے حیدری لکھتا ہے کہ ''اسماعیل رافضیت کے راستے سے ہٹ گیا اور اس نے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا، اس کی فوج اس کے سامنے سجدہ کرتی۔'' (عنوان المجد، ص: ١١٦۔ ١١٧)

شیعہ مذہب میں اس کی ایجاد کردہ بدعات اتنی زیادہ تھیں کہ غیر شیعہ مصنفین اس کو "مخترع الشيعة" یعنی شیعہ کا موجد لقب دیتے ہیں۔[1] اس نے "نفحات اللاهوت في لعن الجبت والطاغوت" کے نام سے شیخین رضی اللہ عنہما پر تبرا کرنے کے متعلق بھی ایک کتابچہ بھی لکھا۔[2] کہا جاتا ہے کہ مساجد میں جمعے کے دن تبرا بازی کا بھی اسی نے آغاز کیا۔[3] ملا باقر مجلسی بھی سلطنتِ صفویہ کے علما میں شمار ہوتا ہے، جس نے ایران میں مسلمانوں کو شیعیت سے متاثر کرنے میں حکومت کا ہاتھ بٹایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی کتاب "حق اليقين" ستر ہزار ایرانی سنی کے شیعہ ہونے کا سبب بنی۔[4] قرینِ قیاس تو یہی ہے کہ یہ رافضہ کی مبالغہ آرائی ہے، کیوں کہ رافضیت ایران میں فکر ونظر اور دلیل و برہان کے نتیجے میں نہیں، بلکہ قوت و دہشت کے بل بوتے پر پھیلی تھی۔

اس کے بعد اگلی نسل سالانہ حسینی ماتمی جلوسوں کے سائے میں پروان چڑھی، جن کو صفویوں نے بہ تدریج ترقی دی، تاکہ ان کی تاثیر کی وجہ سے نئی نسل کے دل حسد وغضب سے بھر جائیں اور وہ اس کی وجہ سے کسی دلیل یا برہان کو سننا بھی گوارا نہ کریں۔ مجلسی کی کتاب "بحار الأنوار" کا شیعہ میں غلو پھیلانے میں بڑا اہم کردار رہا ہے۔ مجلس پڑھنے والے ذاکروں اور منبروں پر خطبہ دینے والے خطیبوں نے اس کتاب کا رخ کیا اور ان کو اس سے جو چیز اچھی لگتی، اس کو لے لیتے۔ اس طرح ان لوگوں نے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو غلو اور خرافات سے بھر دیا۔

یہ کتاب ان اولین مولفات میں شامل تھی، جو قاچاری عہد میں بڑے وسیع پیمانے پر اشاعت پذیر ہوئیں۔ عراق میں اس کتاب کے نسخے بڑی تعداد لائے گئے، جس کے سبب اس کی گھٹیا معلومات عراقی قوم کے درمیان اسی طرح عام ہوگئی، جس طرح ایران میں ہوا تھا۔[5]

اسی طرح سلطنت صفویہ کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو نظروں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ انھوں نے خلافتِ اسلامیہ کی سلطنت یعنی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بہت سی جنگیں کیں، مسلمانوں کے خلاف انگریزوں اور پرتگالیوں کی مدد کی، ان کی وہاں گرجے تعمیر کرنے اور عیسائی مشنریوں کو بھیجنے کی حوصلہ افزائی کی اور سنت اور اہلِ

---

[1] النواقض: الورقة (٩٨ ب)

[2] الفكر الشيعي (ص: ٤١٦)

[3] المصدر السابق.

[4] ڈونلڈز: عقيدة الشيعة (ص: ٣٠٢)

[5] لمحات اجتماعية (ص: ٧٧۔ ٧٨)

سنت کے خلاف محاذ آرائی کی۔[1]

یہ اس میدان میں ان کے افراد اور حکومتوں کے کچھ اثرات ہیں۔ اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلمات بڑے اہم اور غیر فانی ہیں۔ ان کو اگر حالاتِ حاضرہ پر منطبق کیا جائے اور ان کی روشنی میں تاریخ کے واقعات کا تجزیہ و استقرا کیا جائے تو ان کی صداقت سورج سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہر عقل مند کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات پر غور کر لے اور اس کے زمانے میں اسلام میں جو فتنے فساد اور برائی جنم لیتی ہے تو اس کو ان کی اکثریت رافضہ کی پیدا کردہ نظر آئے گی۔ وہ ان کو تمام لوگوں سے زیادہ فسادی اور شر پسند پائے گا اور وہ ہر ممکن طریقے سے امت میں فتنے، فسادات اور شرور کو پھیلانے میں آگے آگے ہوں گے۔''[2]

''ہم نے مشاہدے اور تواتر کے ساتھ یہ جانا ہے: وہ بڑے بڑے فتنے اور فسادات جن جیسا کوئی فتنہ نہیں، وہ انھی کی طرف سے نکلتے ہیں۔''[3]

---

[1] اس کے متعلق تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیں: تاريخ الصفويين (ص: ٩٣ وما بعدها) نیز دیکھیں: حاضر العالم الإسلامي للدكتور جميل المصري (ص: ١١٧)

[2] منهاج السنة (ص: ٣/ ٢٤٣)

[3] المصدر السابق (٣/ ٢٤٥)

معاشرتی میدان

یہ ایک بڑا وسیع باب ہے، اس لیے میں صرف اس کے بعض خط و خال اور آثار ونشانات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

① شیعہ کا مسلمانوں کے ساتھ تعلق:

شیعہ مسلمانوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور اسلامی شناخت ہی رکھتے ہیں، ان کے اور دوسروں کے درمیان فرق کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ مسلمانوں کے تعلق کی اساس، پیار، محبت، ایثار اور ایک دوسرے کی کفالت پر قائم ہوتی ہے۔

اسلام نے مسلمان اور اس کے مسلم بھائی کے درمیان محبت و پیار کے ستونوں کو بڑی مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا ہے۔ صحابہ کرام کی نسل نے قرآن وسنت کی ہدایات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے محبت و وفا کی لافانی مثالیں قائم کیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور اتفاق و اتحاد کی صورت بلاشبہہ امت کے دشمن کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ اس لیے دشمن نے امت کی مضبوط عمارت کو توڑنے کے لیے بے شمار سازشیں کیں، یہ شیعیت میں داخل ہوگئے اور انھوں نے اس کے ذریعے سے اسلامی معاشرے کی اس مضبوط ترین بنیاد کو اکھاڑنے اور خراب کرنے کے لیے کام شروع کر دیا۔ اس لیے یہ بات معروف اور مشہور ہوگئی کہ ایک شیعہ شخص کا دوسرے انسان کے ساتھ تعلق، کسی بھی طریقے سے اس کو ایذا پہنچانے پر مبنی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے خلاف دل میں نفرت اور عداوت کو چھپا کر رکھنا، ان کی ایک صفت ہے۔ بے وفائی اور حقوق کو پامال کرنا، ان کے مزاج کا حصہ ہے اور غداری، بد دیانتی سازش اور دھوکا، ان کے معروف کام ہیں، جو بعض اوقات قتل کی حد تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''رافضی جس کے ساتھ بھی تعلق رکھے گا، اس کے ساتھ ہی منافقت کرے گا، کیوں کہ اس کے دل میں ایک خراب دین ہے، جو اس کو جھوٹ، بد دیانتی، دھوکا دہی اور لوگوں کے لیے بری نیت پر

اُکساتا ہے۔ وہ انھیں نقصان پہنچانے میں کوئی موقع جانے نہیں دیتا اور جو تکلیف انھیں پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، وہ ضرور پہنچاتا ہے۔ جو اس کو نہیں جانتا، وہ اس کے نزدیک قابلِ نفرت ہوتا ہے، اگر یہ نہ بھی معلوم ہو کہ وہ رافضی ہے، تب بھی اس کے چہرے پر منافقت ظاہر ہوجاتی ہے اور اس کی زبان اس کا پتا دے دیتی ہے، اس لیے آپ اس کو دیکھیں گے کہ وہ کمزور ترین اور غیر متعلق لوگوں کے ساتھ بھی منافقانہ رویہ رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے دل میں منافقت ہے، جو اس کے دل کو کمزور کر دیتی ہے...۔‘‘[1]

علامہ شوکانی یمن میں رافضہ کے درمیان رہے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنی ذاتی مشاہدات پیش کیے ہیں اور ان کی بڑی عجیب باتیں نقل کی ہے، وہ حتمی انداز میں کہتے ہیں:

’’رافضی کے دل میں اپنے مذہب کے سوا کوئی مذہب رکھنے والے اور رافضیت کے علاوہ کسی دین کی طرف نسبت رکھنے والے کے لیے کوئی امانت داری نہیں ہوتی، بلکہ اس کو اگر کوئی سا موقع ملے تو وہ اس کا مال لوٹنا اور خون بہانا جائز کر لیتا ہے، کیوں کہ اس کے نزدیک اس کا مال اور خون دونوں حلال ہیں۔ جس محبت کا وہ اظہار کرتا ہے، وہ محض تقیہ اور دکھاوے کی ہے، جس کا اثر فرصت ملتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔‘‘[2]

انھوں نے اس فرقے کے ساتھ عملی تجربہ کر کے یہ حقیقت بیان کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں: ’’ہم نے کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے کہ کوئی رافضی غیر رافضی کے ساتھ مخلصانہ محبت نہیں رکھتا، اگرچہ وہ اپنا سب کچھ بھی اس پر لٹا دے اور اس نے رافضی کے سارے خاندان کا بوجھ اٹھایا ہو اور ہر ممکن طریقے سے اس کی محبت نبھائی ہو۔ ہم کسی بدعتی یا غیر بدعتی مذہب میں اپنے مخالف کے لیے اتنی نفرت یا عداوت نہیں پاتے، جتنی ان میں اپنے مخالفوں کے لیے دیکھتے ہیں، پھر جس طرح ان کو دریدہ ذہنی کے ذریعے قابلِ احترام عزتوں کی پامالی کرتے دیکھتے ہیں، کسی کو نہیں دیکھتے، ان کے ساتھ اگر کوئی ادنیٰ سا اختلاف یا معمولی سا جھگڑا بھی کر بیٹھے تو یہ اتنی غلیظ گالیاں نکالتے ہیں اور ایسی گندی زبان استعمال کرتے ہیں کہ توبہ توبہ! شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ جب یہ سلف صالحین کو گالیاں دینے سے نہیں چوکتے تو باقیوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ کیوں کہ یہ بڑا جرم اپنے سے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب ہلکا کر دیتا ہے۔[3]

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٦٠)

[2] طلب العلم (ص: ٧٠۔ ٧١)

[3] المصدر السابق (ص: ٧١)

امام شوکانی ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسلامی معاشرے میں کسی گناہ یا حرام کاری کے ارتکاب سے بالکل نہیں ڈرتے۔ ہم نے بھی آزمایا ہے اور ہم سے پہلے لوگوں نے بھی تو انھوں نے کوئی ایک بھی ایسا رافضی نہیں دیکھا، جو دین میں حرام کاموں سے بچتا ہو، خواہ وہ جو کوئی بھی ہو۔

آپ ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھائیں، آدمی بعض اوقات لوگوں کے سامنے گناہ چھوڑ دیتا ہے اور ظاہر میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور نیک نام ہوتا ہے، لیکن جونہی موقع ملتا ہے تو نہ اس کو جہنم کی آگ ڈراتی ہے نہ جنت کی امید ہی منع کرتی ہے، وہ فوراً اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد امام شوکانی اپنے ذاتی مشاہدات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں نے ان میں ایک آدمی کو دیکھا، وہ مسجد میں اذانیں دیتا اور باجماعت نماز کا اہتمام کرتا، لیکن وہ چور نکلا۔ ایک دوسرا صنعا کی ایک مسجد میں امامت کرواتا تھا، وہ بڑا نیک سیرت اور باکردار تھا، ہمیشہ نیکی میں آگے ہوتا، میں تعجب کیا کرتا تھا کہ اس جیسا آدمی رافضی کس طرح ہوسکتا ہے، اس کے بعد میں نے اس کے متعلق ایسی باتیں سنی کہ جن کو سن کر دل کانپ اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ایک تیسرے آدمی کا ذکر کیا، جو تھوڑا سا رافضی تھا، اس کے بعد اس کی رافضیت نے اس قدر ترقی کی، حتی کہ اس نے صحابہ کی ایک جماعت کے عیوب پر ایک کتاب لکھ دی۔''

شوکانی کہتے ہیں:

''میں شروع میں اس کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ بڑا پاک دامن اور سخت آدمی ہے، تو میں نے کہا: اگر کوئی رافضی پاک دامن ہے تو وہ یہ شخص ہے، لیکن اس کے بعد میں نے اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنی کہ خدا کی پناہ!''[1]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اس فرقے کا یتیموں، مسکینوں اور جس پر ظلم کی طاقت رکھیں، ان کے اموال پر ٹوٹ پڑنا، کسی دلیل کا محتاج نہیں، بلکہ جو ان باتوں کے انکار کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ خود ان کے حالات کا جائزہ لے تو اس کو ہماری تمام باتوں کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے گا۔''[2]

---

(1) طلب العلم (ص: ٧٣)

(2) المصدر السابق (ص: ٧٤)

یہ بڑے اہم مشاہدات ہیں، جو امام شوکانی نے لکھے اور یہ بیان کیا کہ رافضیت آدمی کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے اور اس کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو کس طرح بگاڑتی ہے، کیوں کہ شوکانی یمن میں اس رافضی فرقے کے ساتھ رہتے تھے، جو ''زیدیہ'' سے نکل کر رافضیت کے دائرے میں داخل ہوگیا تھا، جس کو جارودیہ کہا جاتا تھا،[1] جس کے بارے میں یہ باتیں عام ہیں۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ شوکانی کی گواہی ہے، جو رافضہ کا حریف تھا، اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنت اس سے زیادہ انصاف پسند ہیں اور وہ اس فرقے پر ظلم کرنے یا جھوٹ بولنے سے کہیں زیادہ پرہیز کرنے والے ہیں، جس طرح واقعات نے ثابت کیا ہے، بلکہ وہ تو بعض رافضہ سے بھی زیادہ رافضہ کے خیر خواہ اور ان کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں، اس بات کا وہ خود اعتراف کرتے اور کہتے ہیں:

''تم ہمارے ساتھ اتنا انصاف کرتے ہو کہ ہمارے بعض لوگ بھی دوسروں کے ساتھ اتنا انصاف نہیں کرتے۔''[2]

مجھے کلینی کی کتاب "الکافي" میں ایک بڑی اہم عبارت ملی ہے، جو امام شوکانی کے کلام کی تصدیق کرتی ہے اور جو انھوں نے کہا ہے، اس کی سچائی کی معترف ہے۔ اعتراف تمام دلیلوں کا سردار ہوتا ہے۔ یہ عبارت رافضی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات میں اس کے مزاج کو بیان کرتی ہے۔

"الکافي" میں ذکر ہوا ہے کہ ایک عبداللہ بن کیسان نامی شیعہ نے اپنے امام سے کہا:

''میں نے سر زمینِ فارس میں آنکھ کھولی ہے۔ میں تجارت وغیرہ کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتا ہوں۔ میں کسی ایسے آدمی کو ملتا ہوں، جو بڑا نیک صورت، اچھے اخلاق کا مالک اور بڑا امانت دار ہوتا ہے، جب میں اس کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں تو وہ آپ کے دشمنوں (اہلِ سنت) سے نکلتا ہے، پھر میں ایسے آدمی سے ملتا ہوں، جو بڑا بد اخلاق، بد کردار اور بد دیانت ہوتا ہے، جب میں اس کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں تو وہ آپ کے ساتھ موالات رکھنے والوں (شیعہ) میں سے نکلتا ہے....''[3]

---

[1] زیدیہ جارودیہ، اگرچہ زیدیہ کا نام استعمال کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ رافضہ ہیں، جو صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں۔ امامیہ کے عالم مفید نے اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں زیدیہ کو شیعیت سے خارج قرار دیا ہے، لیکن ان میں سے جارودیہ کو شیعہ ہی قرار دیتا ہے، کیوں کہ وہ اس کے مذہب پر عمل پیرا ہیں۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٣) دیکھیں۔

[2] منهاج السنة (٣/ ٣٩)

[3] أصول الكافي (٢/ ٤) تفسير نور الثقلين (٤/ ٤٧)

یہ روایت اہلِ سنت کو بااخلاق، باکردار اور امانت دار بیان کرتی ہے، جب کہ رافضہ کو ان صفات کے متضاد صفات سے متصف کرتی ہے۔

کافی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

''ایک آدمی نے اپنے رافضی دوستوں کی بھڑکیلی طبیعت، تیز مزاجی اور بیوقوفی کا اپنے امام سے شکوہ کیا اور اس نے کہا کہ اس کو یہ سب دیکھ کر بہت زیادہ رنج ہوتا ہے، جب کہ ان کے برعکس وہ اپنے مخالفین یعنی اہلِ سنت کو حسن سیرت و کردار کا مالک دیکھتا ہے تو ان کے امام نے کہا: حسنِ سمت (کردار) نہ کہو، کیوں کہ سمت کا مطلب طریق ہوتا ہے،[1] لیکن حسن السیما (بہترین نشان والے) کہتے ہیں: کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح: ٢٩]، وہ کہتا ہے: میں اس کو حسن السیما اور باوقار پاتا ہوں تو اس کی وجہ سے رنجیدہ ہوجاتا ہوں۔''[2]

عبداللہ بن ابی یعفور نامی ایک تیسرا شیعہ اہلِ سنت کے اخلاق اور شیعہ کے اخلاق میں زمین و آسمان جتنا فرق دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتا اور اپنے امام کے سامنے یہ بات اٹھاتے ہوئے کہتا ہے:

''میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں، تو ان لوگوں کو دیکھ کر میرا تعجب بڑھ جاتا ہے، جو فلاں فلاں (ابوبکر وعمر) کے ساتھ موالات رکھتے ہیں، وہ امانت، سچائی اور وفا کے پیکر ہیں اور ایک وہ قوم (رافضہ) ہے جو آپ کے ساتھ موالات رکھتی ہے، جن میں اس طرح کی امانت داری ہے نہ سچائی اور نہ وفا ہی!

وہ کہتا ہے: ابوعبداللہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور وہ غضب ناک ہوکر میری طرف متوجہ ہوئے، پھر کہا: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر متعین اور ظالم امام کی امامت کو تسلیم کرتا ہے، اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ عادل امام کی ولایت کا دین کا رکھتا ہے، اس پر کوئی عتاب نہیں۔ میں نے کہا: اُن کا کوئی دین نہیں اور اِن پر کوئی عتاب نہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔''[3]

---

[1] لغت میں یہ بات معلوم شدہ ہے کہ سمت کا معنی طریق کے ساتھ ساتھ وقار اور ہیئت بھی ہوتا ہے۔ مصباح اللغات میں مذکور ہے کہ سمت کا معنی طریق، قصد، سکینت، وقار اور ہیئت ہے۔

[2] أصول الکافي (٢/ ١١) اس شکوے کے بعد شیعہ امام کا جواب شیعہ کے عقیدہ طینہ کی بنا پر تھا، جس سے ہر دو فریق کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ اس حقیقت کا اثبات کرتا ہے، نفی نہیں۔ اس سلسلے میں شیعہ کے عقیدہ طینہ کے متعلق تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (٩٩٦) ملاحظہ کریں۔

[3] أصول الکافي (١/ ٣٧٥)

یہ جواب جو شیعہ سے سزا و سرزنش اور مذمت کی نفی کرتا ہے، چاہے وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہی کیوں نہ کریں، اسی نے ان کو لوگوں کے ساتھ اس طرح تعلق رکھنے کے اس گہرے گڑھے میں گرنے اور گناہوں کے ارتکاب پر جرأت مہیا کی ہے، کیوں کہ ان کا دین ولایتِ علی ہے اور علی کی محبت ایک ایسی نیکی ہے، جس کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا۔ جب تک اس بنیاد کی اصلاح نہیں کی جا سکے گی، تب تک یہ بدعات ان کے اندر موجود رہے گی۔

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ان کی کتابیں نظریہ اغتیال (دھوکے سے قتل کرنا) کو بھی مقرر کرتی ہیں، ان کے پروٹوکول کے مطابق، اس وقت اس اسلوب کے ساتھ دشمن کا کام تمام کرنا جائز ہے، جب اس کا شیعہ کو کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو۔

شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ داود بن فرقد نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: ناصبی کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس کا خون بہانا حلال ہے، لیکن میں تجھ سے تقیہ کرتا ہوں، اگر تو طاقت رکھے کہ اس پر دیوار گرا دے یا پانی میں ڈبو دے، تو یہ کر گزر، تا کہ تجھ پر کوئی گواہی نہ دے سکے۔[1]

رجال الکشی میں ایک شیعہ کا واقعہ لکھا ہوا ہے، جو اپنے امام کو بتاتا ہے کہ وہ کس طرح اس کے مخالفین کے ایک گروہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا، وہ کہتا ہے:

''میں بعض کو سیڑھی کے ذریعے چھت پر چڑھا کر قتل کر دیتا، بعض کو میں رات کے وقت بلاتا اور قتل کر دیا، بعض کو مَیں اپنے ساتھ لے جاتا اور ویران جگہ میں جا کر قتل کر دیتا۔''[2]

وہ کہتا ہے کہ اس نے اس طریقے سے تیرہ مسلمانوں کو قتل کیا، کیوں کہ، اس کے دعوے کے مطابق، وہ حضرت علی سے براءت کا اظہار کرتے تھے۔[3]

شیعہ کا عالم نعمت جزائری کہتا ہے کہ ان کی روایات میں ہے:

''علی بن یقطین[4] ہارون الرشید کا وزیر تھا، اس کی قید میں مخالفین کا ایک گروہ اکٹھا ہوا، اس نے اپنے

---

[1] ابن بابويه: علل الشرائع (ص: ٢٠٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٨/ ٤٦٣) المجلسي: بحار الأنوار (٢٧/ ٢٣١)

[2] رجال الكشي (ص: ٣٤٢۔ ٣٤٣)

[3] المصدر السابق.

[4] جزائری نے اس کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ شیعہ کا خاص فرد تھا۔ (الأنوار النعمانية: ٢/ ٣٠٨) امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ اسے زندیقیت کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٢٢) دیکھیں۔

لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر جیل کی چھت گرا دیں، وہ چھت ان قیدیوں پر گری اور وہ سارے وہیں مر گئے، وہ تقریباً پانچ سو تھے۔ اس نے ان کے خون کے مابعد اثرات سے چھٹکارا پانا چاہا تو اپنے امام مولانا کاظم کے پاس ایک پیغام بھجوایا، جس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر تو ان کو قتل کرنے سے پہلے میرے پاس آتا تو تجھ پر ان کے خون کے حوالے سے کوئی بوجھ نہ ہوتا، چوں کہ تم میرے پاس نہیں آئے، اس لیے اب ہر ایک کی طرف سے ایک بکرے کا کفارہ ادا کر، ان سے تو بکرا بھی بہتر ہے۔''[1]

دیکھیے! کس طرح یہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان کو قتل کرنے کے لیے چھوٹے سے چھوٹے موقعے کی بھی تلاش میں رہتے ہیں؟!

یہ شیعہ کے اعترافات ہیں، جو ان کے بدنما آثار پر گواہی پیش کرتے ہیں۔ یہاں اس کا امام اس کو پانچ سو مسلمانوں کے قتل کرنے پر کچھ نہیں کہہ رہا، بلکہ اس پر راضی ہے، کیوں کہ وہ رافضی نہیں تھے۔ صرف اس کو یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے چوں کہ پہلے اجازت نہیں لی تھی، اس لیے ہر ایک کے کفارے کے طور پر ایک بکرا ذبح کر دے۔

اس سے ثابت ہوا کہ کوئی شیعہ اگر اپنے امام یا نائب امام سے، جو آج کے دور میں فقیہ ہے، اجازت لے لے، تو جو چاہے کرتا پھرے اور اگر اجازت نہ لے تو پھر ایک بکرے کو ذبح کرنے سے کوئی بڑی چیز نہیں۔ شیعہ کا عالم نعمت اللہ جزائری بکرے کی دیت پر حاشیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ عظیم الشان دیت کو دیکھیے! جو ان کے چھوٹے بھائی، شکاری کتے کی دیت کے بھی برابر نہیں، اس کی دیت بھی بیس درہم ہے اور نہ ان کے بڑے بھائی یعنی یہودی، یا مجوسی کے دیت کے برابر ہے، جس کی دیت ۸۰۰ درہم ہے، آخرت میں ان کی حالت اس سے بھی گندی اور حقیر ہوگی۔''[2]

یہ اتنا گندا اور بدنما قول ہے، جو کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ یہ ان کے دلوں میں اہلِ سنت کے خلاف بھڑکنے والے کینے کو خود بول کر بیان کر رہا ہے کہ وہ شیعہ کے نزدیک مجوسیوں سے بھی بڑے کافر ہیں!!

2 داخلی فتنے:

یہ ان کے وہ فتنے ہیں، جو یہ سالانہ ماتمی جلوسوں میں صحابہ کرام پر تبرا بازی کر کے بھڑکاتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں جب سے بغداد میں بنو بویہ نے محرم کے مہینے میں تعزیہ نکالنے اور عاشورہ کی رسوم ادا کرنے کا آغاز کیا، تب سے شیعہ ان سالانہ جلوسوں اور تعزیوں کے ذریعے بے انتہا فتنوں کو اٹھاتے ہیں۔ شیعہ کے

[1] الأنوار النعماية (۲/ ۳۰۸)

[2] الأنوار النعمانية (۲/ ۳۰۸)

صحابہ کرام پر تبرا کرنے کی وجہ سے اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان شدید جھگڑے جنم لے لیتے ہیں۔

بغداد کی تاریخ میں سب سے پہلے ۳۳۸ھ کو پہلے فتنے کا آغاز ہوا۔[1] اس کے بعد ان دونوں جماعتوں کے درمیان فتنوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا،[2] جس کے نتیجے میں بہت زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور آج تک عالمِ اسلام میں جہاں شیعہ پائے جاتے ہیں، وہاں اس بدعت کے اثرات موجود ہیں۔

کتنی جانوں کو ہلاک کیا گیا، کتنی نفرتوں کو بویا گیا، کتنے فرقے، فتنے اور مصائب پہنچائے گے، اس کے باوجود آج شیعہ کا امام خمینی اس فتنے کی آگ پر مزید تیل ڈالتے ہوئے ایرانی ٹیلی ویژن پر ایک خطاب میں کہتا ہے:

''شروع اسلام سے لے کر آج تک نجات والے فرقے کا ایک ہی شعار اور ایک ہی علامت ہے اور وہ ہے ماتمی جلوس اور تعزیے نکالنا۔''[3]

نیز وہ کہتا ہے:

''سید الشہداء پر گریہ کرنا اور حسینی مجالس قائم کرنا ہی وہ عمل ہے، جس نے چودہ صدیوں سے اسلام کو محفوظ کیا ہوا ہے۔''[4]

شیعہ کے بعض علما کا یہ قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ ماتمی جلوس نکالنا اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم ہے۔[5]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دن شہادت سے نوازا، ان کے سامنے ان سے پہلے شہید ہونے والے شہدا کا نمونہ بھی موجود تھا۔ ان کا قتل ہونا ایک بہت بڑی مصیبت تھی اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت کے وقت ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' کہنے کا حکم دیا ہے۔[6] رافضہ آج جو تعزیے نکالتے اور دیگر کام کرتے ہیں، ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والوں اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے والوں کا مقصد امتِ اسلام کو اپنے ہی ساتھ مشغول رکھنا ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے دین کو پھیلانے کے لیے فارغ نہ ہو سکے۔

---

1. عبد الرزاق الحصان: المهدي والمهدوية (ص: ٧٤)
2. مثلاً دیکھیں: حوادث سنة ٤٠٦، ٤٠٨، ٤٢١، ٤٢٢، ٤٢٥، ٤٣٩، ٤٤٣، ٤٤٤، ٤٤٥، ٤٤٧، ٤٧٨، ٤٨١، ٤٨٢، ٤٨٦، ٥١٠ إلخ في البداية والنهاية اور دیگر تاریخی کتابیں۔
3. اسے ایرانی سنی عالم محمد ضیائی نے مجلہ "المجتمع" (العدد: ٥٨٩، السنة الثالثة، ١٨/ ذوالحجه ١٤٠٢ھ) میں نقل کیا ہے۔
4. جريدة "الاطلاعات" (العدد: ١٥٩٠١) في تاريخ ١٦/ ٨/ ١٣٩٩ھ بحوالہ "إقناع اللائم على إقامة المآتم" ٹائٹل پیج۔
5. اسی کتاب کا صفحہ (١١٣٦) دیکھیں۔
6. مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٥١١)

اباحیت:

معاشرتی میدان میں شیعہ کے ثمرات کی جھلک اس اباحیت میں نظر آتی ہے، جس کی یہ دعوت دیتے، اس کے اسباب مہیا کرنے میں آسانیاں فراہم کرتے اور اسلامی معاشرے کے وسط میں "عارية الفرج"[1] (شرم گاہ عاریہ لینا) یا متعہ کے نام پر زنا کی پریکٹس اور اس کا ارتکاب کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے متعے کا مطلب ہے: کسی بھی عورت کے ساتھ بدکاری کرنے کے لیے خفیہ معاہدہ کرنا[2]، خواہ وہ عورت کوئی فاحشہ[3] ہو یا خاوند والی یا شادی شدہ۔[4]

اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایک دن کے لیے یا ایک دو مرتبہ کے لیے معاہدہ کر سکتا ہے۔[5]

---

[1] شیعہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ "حسن عطار نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے شرم گاہ عاریتاً لینے کے متعلق دریافت کیا تو اس کا جواب تھا: اس میں کوئی حرج نہیں۔" (وسائل الشيعة: ٧/ ٥٣٦، تهذيب الأحكام للطوسي: ٢/ ١٨٥، الاستبصار: ٣/ ١٤١)

[2] طوسی کہتا ہے: "عورت کے باپ کی اجازت، گواہوں اور اعلان کے بغیر اس سے متعہ کرنا جائز ہے ..." (النهاية، ص: ٤٩٠)

[3] طوسی کہتا ہے: "اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی فاحشہ عورت سے متعہ کرے۔ (النهاية، ص: ٤٩٠)

خمینی کہتا ہے: "زانیہ کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے۔" (تحرير الوسيلة: ٢/ ٢٩٢) شیعہ کی روایات میں منقول ہے کہ اسحاق بن جریر نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: یہاں کوفہ میں ایک مشہور بدکار عورت ہے، کیا میرے لیے اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا: کیا اس نے جھنڈا لگایا ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اگر اس نے جھنڈا لگایا ہوتا تو اس کو بادشاہ لے جاتا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، تم اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کر سکتے ہو۔ وہ کہتا ہے: پھر انھوں نے اپنے ایک دوست کے کان میں کچھ کہا۔ میں بعد میں اس سے ملا اور اس سے پوچھا کہ تمھارے کان میں انھوں نے کیا کہا تھا؟ اس نے جواب دیا: انھوں نے کہا تھا: اگر اس نے جھنڈا لگایا ہوتا تو اس پر اس کے ساتھ شادی کرنے میں کچھ نہ ہوتا، وہ صرف اس عورت کو حرام سے نکال کر حلال میں داخل کر دیتا۔ (وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٥٥، تهذيب الأحكام: ٢/ ٢٤٩)

[4] شیعہ کی روایات میں محمد بن عبداللہ اشعری سے مروی ہے کہ میں نے امام رضا (علیہ السلام) سے کہا: آدمی کسی عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے، بعد میں اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ اس کا تو پہلے سے خاوند ہے۔ انھوں نے کہا: اس پر کچھ نہیں ..." (وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٥٧، بحواله تهذيب الأحكام: ٢/ ١٨٧) اس سے کہا گیا (یعنی جعفر سے جس طرح یہ خیال کرتے ہیں) ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاحِ متعہ کیا تو بتایا گیا: اس کا تو خاوند ہے؟ تو اس نے اس عورت سے پوچھا۔ ابو عبداللہ نے کہا: اس نے اس عورت سے کیوں پوچھا؟ (المصدر السابق) اس لیے شیعہ کے شیخ طوسی نے کہا: "آدمی کو یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ اس کا خاوند ہے کہ نہیں۔" (النهاية، ص: ٤٩٠)

[5] دیکھیں: النهاية للطوسي (ص: ٤٩١) الخميني: تحرير الوسيلة (٢/ ٢٩٠) شیعہ کی روایات میں خلف بن حماد کی روایت سے ذکر ہوا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوالحسن کو سوال بھیجا کہ متعہ کی کم از کم مدت کیا ہے؟ کیا ایک ہی مرتبہ ملاپ کی شرط پر آدمی متعہ کر سکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ (فروع الكافي: ٢/ ٤٦، وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٧٩)

شیعہ کے ایک آدمی نے شیخ محمد نصیف کو بتایا کہ ان کے ہاں باری کا متعہ بھی کیا جاتا ہے، جس کو شیعہ کے علما نے وضع کیا ہے۔ ①

اسی وجہ سے علامہ آلوسی کہتے ہیں:

''جو شخص اس زمانے میں رافضہ کے ہاں متعہ کے حالات کا جائزہ لیتا ہے، وہ ان پر زنا کاری کا حکم لگانے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ایک عورت ایک دن اور ایک رات میں بیس مردوں سے زنا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ متعہ کر رہی ہے۔

''شیعہ کے ہاں متعہ کرنے کے لیے مخصوص بازار لگائے گئے ہیں، جہاں عورتیں کھڑی ہوتی ہیں، ان کے باقاعدہ دلال اور بھڑوے ہوتے ہیں، جو مردوں کو عورتوں کے پاس لے کر آتے ہیں اور عورتوں کو مردوں کے پاس۔ جس کو جو پسند آئے، وہ اس کو منتخب کرتا ہے، زنا کی اجرت متعین کی جاتی ہے اور وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کی راہ پر چل نکلتے ہیں ...۔'' ②

اس کے بعد انھوں نے وہاں ہونے والے کاموں کی کچھ تفاصیل اور واقعات ذکر کیے۔ ③ یہ لوگ مردوں اور عورتوں دونوں کو اس بدکاری پر ترغیب اور ترہیب کے ذریعے اکساتے ہیں اور اس کو افضل عمل قرار دیتے ہیں، ④ وہ کہتے ہیں کہ جو اس سے بچتا ہے، قیامت کے دن اس کا مقدر ہلاکت ہوگا۔ ⑤

① باری کا متعہ یا گنتی کے متعہ کی یہ صورت ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ ایک ہی عورت کو متعہ کرنے کے لیے کہے اور وہ ہر ایک کی باری مقرر کر لیں۔ (دیکھیں: مختصر تحفة الإثنی عشرية، ص: ٢٢٧) نجف کے بعض مدارس میں اس کے عام استعمال کی تفاصیل جاننے کے لیے شیخ عانی کی کتاب "الذريعة لإزالة شبه كتاب الشيعة" (ص: ٤٥۔ ٤٦) کا مطالعہ کریں۔
شیخ محمد نصیف نے شیعہ عالم احمد سرخان کے ساتھ مکالمے کے دوران میں باری کے متعے کے بارے میں اس کے منہ سے اعتراف اگلوایا۔ شیخ نصیف نے شیعہ عالم سے کہا: اہل سنت کے ہاں تو متعہ منسوخ ہے اور یہ شیعہ کے ہاں منسوخ ثابت نہیں، لیکن باری کے متعے کے بارے میں مَیں آپ لوگوں کی دلیل نہیں جانتا؟ اس شیعہ نے اس کا جواب دیا کہ عورت کے ساتھ متعہ کرنے والا، متعہ کرنے کے بعد اس کے ساتھ دائمی نکاح کر لیتا ہے، پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس طرح اس عورت پر عدت نہیں ہوتی اور دوسرا اس کے ساتھ متعہ کر لیتا ہے اور آخر میں پہلے والے کی طرح کا کام کرتا ہے۔ اس طریقے سے عورت عدت کے بغیر ہی کئی مردوں کے پاس چکر لگا لیتی ہے۔ (دیکھیں: مجلة الفتح، شماره نمبر ٨٤٥، تاريخ إجراء: رجب ١٣٦٦ھ)

② كشف غياهب الجهالات (الورقة: ٣ مخطوط)

③ المصدر السابق.

④ اس موضوع پر شیعہ کی ایک روایت ہے کہ ''جو اس حالت میں دنیا سے گیا کہ اس نے متعہ نہ کیا ہو تو وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا ہوگا۔'' (تفسير منهج الصادفين، ص: ٣٥٦)

⑤ شیعہ کی بہت زیادہ روایات ہیں، جو اس کو سب سے بڑی عبادت قرار دیتی ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر وضع کردہ ←

اسی طرح شیعہ کے علما عورتوں کے ساتھ قومِ لوط والا عمل کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ شیعہ کا امام خمینی کہتا ہے:

''قوی تر اور واضح تر یہی موقف ہے کہ بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔''[1]

اب اس گراوٹ کا ابن نجیم کے اس قول سے کیا مقابلہ، جو کہتا ہے:

''بیوی کے ساتھ لواطت کو جائز کرنا جمہور کے نزدیک کفر ہے۔''[2]

یہ مجموعی صورت حال مزدک اور بابک کے پیروکار خرمیہ فرقے کی اباحیت سے ملتی جلتی ہے، بلکہ یورپ کی اباحیت پسندی سے کم نہیں۔ انھوں نے اس اخلاقی گراوٹ اور جنسی بے راہ روی کو ستے متعے کے دلدادہ افراد کو گمراہ کرنے اور شیعہ مذہب قبول کرنے پر اُکسانے کے لیے استعمال کیا، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[3]

بلکہ شیعہ کی روایات صریح زنا کو، اگر وہ اجرت ادا کر کے کیا جائے، حلال قرار دیتی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن کثیر، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: ایک عورت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کریں۔ انھوں نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس

← ایک حدیث میں یہاں تک کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا، اس کو حسین کا درجہ حاصل ہوگا، جس نے دو مرتبہ متعہ کیا، اس کو حسن کا درجہ ملے گا، جس نے تین مرتبہ متعہ کیا، اس کا درجہ علی کے درجے جیسا ہوگا اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا تو اس کا رتبہ میرے رتبے جیسا ہوگا۔ (تفسیر منهج الصادقين، ص: ٣٥٦)

بلکہ انھوں نے بدکاری پر اُکسانے والا ہر دروازہ کھولا ہے۔ جو شخص ان کی اس موضوع پر روایات کا مطالعہ کرتا ہے، اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کو گھڑنے والے اباحیت پسند لوگ تھے، جو مسلمانوں کی عورتوں سے متعہ کرنا اور جنسی لذت اٹھانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو روایات وضع کیں، ان میں ایک یہ بھی ہے: ''جب آدمی کسی عورت سے نکاحِ متعہ کرتا ہے، تو وہ اس کے ساتھ جو بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، ابھی وہ اس کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے ... یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ جب وہ غسل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کے بالوں کے برابر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٤٢، من لا يحضره الفقيه: ٢/ ٥١)

انھوں نے یہ خیال آرائی بھی کی ہے کہ ایک عورت نکاح کے پیغام کو رد کر دیتی، کیوں کہ وہ نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی، لیکن اس نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے، جس طرح روایت کہتی ہے، اپنے چچا زاد کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کرنا چاہتی ہے۔ یعنی یہ عورت شرعی نکاح پر زنا کو ترجیح دے رہی ہے۔ (متعہ کے مزعوم ثواب کی تفصیل جاننے کے لیے ''وسائل الشيعة'' کے باب ''استحباب المتعة: ١٤/ ٤٤٢...) کا مطالعہ کریں۔

[1] تحرير الوسيلة (٢/ ٢٤١)

[2] الأشباه والنظائر (ص: ١٩١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (١٢٢٩) دیکھیں۔

سے پوچھا کہ تم نے کس طرح زنا کیا؟ اس نے کہا: میں ایک دیہات سے گزر رہی تھی کہ مجھے شدید پیاس لگ گئی، میں نے ایک دیہاتی سے پانی مانگا، تو اس نے کہا کہ اگر تم اپنا آپ میرے سپرد کر دو تو تب پانی دوں گا، وگرنہ نہیں۔ جب مجھے پیاس نے نڈھال کر دیا اور مجھے خدشہ ہوا کہ میں پیاس سے مر جاؤں گی، تو اس نے مجھے پانی پلایا، تو میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ امیر المومنین نے کہا: ''کعبہ کے رب کی قسم! یہ تو نکاح ہے۔''[1]

یہ لوگ اپنی اس اباحیت کو اپنی قوم تک ہی محدود نہیں رکھتے، بلکہ ان کا امام انھیں وصیت کرتا ہے کہ اہلِ سنت کی عورتوں[2] اور یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو بھی نکاحِ متعہ کی پیش کش کریں۔[3] چنانچہ ان کی اباحیت اور بے راہ روی بڑی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلا رہی ہے، جس معاشرے میں داخل ہوجاتی ہے، اس کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان رہ کر، اسلام کا نام لے کر زنا اور بدکاری کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ شیعہ کے اقوال ان کے آثار کے شاہد ہیں۔

---

[1] فروع الكافي (٢/ ٤٨) وسائل الشيعة (١٤/ ٤٧١۔ ٤٧٢)

[2] دیکھیں: وسائل الشيعة (١٤/ ٤٥٢) و فروع الكافي (٢/ ٤٤)

[3] دیکھیں: وسائل الشيعة (١٤/ ٤٥٢) تهذيب الأحكام (٢/ ١٨٨) من لا يحضره الفقيه (٢/ ١٤٨)

معاشی میدان

شیعیت کے معاشی میدان میں مسلمانوں کی زندگی پر مختلف صورتوں میں اثرات رہے ہیں۔ شیعہ سربرآوردہ شخصیات زمانہ قدیم ہی سے حقِ آلِ بیت کے جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کی بنا پر مسلمانوں کا مال لیتے رہے ہیں، ان اموال کو یہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول اور امت کے خلاف سازشیں بننے اور ریشہ دوانیاں کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

ایک خطرناک فیصلہ سماعت فرمائیں:

شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں:

''ابوالحسن جب فوت ہوا تو اس کے تمام نگرانوں کے پاس خطیر مال تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس کی موت کا انکار کیا اور اس پر توقف کیا۔ زیاد قندی کے پاس ۷۰ ہزار دینار تھے، علی بن حمزہ کے پاس تیس ہزار دینار تھے، ایک نگران کا نام عثمان بن عیسیٰ تھا، یہ مصر میں تھا، اس کے پاس بہت زیادہ مال اور چھے لونڈیاں تھیں۔ وہ کہتا ہے: اس کو ابوالحسن رضا نے ان کے اور مال کے بارے میں لکھا کہ وہ اس کو واپس کر دے، تو اس نے جواب دیا کہ تمھارا باپ فوت نہیں ہوا۔ اس نے اس کو لکھ کر بھیجا کہ میرا باپ فوت ہوگیا ہے، ہم نے اس کی وراثت تقسیم کر لی ہے اور اس کی موت کی خبر صحیح ہے، تو اس نے جواب دیا کہ اگر تمھارا باپ فوت نہیں ہوا تو تمھارے لیے کچھ نہیں اور اگر فوت ہوگیا ہے تو اس نے مجھے تجھے کچھ دینے کے لیے کچھ نہیں کہا۔ میں نے لونڈیوں کو آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی کر لی ہے۔''[1]

یہ اقتباس اثنا عشریہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ ہم اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں، جس کے لیے انھوں نے یہ روایت وضع کی (انھوں نے اپنے امام رضا کے قول سے توقف کا نظریہ غلط ثابت کرنے کے لیے یہ

[1] الإمامة: لعلي بن الحسين بن بابويه [والد الصدوق] (ص: ۷۵) نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ۴۹۳، رقم: ۹۴۶) (ص: ۵۹۸، رقم: ۱۱۲۰) بحار الأنوار (۴۸/ ۲۵۳) الطوسي: الغيبة (ص: ۴۳)

روایت بنائی) اور اس دوسرے پہلو کو لیتے ہیں، جو پردے کے پیچھے ان کے مال پر ٹوٹ پڑنے کی سرگرمیوں کو بیان کرتا ہے۔ یہ لوگ جو شہروں میں گھومتے اور ان میں سے ہر کوئی کسی امام کی طرف بلاتا، ان کا اصل مقصد زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنا ہوتا۔

وہ ائمہ کے نام پر ان خود ساختہ دعوتی سرگرمیوں کے ذریعے سے مال کے ڈھیر جمع کرتے، جن کو یہ خفیہ عناصر آپس میں تقسیم کر لیتے۔ امتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ظاہر ہونے والی بہت ساری شیعہ تحریکوں پر اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تحریکیں امت کو دشمنوں سے غافل کرنے کے قوی ترین عوامل میں سے ایک عامل تھیں اور ان تنظیموں کی مالی امداد کا ماخذ کم عقل پیروکاروں سے آلِ بیت کے نام پر لیا جانے والا ''خمس'' تھا۔

بلکہ عالمِ اسلام میں آج بھی شیعہ تحریکوں کی اسی مصدر اور سرچشمے سے مالی معاونت کی جاتی ہے۔ شیعہ کے ''آیات'' دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ داروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آیت اور مرجع کا منصب ہر ایک کا مطمحِ نظر ہوتا ہے، کیوں کہ یہ سونے اور چاندی کے خزانوں کا منصب ہے۔

یہ مالی امدادی پہلو ماضی میں بھی اور آج بھی چھاپہ خانوں کو غذا مہیا کرتا ہے، جو سالانہ ہزاروں ایسی منشورات، کتابچے، کتابیں اور مآخذ چھاپتے ہیں، جو امتِ اسلام اور دینِ اسلام کے خلاف مواد سے بھرے ہوتے ہیں، ان فریب خوردہ پیروکاروں کی طرف سے شیعہ مراجع اور آیات کے قدموں میں پیش کیا جانے والا مال شیعیت کے پھیلاؤ اور اس کے اثر ونفوذ کا باعث بنا ہے۔ یہ آیات اور مراجع عام آدمی کی خواہشات کو مدنظر رکھ کر اپنے فتوے جاری کرتے ہیں، بلکہ ان کی خاطر داری کے لیے حقیقت کو چھپا لیتے ہیں۔[1] تشیع کے شیوخ و علما نے خمس کے نام پر چھیننے والے مال کے معاملات پر غیر معمولی توجہ دی ہے، جو ان کا ایک درہم بھی روکنا جائز سمجھے اس کو کافروں کی صف میں داخل کر دیتے ہیں۔[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۶۸) دیکھیں۔

[2] وہ کہتے ہیں: جس نے اس سے ایک درہم یا اس سے بھی کم قیمت کسی چیز کو اس کے پاس پہنچانے سے روکا، وہ ان پر ظلم کرنے والوں (یعنی شیعہ کے خیال کے مطابق آلِ بیت پر ظلم کرنے والا) اور ان کا حق غصب کرنے والوں میں شامل ہوگا۔ بلکہ جس نے اس کو حلال سمجھا، وہ کافروں میں ہو جائے گا۔

ابوبصیر سے مروی روایت میں ہے: ''میں نے ابوجعفر سے کہا: وہ کیا معمولی سی چیز ہے، جس کے ساتھ آدمی جہنم میں داخل ہو جائے گا؟ انھوں نے جواب دیا: جس نے یتیم کے مال کا ایک درہم بھی کھایا اور ہم یتیم ہیں....'' (اليزدي: العروة الوثقى وبهامشها تعليقات مراجعهم في هذا العصر: ۲/ ۳۶۶) ڈاکٹر علی سالوس اس قانون پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر آج مسلمان چاہتے ہیں کہ جعفری ان کو کافر نہ کہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ جعفری علما کی خدمت میں پیش کر دیں!! (على السالوس: أثر الإمامة في الفقه الجعفري، ص: ۳۹٤، حاشيه)

اسلامی فقہ کے ذخیرہ کتب کا مطالعہ کرنے والا شخص ''خمس'' کے نام پر کوئی مستقل کتاب نہیں پائے گا، بلکہ مالِ غنیمت کے خمس (پانچواں حصہ) کے متعلق احادیث کتاب الجہاد میں ملاحظہ کرے گا اور مدفون خزانوں کے خمس کے متعلق کتاب الزکاۃ میں حدیث ملے گی۔ لیکن شیعہ کے نزدیک معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، ان کی کتابوں میں خمس کے لیے ایک مستقل فصل ہے، جس میں وہ اپنے پیروکاروں پر اپنے مالوں سے پانچواں حصہ نکالنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

''سال کے اخراجات سے بچ جانے والا تجارتی، صنعتی، زرعی، منافع، کرائے کی آمدنی، مختلف پیشوں کی آمدن جیسے: درزی کا کام، لکھنے کا کام، نجاری کا کام، شکار، جائز چیزیں جمع کرنے کا کام، حج، نماز، روزے جیسی عبادات کے ذریعے حاصل ہونے والی تنخواہ، ٹریولنگ اور بچوں کو تعلیم جیسے کام جن کی اجرت ملتی ہے، ان سب سے سالانہ پانچواں حصہ نکالنا ہے۔''[1]

وہ کہتے ہیں: ''زیادہ محتاط قول یہ ہے کہ یہ مطلق نفع کی چیز میں ثابت ہے، چاہے وہ نفع کما کر حاصل نہ ہو، جیسے: ہبہ، ہدیہ، انعام اور وصیت سے ملنے والا مال وغیرہ وغیرہ۔''[2]

اسی طرح انھوں نے اصل سرمائے اور ضروری مشنری جیسے، بڑھئی کے آلات، کپڑا بننے والی مشینیں، کھیتی باڑی کے آلات، وغیرہ سے بھی پہلے خمس نکال لینا زیادہ محتاط قرار دیا ہے۔[3]

بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے:

''جو چیز اس نے اپنی خوراک جیسے گندم اور جَو وغیرہ کے طور پر خریدی اور ذخیرہ کی، جس کا وجود ختم ہوجاتا ہے، اگر وہ سال مکمل ہونے پر زیادہ ہو تو اس سے بھی خمس نکالنا واجب ہے، اگر وہ بستروں، برتنوں، کپڑوں، غلام، گھوڑے، کتابوں اور ایسی چیزوں، جن کا وجود باقی رہتا ہے، کی ضرورت محسوس نہ کرے اور یہ فالتو ہوں تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے بھی خمس نکالا جائے۔''[4]

چاروں طرف سے آنے والے اس مال کا مصرف کیا ہوگا؟ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ غَیبت کے زمانے میں شیعہ فقیہ کو دیا جائے گا۔[5]

---

[1] العروة الوثقى (٢/ ٣٨٩)

[2] المصدر السابق.

[3] العروة الوثقى (٢/ ٣٩٤۔ ٣٩٥)

[4] المصدر السابق (ص: ٢/ ٣٩٥۔ ٣٩٦)

[5] دیکھیں: علی کاشف الغطا: النور الساطع "وجوب دفع الخمس للفقيه زمن الغيبة" (١/ ٤٣٩)

اب خمس نکالنے والے اسے اپنے فقہا کو دیں گے۔ شیعہ کے علما نے طے کیا ہے کہ خمس کے چھے حصے کیے جائیں، ایک اللہ کا حصہ، ایک نبی ﷺ کا حصہ، ایک امام کا حصہ، یہ تینوں اب صاحبِ زمان کے لیے ہوں گے[1] (یعنی ان کے مہدی منتظر کے لیے) جو غائب ہے اور اپنی پوشیدگی سے کبھی باہر نہیں آئے گا، کیوں کہ وہ اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ شیعہ فقیہ اس کے حصے کا مستحق ہوگا۔ امام کے خمس کا نصف حصہ، غیوبت کے زمانے میں اس کا معاملہ اس کے نائب کے سپرد ہوگا، جو شرائط پر پورا اترنے والا مجتہد ہے۔[2]

باقی تین حصے ''یتیموں، مسکینوں اور مسافروں'' کے لیے ہوں گے،[3] لیکن ان میں ایمان کی شرط کے ساتھ یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ روافض ہوں، کیوں کہ ایمان کا نام صرف ان کے لیے مخصوص ہے، جس طرح ان کا جھوٹا دعویٰ ہے۔ یہ دوسرا نصف حصہ جو انھوں نے ان تین اقسام پر خرچ کرنے کے لیے کہا ہے، اس میں بھی ان کے بقول احتیاط یہی ہے کہ یہ بھی مجتہد کو دے دیا جائے۔[4]

نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شیعہ کے علما کے تصرف میں دے دیا جائے گا، تاکہ وہ اس کو اپنی ذات اور ان مذکورہ تین اقسام پر خرچ کر لیں۔ کتاب ''النور الساطع'' میں مذکور ہے:

> ''فقیہ خمس کا آدھا حصہ اپنے لیے رکھے گا، باقی دوسرا نصف حصہ قدرِ کفایت تقسیم کر دے گا۔ اگر بچ گیا تو وہ اس کا ہوگا اور اگر کم ہوگیا تو وہ اپنے حصے سے اس کو پورا کرے گا۔''[5]

ڈاکٹر علی سالوس کہتے ہیں:

> ''ان دنوں جعفریہ کی عملی صورت حال یہ ہے کہ ان میں جو حج کرنا چاہتا ہے، وہ اپنے تمام اثاثہ جات کا تخمینہ لگاتا ہے، اس کے بعد اس کی قیمت کا خمس ان فقہا کی جھولی میں ڈال دیتا ہے، جنھوں نے اس خمس کے واجب ہونے اور جو اس کو نہ نکالے اس کے حج کی عدمِ قبولیت کا فتویٰ دیا ہے۔ ان فقہا نے باطل طریقے سے لوگوں کے مال حلال کر لیے ہیں۔''[6]

میں یہاں کہنا چاہوں گا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ آیات کی حکومت ہر سال اپنے حج کے کوٹے میں اضافے

---

[1] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٣) هداية العباد (ص: ١٧٨)

[2] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٥) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[3] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٣) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[4] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٥) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[5] النور الساطع (١/ ٤٣٩)

[6] أثر الإمامة في الفقه الجعفري (ص: ٣٩١)

کا مطالبہ کرتی ہے۔ خمس کے بارے میں یہ نظریہ شیعہ کے عقیدہ امامیہ کا ایک اثر ہے کہ مال سارے کا سارا امام کے لیے ہوگا۔ اس نظریے کو زمانہ قدیم کے زنادقہ نے وضع کیا اور آج تک اس پر عمل جاری ہے، حالاں کہ خمس کا مسئلہ ایک بدعت ہے، جو ان لوگوں کی ایجاد ہے۔ اس کا عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے زمانے حتی کہ امیر المومنین حضرت علی کے دور میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، جن کے یہ لوگ شیعہ ہونے کے دعوے دار ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضہ یہ جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کمائی کا پانچواں حصہ ان سے لے کر اس کو دے دیا جائے، جس کو یہ امام معصوم کا نائب سمجھتے ہیں، یا کسی دوسرے کو، اس قول کو صحابہ میں سے کسی نے بھی نہیں کہا، نہ حضرت علی اس کے قائل تھے نہ کوئی دوسرا، نہ تابعیوں میں سے کوئی اس کے قائل تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں ہی میں سے کوئی۔

اس سلسلے میں حضرت علی یا علمائے آلِ بیت جیسے حضرت حسن، حضرت حسین، ابوجعفر باقر اور جعفر بن محمد سے جو کچھ نقل کیا جاتا ہے، وہ سب ان پر جھوٹ ہے۔ یہ عمل حضرت علی کی سیرت کے بھی خلاف ہے، جو تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ وہ چار سال سے زیادہ عرصے تک خلیفہ رہے، آپ نے مسلمانوں کے اموال سے کچھ بھی نہیں لیا، بلکہ آپ کی ولایت وحکومت میں کبھی یہ تقسیم شدہ خمس نہیں رہا، مسلمانوں سے نہ حضرت علی نے خمس لیا نہ کسی دوسرے نے، لیکن کافروں سے جب مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو کتاب وسنت کے مطابق اس سے خمس نکالا جاتا، لیکن حضرت علی کے عہد میں مسلمان فتنہ اور اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے کافروں کے خلاف لڑائی کے لیے فارغ ہی نہ ہو سکے۔

اسی طرح یہ بات بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اموال سے کبھی خمس نہیں نکالا، نہ کبھی کسی مسلمان سے اس کے مال کے پانچویں حصے کا مطالبہ کیا...!''[1]

یہ اموال جو شیعہ علما اسلامی فریضے اور آلِ بیت کے حق کے نام پر لیتے ہیں، جو ہر علاقے سے سیلاب کی طرح ان کی طرف بہہ کر آ رہے ہیں، یہ آج تک اثنا عشریہ کی خرافت کی بقا کا سب سے بڑا عامل اور سبب ہیں اور شیعہ علما کے اپنے مذہب کے دفاع کے لیے جو جوش اور جذبہ پایا جاتا ہے، اس کا یہی محرک ہے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو ان کے مذہب پر اعتراض کرتا ہے، وہ حقیقت میں ان اموال کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے کی

---

[1] منهاج السنة (۳/ ۱۵٤)

کوشش کرتا ہے، جو ان کی طرف چل کر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر علی سالوس کہتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اگر یہ اموال نہ ہوتے تو آج جعفریہ اور تمام امتِ اسلام کے درمیان جو اختلاف کھڑا ہے، وہ اس حد تک نہ پہنچتا۔ شیعہ کے اکثر فقہا ان اموال کی حرص میں اس اختلاف کے شعلے کو بھڑکائے رکھتے ہیں۔''[1]

اقتصادی میدان میں شیعہ کے اثرات کے طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ جن شہروں میں ہوتے ہیں، وہاں کی اکثر کمپنیوں بزنس اور غذائی سپلائی پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی ضروریات اور غذا کو خود کنٹرول کریں۔ حالات حاضرہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔[2]

اس میدان میں شیعہ کی اثر اندازی کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ یہ شیعہ گروہ اسلامی ممالک اور ان کے باشندوں کے اقتصادی امور کو تباہ کرنے کے لیے تخریب کار تنظیمیں بھی تشکیل دیتے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک مسلمانوں کے مال کی کوئی حرمت نہیں، اس کو لینا جائز ہے اور اس میں ان کے ذہنوں میں کوئی شبہہ نہیں۔ بلکہ ان کی روایات ان کو اس کا حکم دیتی ہیں:

''ناصبی کا مال جہاں بھی ملے لے لو اور ہمیں خمس دو۔''[3]

ابوعبداللہ نے کہا۔جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں۔:

''ناصبی کا مال اور اسی کی ہر ملکیتی چیز حلال ہے۔''[4]

شیعہ کے علما نے ''ناصبی'' کے مفہوم کو بہت وسعت دے دی ہے، تاکہ یہ جعفریہ کے علاوہ سب کو شامل ہو جائے۔[5]

شیعہ فقہ کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے:

''جب مسلمان کافروں پر حملہ کریں اور ان کا مال بھی لے لیں تو زیادہ محتاط بلکہ زیادہ قوی یہی بات

---

[1] أثر الإمامة (ص: ٤٠٨)

[2] **دیکھیں:** وجاء دور المجوس (ص: ٣١٢۔ وما بعدها)

[3] الطوسي: تهذيب الأحكام (١/ ٣٨٤) ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٨٤) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٦/ ٣٤٠)

[4] الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ٤٨) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٦٠)

[5] انھوں نے اپنی روایات میں صراحت کی ہے کہ ہر وہ شخص ناصبی ہے، جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا ہے۔ (دیکھیں: السرائر، ص: ٤٧١، وسائل الشيعة: ٦/ ٣٤١۔ ٣٤٢، بشارة المصطفى، ص: ٥١، **نیز دیکھیں:** المحاسن النفسانية في أجوبة المسائل الخراسانية، المسألة السادسة، ص: ١٣٨ وما بعدها)

ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے، کیوں کہ وہ غنیمت ہے، چاہے یہ غیوبت کے زمانے ہی میں کیوں نہ ہو، اسی طرح جو مال وہ چوری کر کے یا دھوکے سے حاصل کرے۔ (اس کا بھی یہی حکم ہے)۔"[1]

"اگر وہ ان سے سود کے ساتھ یا باطل دعوے کے ساتھ مال لیں تو تب بھی قوی مذہب یہی ہے کہ اس کو بھی کمائے گئے منافع میں شامل کیا جائے اور سال کی ضروریات سے جو زیادہ ہو، اس کو اس میں شمار کیا جائے، اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا مطلقاً خمس نکالا جائے۔"[2]

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اثنا عشریہ کے نزدیک کافر کا مفہوم ان کے فرقے کے علاوہ اکثر بلکہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔[3] اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غارت گری، چوری اور دھوکے کے ذریعے سے مسلمانوں کے اموال پر قابض ہوجانا جائز سمجھتے ہیں اور وہ سود اور باطل دعوے کے ساتھ بھی لوگوں کا مال ہتھیانا حلال سمجھتے ہیں۔ ان کے تاریخی واقعات بھی اس کی ترجمانی کرتے ہیں اور آج آیات کی حکومت کے واقعاتی حالات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، جو خلیج میں قزاقی کارروائیاں کرتے ہیں، انھوں نے خلیج کی سمندری حدود میں جہاز رانی کی آزادی کو خطرے میں ڈال دیا ہے، وہاں انھوں نے بعض لانچوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو مالِ غنیمت تصور کیا، حالاں کہ وہ مسلمانوں کا مال تھا۔

یہ ان کے منفی اثرات تھے تو کیا امتِ اسلام کی تاریخ میں ان کے کوئی مثبت اثرات بھی ہیں؟

اس سوال کا علمی، دقیق اور تفصیلی جواب جاننے کے لیے ان کے حالات کا احاطہ کرنا، ان کے کردار کا جائزہ لینا اور ان کی تاریخ کی تفصیل جاننا از بس ضروری ہے۔ علماے اسلام نے ہمیں اس کی مشقت سے بچا لیا ہے، انھوں نے گواہی دی ہے کہ ائمہ فقہا میں سے، جن کی طرف سے رجوع کیا جاتا ہے، کوئی ایک بھی رافضی نہیں، جن بادشاہوں نے اسلام کی نصرت کی، اس کو قائم کیا اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کیا، ان میں کوئی ایک بھی رافضی نہیں اور نیک سیرت وزرا میں سے بھی کوئی رافضی نہیں۔

رافضہ کی اکثریت کو ہم منافق ملحدوں اور زندیقوں میں دیکھتے ہیں یا جاہلوں میں، جن کو منقولات اور معقولات کا کوئی علم نہیں۔ انھوں نے دیہاتوں اور پہاڑوں میں پرورش پائی، مسلمانوں سے علاحدہ رہے اور اہلِ علم و دین کی صحبت اختیار نہ کی، یا ہم ان کو خواہش پرستوں میں پاتے ہیں، جنھوں نے اس کے ذریعے سے مال اور ریاست حاصل کی، یا پھر اہلِ جاہلیت کی طرح وہ نسبی تعصب میں مبتلا ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں جو اہلِ علم

---

[1] اليزدي: العروة الوثقىٰ وبهامشه تعليقات مراجع الشيعة في العصر الحاضر (٢/ ٣٦٧۔ ٣٦٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٦٨) نیز دیکھیں: شریعت مداری: هداية العباد (ص: ١٦٨)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٧٦٤) دیکھیں۔

اور اہلِ دین ہیں، ان میں کوئی ایک بھی رافضی نہیں۔[1]

لیکن شیعہ کی تفسیر، حدیث اور فقہ میں بڑی بڑی کتابیں اور تصنیفات تو ہیں، کیا اس کو اسلامی فکر میں ایک قابلِ تعریف اضافہ خیال نہیں کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں مَیں یہ کہوں گا کہ ان مدونات اور ضخیم کتابوں پر جو انسان تامل کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ان میں جو اچھا ہے، وہ انھوں نے اہلِ سنت ہی کی کتابوں سے لیا ہے۔ ان میں سے جس نے تفسیرِ قرآن میں کوئی کتاب تصنیف کی، وہ اس کا مواد اہلِ سنت کی تفاسیر سے حاصل کرتا ہے۔[2] جب وہ اپنی قوم سے نقل کرتا ہے، تب وہ تہہ در تہہ اندھیرے لے کر آتا ہے، جس طرح تفسیر قمی اور برہان وغیرہما ہیں۔

''جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، تو اس کی سند اور متن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں، جس کتاب میں ان کو کوئی ایسی بات ملتی ہے، جو ان کی خواہش کی تسکین کرتی ہو، اس کو وہ حدیث کی معرفت کے بغیر (بلاتحقیق) لیتے ہیں۔''[3]

فقہ میں وہ تمام لوگوں سے پیچھے ہیں، ان کی کتابوں میں جو ''مفید علم'' ہے، وہ شیعہ کے علما کا نہیں، کیوں کہ اس پہلو میں وہ اہلِ سنت کے محتاج ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے انکشاف کیا ہے کہ وہ کس طریقے سے مسلم فقہا سے ''علمی مواد'' چراتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''جب ان میں سے کوئی اختلاف اور اصولِ فقہ کے موضوع پر کوئی کتاب لکھتا ہے، جیسے موسوی وغیرہ نے ایسی کاوش کی ہے، اگر وہ مسئلہ علما کے درمیان اختلافی ہو، تو وہ اس کی اس دلیل کو لیتے ہیں، جو ان کے موافق ہو، پھر انھوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہو، ان سے استدلال کرتے ہیں اور جو دلائل انھوں نے حریف کے خلاف دیے ہوں، یہ بھی وہی دلائل ان کے خلاف پیش کر دیتے ہیں، لیکن جاہل شخص یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس نے تو فقہ اور اختلاف میں ایک بہت بڑی کتاب لکھ دی ہے، حالاں کہ یہ جاہل یہ نہیں جانتا کہ اس کتاب کا عام مواد علمائے اہلِ سنت کے کلام سے چرایا گیا ہے، جن کو یہ کافر کہتے ہیں اور جن سے عداوت رکھتے ہیں۔ جو انھوں نے اکیلے کام کیا ہے، وہ اس سیاہی کے بھی برابر نہیں، کیوں کہ سیاہی فائدہ دیتی ہے، نقصان نہیں اور یہ نقصان رساں ہے، فائدہ بخش نہیں۔''[4]

---

[1] منهاج السنة (١/ ٢٢٣)

[2] منهاج السنة (٢/ ٢٤٦)

[3] المصدر السابق.

[4] المصدر السابق.

دوسری فصل

شیعہ کا حکم

اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث: بعض اہلِ علم کا حکم کہ یہ بدعتی ہیں، کافر نہیں۔

دوسری بحث: شیعہ کی تکفیر کا قول۔

پہلی بحث

یہ بدعتی ہیں، کافر نہیں

امام نووی[1] کہتے ہیں:

"محققین اور اکثریت کا اختیار کردہ اور صحیح موقف یہی ہے کہ خوارج کو بھی دیگر تمام بدعتیوں کی طرح کافر نہیں کہا جائے گا۔"[2]

ملا علی قاری اس اقتباس سے یہ سمجھتے ہیں کہ امام نووی روافض کی تکفیر کے قائل نہیں، کیوں کہ وہ بدعتیوں میں داخل ہیں، لیکن ملا علی قاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ رافضہ کا مذہب بدلتا رہتا ہے۔ متاخر رافضہ متقدمین کی طرح نہیں، ان کے زمانے کے جو رافضہ ہیں، وہ وہ نہیں جن کے بارے میں امام نووی نے خامہ فرسائی کی ہے، پھر وہ امام نووی کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں کہتا ہوں: یہ بات ہمارے زمانے میں نکلنے والے رافضہ کے بارے میں نہیں، کیوں کہ یہ لوگ تمام اہلِ سنت و الجماعت تو ایک طرف رہے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی کافر کہتے ہیں۔ یہ لوگ بالاجماع اور بلا اختلاف کافر ہیں۔"[3]

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امامیہ امام نووی کے زمانے میں یا تو صحابہ کو کافر نہیں کہتے تھے یا پھر امام نووی ان کے اس عملِ تکفیر سے ناواقف تھے اور یہی بات زیادہ درست لگتی ہے، کیوں کہ رافضہ کی بنیادی کتابوں میں، جو امام نووی سے پہلے وضع کی گئیں، ایسی روایات موجود ہیں، جو صحابہ کی تکفیر پر مشتمل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ "امامیہ صحابہ کو کافر نہیں کہتے۔ ان کی رائے کے مطابق تکفیر غالی شیعہ کا کام ہے۔"[4]

---

[1] یحییٰ بن شرف بن حسن بن حسین النووي، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ شافعی مذہب کے بہت بڑے عالم اور اپنے زمانے کے فقہا میں سے بلند رتبے کے حامل ہیں۔ یہ ۶۷۶ھ کو فوت ہوئے۔ (البداية والنهاية: ٣/ ٢٧٨۔ ٢٧٩)

[2] شرح النووي على صحيح مسلم (٢/ ٥٠)

[3] مرقاة المفاتيح (٩/ ١٣٧)

[4] دیکھیں: النووي: شرح صحيح مسلم (١٥/ ١٧٣)

دوسری بحث

شیعہ کی تکفیر کا موقف

امام مالک، احمد اور بخاری کی طرح کے کبار ائمہ اسلام کا یہی موقف ہے۔ ذیل میں اثنا عشریہ اور جعفریہ کے نام سے موسوم روافض کے بارے میں ائمہ اسلام اور علمائے مسلمین کے فتوے ذکر کیے جاتے ہیں۔[1] نیز شیعہ کے مشہور مقالات و نظریات کے متعلق، جو ان کی بنیادی کتابوں میں مذکور ہیں، علمائے اسلام کا موقف پیش کیا جاتا ہے۔

میں سب سے پہلے امام مالک کا فتویٰ ذکر کروں گا، اس کے بعد امام احمد کا، پھر امام بخاری، ان کے بعد باترتیبِ وفات کے مطابق باقی ائمہ کرام کے فتویٰ جات کا ذکر کروں گا۔ میں نے ائمہ کبار کے فتاویٰ اور شیعہ کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہنے والے علمائے کرام یا شیعہ کے بارے میں لکھنے والے اور شیعہ کے مذہب کی تحقیق کرنے والے علمائے کرام کے فتاویٰ کا انتخاب کیا ہے۔

① امام مالک رحمہ اللہ:

خلال نے ابوبکر مروذی سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا کہ انھوں نے کہا: ''مالک نے کہا: جو اصحابِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2] کو سب وشتم کرتا ہے، اس کا اسلام میں کوئی نام یا حصہ نہیں۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۷) دیکھیں۔

[2] گزشتہ صفحات (ص: ۷۶۶) سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ شیعہ صحابہ کرام پر لعنت کرنا دین اور شریعت قرار دیتے ہیں اور معدودے چند صحابہ کے علاوہ دیگر تمام صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں۔

[3] الخلال: السنة (۲/ ۵۵۷) اس کتاب کے محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے، جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے۔''

کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں: ایک روایت میں امام مالک نے اسی آیت سے روافض کی تکفیر کا حکم نکالا ہے، جو صحابہ کرام کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا:

''کیوں کہ وہ ان کو بھڑکاتے ہیں اور جس کو صحابہ نے بھڑکایا، وہ اس آیت کے موجب کافر ہے اور علما کے ایک گروہ نے ان کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے۔''[1]

امام قرطبی کہتے ہیں کہ امام مالک نے بڑی اچھی بات کہی ہے اور آیت کی صحیح تاویل کی ہے۔ جس نے کسی ایک صحابی کی بھی عیب جوئی کی یا اس کی روایت پر طعن کیا،[2] اس نے اللہ رب العزت کا رد کیا اور مسلمانوں کے احکام کو جھوٹا قرار دیا۔[3]

② امام احمد رحمہ اللہ:

ان سے روافض کی تکفیر کے متعلق کئی روایات مروی ہیں:

''خلال نے ابوبکر مروذی سے روایت کیا کہ میں نے ابوعبداللہ سے ان کے بارے میں پوچھا، جو حضرت ابوبکر، عمر اور عائشہ کو گالیاں دیتے ہیں، تو انھوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا۔''[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢١٩) نیز دیکھیں: روح المعاني للآلوسي (٢٦/ ١١٦) اس آیت سے یہ حکم استنباط کرنے کے سلسلے میں مزید دیکھیں: الصارم المسلول (ص: ٥٧٩)

[2] شیعہ مرجع کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام جیسے ابو ہریرہ، عمرو بن العاص، اور سمرۃ بن جندب کی روایات شیعہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ (ص: ٣٧٥)

[3] تفسیر القرطبي (١٦/ ٢٩٧)

[4] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٧) کتاب کے محقق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھیں: شرح السنة لابن بطة (ص: ١٦١) الصارم المسلول (ص: ٥٧١)

خلال نے کہا ہے: مجھے عبدالملک بن عبدالحمید نے بتایا، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سنا، انھوں نے کہا:

''جس نے گالی دی، مجھے اس پر روافض کی طرح کفر کا خدشہ ہے۔''

پھر کہا: ''جس نے صحابہ کرام کو گالی دی، بعید نہیں کہ وہ دین سے نکل چکا ہو۔''[1]

خلال نے کہا:

ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بتایا، اس نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا، جو کسی صحابہ کو گالی دیتا ہے، تو انھوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا۔''[2]

امام احمد کی کتاب ''السنة'' میں ان کا روافض کے متعلق یہ قول مذکور ہے:

''یہ لوگ اصحابِ محمد ﷺ پر تبرا کرتے ہیں، ان کو دشنام طرازی کرتے ہیں، ان میں کیڑے نکالتے ہیں اور علی، عمار، مقداد اور سلیمان کے سوا ائمہ کو کافر کہتے ہیں، رافضہ کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''[3]

اثنا عشریہ چند ایک صحابہ کے سوا جن کی تعداد انگلیوں کے بھی برابر نہیں، سب صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ یہ اپنی دعاؤں، زیارتوں، درگاہوں اور بڑی بڑی بنیادی کتابوں میں ان پر لعنت بھیجتے اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔[4]

امام ابن عبدالقوی کہتے ہیں:

''جو شخص صحابہ سے براءت کا اظہار کرتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتا اور ان پر وہ بہتان لگاتا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری قرار دیا ہے، تو امام احمد اس کو کافر کہتے ہیں اور وہ یہ آیت پڑھتے: ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ١٧] ''اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو۔''[5]

لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموعہ فتاویٰ میں امام احمد وغیرہ سے روافض کی تکفیر میں اختلاف نقل کیا ہے۔[6] امام احمد کی جو پہلے عبارتیں گزری ہیں، وہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام صاحب ان کی تکفیر

[1] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٨) اس کی سند بھی صحیح ہے۔

[2] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٨) نیز دیکھیں: مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي (ص: ٢١٤)

[3] السنة: للإمام أحمد (ص: ٨٢) تصحيح الشيخ إسماعيل الأنصارى.

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٢٦٧) دیکھیں۔

[5] ما يذهب إليه الإمام أحمد للإمام أبي محمد رزقا الله بن عبد القوي التميمي المتوفى ٤٨٠هـ (الورقة: ٢١)

[6] الفتاوىٰ (٣/ ٣٥٢)

کے قائل تھے۔ تاہم شیخ الاسلام نے، جو لوگ روافض کو صحابہ کرام کو سب وشتم کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے، ان کی اس انداز میں توجیہ کی ہے، جس سے امام احمد کے اقوال میں خیال کیا جانے والا تعارض رفع ہو جاتا ہے:

''لیکن جس نے ان (صحابہ) کے بارے میں اس طرح کی بد زبانی کی، جس کی وجہ سے ان کی دیانت داری یا دین داری پر کوئی حرف نہ آتا ہو، مثلاً: بعض صحابہ کو بخیل، بزدل، کم علم یا دنیا دار کہنا، اس طرح کی باتیں کرنے والا تعزیر اور تادیب کا سزا وار ہے، صرف اس کی وجہ سے ہم اس کو کافر نہیں کہہ سکتے، اہلِ علم میں جو ان کو کافر نہیں کہتا تو اس کے کلام کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔''[1]

اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو ان کے بارے میں ایسی بد زبانی کرتا ہے، جو ان کی دیانت، عدالت اور تدوین پر جرح کرتی ہو، اہلِ علم کے نزدیک اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، لیکن جو تمام صحابہ کو مرتد خیال کرتا ہے، اس کا پھر کیا حال ہوگا؟

③ امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ):

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں کسی جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا کسی یہودی اور عیسائی کے پیچھے (یعنی یہ چاروں برابر ہیں) ان کو سلام نہیں کہنا چاہیے، نہ ان کی عیادت کرنی چاہیے، نہ ان کے ساتھ نکاح کیا جائے، نہ ان کے جنازوں میں شرکت کی جائے اور نہ ان کے ذبیحے ہی کھائے جائیں۔''[2]

④ عبداللہ بن ادریس[3]:

وہ کہتے ہیں: ''رافضی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔''[4]

---

[1] الصارم المسلول (ص: ٥٨٦) قاضی ابو یعلی نے عدمِ تکفیر کی روایت کی ایک توجیہ کی ہے۔ دیکھیں: الصارم المسلول (ص: ٥٧١)

[2] الإمام البخاري: خلق أفعال العباد (ص: ١٢٥)

[3] عبداللّٰه بن إدريس بن يزيد بن عبدالرحمن الأودي: امام ابو حاتم کہتے ہیں: وہ حجت اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ امام احمد کے بقول وہ بے مثال ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ثقہ مامون، کثیر الحدیث، حجت، اہلِ سنت جماعت والے ہیں۔ یہ ۱۹۸ھ کو فوت ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ٥/ ١٤٤۔ ١٤٥، الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٥/ ٨۔٩) یہ کوفے کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ (الصارم المسلول، ص: ٥٧٠) یہ کوفہ روافض کی جائے پیدایش ہے، لہٰذا وہ رافضہ اور ان کے مذہب کو بہ خوبی جاننے والے ہیں، کیوں کہ گھر والا دوسروں سے زیادہ گھریلو اشیا کو جانتا ہے۔

[4] الصارم المسلول (ص: ٥٧٠) السيف المسلول على من سب الرسول: علي بن عبد الكافي السبكي، الورقة (٧١ أ مخطوط)

⑤ عبدالرحمٰن بن مہدی[1]:

امام بخاری نے کہا ہے:

''عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: یہ دونوں علاحدہ ملتیں ہیں، ایک جہمیہ اور دوسرے رافضہ۔''[2]

⑥ الفریابی[3]:

خلال نے روایت کیا ہے کہ مجھے حرب بن اسماعیل کرمانی نے بتایا، اس نے کہا: ہمیں موسیٰ بن ہارون بن زیاد نے بیان کیا، اس نے کہا: میں نے فریابی سے سنا کہ ایک آدمی ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھ رہا تھا، جس نے حضرت ابوبکر کو گالی دی، تو انھوں نے کہا: وہ کافر ہے، اس نے پوچھا: کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے، اس کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے؟ انھوں نے کہا کہ اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، اس کو لکڑی کے ساتھ اٹھاؤ اور گڑھے میں دفنا دو۔[4]

⑦ احمد بن یونس[5]:

انھوں نے کہا:

---

[1] الإمام الحافظ العلم عبد الرحمن بن مهدى بن حسان بن عبد الرحمن العنبري، البصري، (المتوفیٰ ۱۹۸ھ). (تهذيب التهذيب: ٦/ ۲۷۹۔ ۲۸۱)

[2] خلق أفعال العباد للبخاري (ص: ۱۲۵) نیز دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تیمیة (۳۵/ ٤١٥)

[3] محمد بن يوسف الفريابي: امام بخاری نے ان سے ۲٦ احادیث روایت کی ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے افضل ترین انسان تھے۔ یہ ۲۱۲ھ کو فوت ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ۹/ ٥٣٥)

[4] الخلال: السنة (۲/ ٥٦٦) کتاب کے محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ''موسیٰ بن ہارون بن زیاد'' ہے، جس کے متعلق مجھے علم نہیں ہوسکا۔ البتہ امام ابن تیمیہ نے ''الصارم المسلول'' (ص: ٥٧٠) میں حتمی طور پر اسے فریابی کی طرف منسوب کیا ہے۔

[5] أحمد بن عبدالله بن يونس. یہ اہلِ سنت کے امام اور کوفہ کے رہنے والے ہیں، جو رافضہ کا گڑھ اور جائے پیدایش ہے، لہٰذا یہ روافض اور ان کے مذہب سے خوب باخبر ہیں۔ امام احمد ایک شخص کو وصیت کرتے ہیں: احمد بن یونس سے جا کر علم حاصل کرو، کیوں کہ وہ ''شیخ الاسلام'' ہیں۔ کتبِ ستہ کے مولفین نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ''ثقہ'' اور ''متقن'' ہیں۔ نیز امام نسائی نے انھیں ''ثقہ'' اور امام ابن سعد نے ''ثقة صدوق و صاحب سنة و جماعة'' کہا ہے۔ حافظ ابن حجر ذکر کرتے ہیں کہ احمد بن یونس فرماتے ہیں: میں حماد بن زید کے پاس آیا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے کچھ فضائلِ عثمان رضی اللہ عنہ لکھوا دیں تو انھوں نے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا: ایک کوفہ کا رہنے والا فضائلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا خواستگار ہے!! پھر انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں صرف اس شرط پر تمھیں یہ فضائل لکھواؤں گا کہ تم بیٹھ کر لکھو اور میں تمھیں کھڑے ہو کر (بہ طورِ اکرام) لکھواتا ہوں۔ احمد بن یونس نے ۲۲۷ھ کو وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ۱/ ٥٠، تقريب التهذيب: ۱/ ۲۹)

''اگر کوئی یہودی ایک بکری ذبح کرے اور کوئی رافضی بھی ذبح کرے تو میں یہودی کا ذبیحہ کھالوں گا، لیکن رافضی کا ذبیحہ نہیں کھاؤں گا، کیوں کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے۔''[1]

⑧ ابو زرعہ رازی[2]:

انھوں نے کہا:

''اگر آپ کسی آدمی کو دیکھیں جو اصحابِ رسول ﷺ میں عیب نکال رہا ہے تو جان لیں وہ زندیق ہے، کیوں کہ اس کا قول قرآن اور سنت دونوں کی تردید پر منتج ہوگا۔''[3]

⑨ ابن قتیبہ[4]:

امام ابن قتیبہ کہتے ہیں:

''رافضہ کا حبِ علی میں غلو جس کے نتیجے میں وہ اس کو اس پر مقدم کرتے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ان سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) مقدم رکھا اور ان کا یہ دعویٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک ہے اور اس کی اولاد میں سے ائمہ کے لیے علمِ غیب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان تمام اقوال اور خفیہ امور نے جھوٹ اور کفر کے ساتھ جہالت اور بیوقوفی کو ایک ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔''[5]

⑩ عبدالقاہر بغدادی[6]:

یہ کہتے ہیں: ''جارودیہ، ہشامیہ، جہمیہ اور امامیہ میں سے خواہش پرست لوگ جنھوں نے بہترین

---

[1] الصارم المسلول (ص: ٥٧٠) ابو بکر بن ہانی نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔ (المصدر السابق) نیز دیکھیں: السیف المسلول علی من سب الرسول: علي بن عبد الكافي السبكي: الورقة (٧١ أ مخطوط)

[2] عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ، امام ابو زرعہ کبار حفاظِ حدیث اور ائمہ میں سے ہیں۔ انھیں ایک لاکھ حدیث یاد تھی اور کہا جاتا تھا کہ ہر وہ حدیث جسے ابو زرعہ نہیں پہچانتے، وہ حدیث بے بنیاد ہے۔ یہ ٢٦٤ھ کو فوت ہوئے۔

[3] دیکھیں: الكفاية (ص: ٤٩)

[4] ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری۔ بے مثال کتابوں کے مصنف ہیں، جو بڑے مفید علوم وفنون پر مشتمل ہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ٢٧٦ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: وفيات الأعيان: ٣/ ٤٢۔ ٤٤، تاريخ بغداد: ١٠/ ١٧٠۔ ١٧١، البداية والنهاية: ١١/ ٤٨)

[5] الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة (ص: ٤٧) مطبعة السعادة بمصر ١٣٤٩ھ

[6] عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی۔ اپنے زمانے میں ان کو ''صدر الإسلام'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ ١٧ فنون میں درس دیتے تھے۔ انھوں نے ٤٢٩ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: السبكي: طبقات الشافعية: ٥/ ١٤٥، القفطي: أبناء الرواة: ٢/ ١٨٥، ١٨٦، السيوطي: بغية الوعاة: ٢/ ١٠٥)

صحابہ کو کافر قرار دیا ...ہم ان کو کافر کہتے ہیں، ہمارے لیے نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے نہ ان کی نمازِ جنازہ ہی ادا کرنا روا ہے۔''[1]

نیز وہ کہتے ہیں: ''ان کی تکفیر واجب ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا (ظہورِ علم) کے قائل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس کے لیے کوئی نیا امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے، پھر اس کو منسوخ کرتا ہے تو منسوخ اس لیے کرتا ہے، کیوں کہ اس کو اس میں ''بدا'' ہوتا ہے۔ ہم نے کفر کی جس نوع کے بارے میں بھی سنا یا اس کو دیکھا، اس کی کسی نہ کسی فرع کو رافضہ کے مذہب میں ضرور پایا۔''[2]

⑪ قاضی ابو یعلیٰ[3]:

کہتے ہیں: ''رافضہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ صحابہ کو کافر کہیں یا اس معنی میں فاسق کہیں جو ان کے لیے جہنم کو واجب قرار دے، تو وہ کافر ہے۔''[4]

روافض کے بارے میں شیعہ کی کتابوں کے عام ہوجانے کے بعد یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اکثر صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔

⑫ ابن حزم:

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان کا (عیسائیوں کا) یہ کہنا کہ روافض قرآن میں تبدیلی کا دعویٰ کرتے ہیں، تو روافض تو مسلمان ہی نہیں،[5] بلکہ یہ ایک فرقہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد پیدا ہوا ... یہ فرقہ جھوٹ اور کفر میں یہود و نصاریٰ کے قائم مقام ہے۔''[6]

وہ کہتے ہیں: ''امامیہ کا قدیم اور جدید دور میں یہ موقف ہے کہ قرآن میں تبدیلی ہوئی ہے۔''[7]

---

[1] الفرق بين الفرق (ص: ٣٥٧)

[2] الملل والنحل (ص: ٥٢۔ ٥٣) تحقيق البير نصري نادر.

[3] محمد بن الحسین بن محمد بن خلف بن الفراء۔ اپنے زمانے کے اصول وفروع کے ممتاز عالم تھے۔ انھوں نے ۴۵۸ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: طبقات الحنابلة: ٢/ ١٠٣۔ ٢٣٠)

[4] المعتمد (ص: ٢٦٧)

[5] یعنی مسلمانوں اور قرآن کے خلاف ان کا قول حجت نہیں بن سکتا۔

[6] الفصل (٢/ ٢١٣)

[7] انھوں نے ان سے صرف تین کو مستثنیٰ کیا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پھر کہتے ہیں: ''یہ کہنا کہ کتابی صورت میں دو جلدوں کے درمیان جو قرآن ہے، اس میں تبدیلی ہوئی ہے، یہ صریح کفر اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے۔''[1]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اہلِ سنت معتزلہ، خوارج، مرجیہ اور زیدیہ، ان تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ہے، سب کو لینا واجب ہے اور ہمارے ہاں اسی کی تلاوت کی جاتی ہے، لیکن اس کی غالی رافضیوں کی ایک جماعت نے مخالفت کی ہے۔ یہ کافر ہیں اور اسی کی وجہ سے وہ تمام اہلِ اسلام کے نزدیک مشرک ہیں۔ ہمارا کلام ان کے ساتھ نہیں، بلکہ ہمارا کلام اپنے ہم مذہب کے ساتھ ہے۔''[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

''جان لو! رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بھی چھپایا ہے نہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی، چچا زاد بھائی، بیوی یا دوست یا ان جیسے کسی سب سے قریب اور مخصوص فرد کو شریعت کی کوئی ایسی چیز بتانے کے لیے مخصوص کیا، جو آپ ﷺ نے کسی کالے گورے، بکریوں کے چرواہے یا عام آدمی سے چھپائی ہو۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جو دعوت دی، اس کے سوا آپ ﷺ کے پاس کوئی راز تھا نہ رمز اور نہ کوئی باطن، اگر آپ نے ان سے کچھ چھپایا ہوتا تو آپ ﷺ رسالت کو اس طرح نہ پہنچانے والے ہوتے، جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا اور جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے ...۔''[3]

⑬ الاسفرائینی[4]:

انھوں نے ان کے جملہ عقائد جیسے وہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، قرآن میں تحریف اور کمی زیادتی کے قائل ہیں، مہدی کا انتظار کرتے ہیں، جو آکر ان کو شریعت کی تعلیم دے گا، نقل کرنے کے بعد کہا ہے: امامیہ کے تمام فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ ان عقائد پر متفق ہیں، اس کے بعد انھوں نے ان الفاظ میں ان پر حکم لگایا ہے:

''یہ فی الحال دین کی کسی چیز پر قائم نہیں، کفر کی اس نوع میں مزید اضافے کی کوئی گنجایش نہیں،

---

[1] الفصل (٥/ ٤٠)

[2] الإحكام في أصول الأحكام (١/ ٩٦)

[3] الفصل (٢/ ٢٧٤۔ ٢٧٥) جس عقیدے کے حامل کو امام ابن حزم کافر قرار دیتے ہیں، آج یہ اثنا عشری مذہب کا بنیادی عقیدہ بن چکا ہے اور اس مذہب کے سابقین اور معاصرین علما اسی نظریے کی تاکید کرتے ہیں۔ اسی کتاب کا صفحہ (۳۴۴) دیکھیں۔

[4] أبو المظفر شهفور بن طاهر بن محمد الإمام الأصول الفقيه المفسر. ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں "التفسير الكبير" اور "التبصير في الدين" شامل ہیں۔ یہ ۴۷۱ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: طبقات الشافعية: ٥/ ١١، الأعلام: ٣/ ٢٦٠)

کیوں کہ اس میں دین کی تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔‘‘[1]

⑭ ابو حامد غزالی[2]:

امام غزالی کہتے ہیں:

’’روافض نے اس مسئلے میں کم فہمی کی وجہ سے بدا کا ارتکاب کیا،[3] انھوں نے حضرت علی سے نقل کیا کہ وہ اس خدشے کے پیشِ نظر غیب کی خبر نہیں دیتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کو اس میں بدا ہو جائے اور وہ اس میں تبدیلی کر دے۔[4] انھوں نے جعفر بن محمد سے بیان کیا کہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کو جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بدا ہوا، کسی اور معاملے کے بارے میں اس طرح نہیں ہوا، یعنی ان کو ذبح کرنے کا حکم دینے کے متعلق یہ صریح کفر ہے[5] اور اللہ تعالیٰ کی طرف جماعت اور تبدیلی کی نسبت، نیز اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کے علم پر محیط ہونے کے مستحیل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔‘‘[6]

امام غزالی کہتے ہیں:

---

① التبصير في الدين (ص: ٢٤۔ ٢٥)

② محمد بن محمد بن احمد الغزالی۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: دنیا کے ذہین ترین انسان تھے، جو اپنے مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی متعدد فنون میں معروف کتب ہیں۔ ان کی ایک کتاب ’’فضائح الباطنية‘‘ ہے۔ انھوں نے ۵۰۵ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: البداية والنهاية: ١٢/ ١٧٣۔ ١٧٤، مرآة الجنان: ٣/ ١٧٧۔ ١٩٢)

③ جو شخص رافضیت کا مطالعہ کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کم فہمی نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا یقینی نظریہ ہے، جس کا سبب شیعہ کا اپنے ائمہ میں غلو کرنا ہے۔ امام غزالی کا یہ کلام آمدی کے کلام سے ملتا جلتا ہے وہ فرماتے فرماتے ہیں کہ رافضہ پر نسخ اور بدا میں فرق مخفی رہ گیا ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جو شخص رافضہ کی حالت سے آگاہ ہے، ان کے باطن کے فساد سے واقف ہے اور ان کے ظاہراً اسلام اور باطناً کفر کے عقیدے وزندیقیت سے آشنا ہے اور یہ جانتا ہے کہ انھوں نے اپنے اصول ومبادی یہود سے اخذ کیے ہیں اور اسلام کے خلاف چالبازیوں میں ان ہی کے طور طریقوں پر عمل پیرا ہیں تو وہ یہ امر پہچان لیتا ہے کہ ان کی اس افترا پردازی اور بہتان طرازی (بدا) کا سبب بدنیتی، حق اور اہلِ حق کے خلاف کینہ اور مذموم تعصب ہے، جس نے انھیں اس دھوکا دہی اور شرعی احکام اور اس بنیاد پر قائم حکومتوں کے خلاف سراً وظاہراً سازشیں تیار کرنے پر اُکسایا ہے۔ (الإحكام في أصول الأحكام: ٣/ ١٠٩۔ ١١٠، حاشيه)

④ یہ روایت مجلسی کے ہاں موجود ہے اور اس نے اسے ’’قرب الإسناد‘‘ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (بحار الأنوار: ٤/ ٩٧) ایک دوسری روایت میں شیعہ نے یہ قول علی بن حسین کی طرف منسوب کیا ہے۔ (دیکھیں: تفسير العياشي: ٢/ ٢١٥، بحار الأنوار: ٤/ ١١٨، البرهان: ٢/ ٢٩٩، تفسير الصافي: ٣/ ٧٥)

⑤ یہ روایت ’’كتاب التوحيد لابن بويه‘‘ (ص: ٣٣٦) میں دیکھیں۔

⑥ المستصفى (١/ ١١٠)

''اگر کوئی شخص کھلے لفظوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے کفر کا اظہار کرے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی، اور جو ان کی تعریف، ان کے ایمان کی صحت، ان کے یقین کی ثابت قدمی، ان کی تمام لوگوں پر افضلیت اور ان کو جنت کی بشارت کے متعلق بہت زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں، ان کی اس شخص نے نفی کی ہے۔''

پھر وہ کہتے ہیں:

''اس کے قائل کو اگر یہ تمام روایات پہنچی ہیں، اس کے باوجود وہ ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے، کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتا ہے اور جو شخص آپ کے اقوال میں سے کسی ایک لفظ کو بھی جھٹلاتا ہے، وہ بالاجماع کافر ہے۔''[1]

⑮ قاضی عیاض[2]:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''ہم غالی رافضہ کے اس قول کی وجہ سے کہ ''ائمہ انبیا سے افضل ہیں''[3] ان کی یقینی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت علی اور ان کے بعد والے امام رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک ہیں اور ہر امام نبوت اور حجت میں نبی کے قائم مقام ہیں، وہ بھی کافر ہے۔''

انھوں نے یہ بھی کہا ہے:

---

[1] فضائح الباطنية (ص: ١٤٩)

[2] عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون یحصبی۔ مغرب کے بڑے عالم اور اپنے وقت میں اہلِ حدیث کے امام تھے۔ وہ ۵۴۴ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: وفيات الأعيان: ٣/ ٤٨٣، والعبر للذهبي: ٢/ ٤٦٧، الضبي: بغية الملتمس، ص: ٤٣٧، النباهي: تاريخ قضاة الأندلس، ص: ١٠١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٦٥٩) دیکھیں۔ شیعہ معاصرین اس کفر کو اپنا بنیادی اور ضروری عقیدہ قرار دیتے ہیں اور ان کے ضروری عقیدے کا انکار کفر ہوتا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (١١٥١) دیکھیں۔

شیعہ عالم ممقانی کہتا ہے:

''ہمارے مذہب کا ضروری عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ -عليهم السلام- انبیائے بنی اسرائیل سے افضل ہیں، جیسا کہ متواتر روایات میں صراحت موجود ہیں۔ اہلِ بیت کی روایات کی ممارست کرنے والے کے نزدیک اس امر میں کوئی شبہہ نہیں کہ ائمہ علیہم السلام سے انبیائے بنی اسرائیل کی خوارق ظاہر ہوتے تھے، بلکہ ان سے کہیں زیادہ خرق عادت امور رونما ہوتے تھے، نیز انبیا اور سلف کے لیے علم کے ایک یا دو دروازے وا ہوتے تھے، جبکہ ائمہ علیہم السلام کے لیے عبادت و طاعت کی بنا پر، جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرح بنا دیتی ہے کہ جب وہ کسی شے کو کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہوجاتی ہے، تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔'' (تنقيح المقال: ٣/ ٢٣٢)

دیکھیں! شروع میں کس طرح وہ اپنے ائمہ کو انبیا پر فوقیت دیتا ہے اور بعد ازاں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرح بنا دیتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی زندیقیت و الحاد ہوسکتا ہے؟!

''یہ اکثر رافضہ کا مذہب ہے،''[1] اسی طرح جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ کی طرف وحی ہوتی ہے، اگر چہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔''[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اسی طرح جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا یا اس میں کسی چیز کو بدلا یا اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا، جس طرح باطنیہ اور اسماعیلیہ نے کیا ہے تو اس کو بھی ہم کافر کہتے ہیں۔''[3]

⑯ سمعانی (المتوفی: ۵۶۲ھ)[4]:

فرماتے ہیں:

''امامیہ کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے، کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ گمراہ ہوگئے تھے، نیز وہ ان کے اجماع کا انکار کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جو ان کی شان کے لائق نہیں۔''[5]

⑰ رازی[6]:

رازی ذکر کرتے ہیں کہ ان کے اصحاب اشاعرہ تین وجوہ کی بنا پر رافضہ کو کافر کہتے ہیں:

① انھوں نے مسلمانوں کے سادات اور سربرآوردہ شخصیات کو کافر قرار دیا اور جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے، وہ خود کافر ہوتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] شیعہ اثنا عشریہ کا دعویٰ ہے کہ امامت، نبوت سے زیادہ بڑا مقام ہے۔ (دیکھیں، ص: ۷۰۲) اور یہ کہ ائمہ تمام لوگوں پر رسولوں کی طرح حجت ہیں۔ (دیکھیں، ص: ۶۶۹)

[2] یہ بھی روافض کا نظریہ ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۹) دیکھیں۔

[3] یہاں ایک انتہائی اہم امر ملحوظِ خاطر رہے کہ بعض ائمہ دین تحریفِ قرآن کا نظریہ اسماعیلیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ یہ اثنا عشریہ کا قول ہے اور اسماعیلیہ کا یہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ وہ باطنی تاویل کی راہ پر چلتے ہیں۔

[4] الإمام الحافظ المحدث أبو سعد عبد الکریم بن محمد بن منصور التمیمي السمعاني. یہ کتاب ''الأنساب'' وغیرہ کے مولف ہیں۔ انھوں نے طلبِ علم میں کئی سفر کیے اور بہت سے علما سے سماع کیا، حتی کہ چار ہزار اساتذہ سے لکھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ ان کی متعدد تصانیف ہیں اور ان کی ایک کتاب ہے، جس میں انھوں نے ایک سو استاد سے ایک ہزار حدیث جمع کی ہے اور ان پر سنداً و متناً بحث کی ہے۔ یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔ یہ ۵۶۲ھ کو فوت ہوئے۔ (وفیات الأعیان: ۳/ ۲۰۹، البدایة والنھایة: ۱۲/ ۱۷۵)

[5] الأنساب (٦/ ٣٤١)

[6] محمد بن عمر بن الحسین المعروف بالفخر الرازي. یہ بہت بڑے مفسر، متکلم اور اصولی ہیں۔ ان کی تصانیف میں تفسیر کبیر اور محصول وغیرہ ہیں۔ ان کی طرف کچھ تشیع بھی منسوب ہے۔ یہ ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ (لسان المیزان: ٤/ ٤٢٦، السیوطي: طبقات المفسرین (ص: ١١٥) عیون الأنباء (ص: ٤١٤۔ ٤٢٧)

''جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا: او کافر! تو ان دونوں میں سے کوئی ایک تو ضرور اس کا بوجھ اٹھائے گا۔''[1] لہٰذا ان کی تکفیر واجب ہے۔

② انھوں نے ایسی جماعت کو کافر کہا، جن کی تعریف اور تعظیم رسول اللہ ﷺ نے واضح لفظوں میں کی ہے، لہٰذا ان کو کافر کہنا رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا ہے۔

③ امت کا اجماع ہے کہ جس نے صحابہ کے سادات اور معزز ترین افراد کو کافر کہا، وہ خود کافر ہے۔[2]

⑱ ابن تیمیہ:

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''جنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن سے آیات کم ہوئی ہیں یا انھیں چھپا لیا گیا ہے، یا یہ دعویٰ کیا کہ اس کی باطنی تاویلات ہیں، جو مشروع اعمال کو ساقط کر دیتی ہیں تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ چند اشخاص کے سوا تمام صحابہ رسول ﷺ کے بعد مرتد ہوگئے، یا ان کی اکثریت فاسق ہوگئی، تو ایسے شخص کے کافر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں، کیوں کہ وہ قرآنِ کریم کی اس آیت ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ان کی تعریف کے بارے میں قرآنی آیات کو جھٹلانے والا ہے۔

''بلکہ کون ہے جو ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرے؟ اس کا کفر تو متعین ہو چکا ہے، کیوں کہ ان کے اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کو نقل کرنے والے کافر یا فاسق ہیں اور یہ آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] ''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔'' جن میں بہترین قرنِ اول کے مسلمان تھا، ان کی اکثریت کافر یا فاسق تھی۔

''شیعہ کے نظریے کا موضوع یہ ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے بدتر ہے اور اس امت کے سابقہ پیروکار بدترین لوگ تھے۔ العیاذ باللہ۔ اس نظریے کے حامل شخص کا کافر ہونا دین کے ان امور میں داخل ہے، جن کا معلوم ہونا بداہتاً ہر کسی کو معلوم ہے۔''[3]

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''یہ عام بدعقیدہ لوگوں سے بدتر لوگ ہیں اور ان کے خلاف جنگ کرنا خوارج کے خلاف جنگ

---

[1] اس کی تخریج آگے آئے گی۔

[2] الرازي: نهاية العقول (الورقة: ٢١٢ أ مخطوط)

[3] الصارم المسلول (ص: ٥٨٦۔ ٥٨٧)

کرنے سے زیادہ اہم ہے۔''[1]

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ شریعت کے ساتھ بے شمار انداز سے کفر کیا، کبھی یہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کی تکذیب کرتے ہیں تو کبھی قرآن کریم کے معانی کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام کی تعریف کی اور ان پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا، جس کی حقیقت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں جمعے، جہاد اور اولی الامر کی فرمانبرداری کا حکم دیا، یہ اس سے خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں مومنوں کے ساتھ محبت، موالات اور ان کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیا، جس سے یہ لوگ خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے سے منع کیا، اس سے یہ لوگ خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے خون، اموال، عزتیں، ان کی غیبت اور ان پر طنز وتعریض حرام کی، یہ لوگ سب سے زیادہ ان کو حلال قرار دیتے ہیں۔

''اس نے اپنی کتاب میں اتفاق واتحاد کا درس دیا، اختلاف اور فرقے بندی سے منع کیا، لیکن یہ تمام لوگوں سے زیادہ اس حکم سے دور ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں رسول کی فرمانبرداری، محبت اور اتباع کا حکم دیا، جس کی یہ مخالفت کرتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حقوق بیان کیے، جن سے یہ لوگ بَری ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں اپنی توحید، خالص عبادت اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا، یہ اس کے مخالف ہیں۔ یہ مشرک ہیں، کیوں کہ یہ ان قبروں کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں، جن کو انھوں نے اللہ کے سوا بت بنایا ہوا ہے۔

''اس نے اپنی کتاب میں اپنے اسما وصفات کا ذکر کیا، یہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز کا خالق ہے، جو وہ چاہتا ہے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، نیکی کی استطاعت اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے، لیکن وہ ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں۔''

اس کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''جو کوئی اہلِ علم کی نسبت رکھنے والا یا کوئی دوسرا شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی جائز اور معقول تاویل کے ہوتے، حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کرنے والی باغیوں کی جماعت کے

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٢٨/ ٤٨٢)

خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے، تو ایسا انسان غلط ہے اور شریعتِ اسلام کے حقائق سے ناواقف ہے، کیوں کہ یہ لوگ بہ ذاتِ خود رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کی سنتوں ہی سے خارج ہیں، جو حروری خوارج کے خروج سے بڑا شر ہے، ان کے پاس کوئی جائز اور معقول تاویل نہیں۔''[1]

''جائز تاویل وہ ہوتی ہے، جس کا کوئی جواب نہ ہو اور آدمی اس پر برقرار ہے، جس طرح اجتہاد کے مواد کے متعلق اختلاف کرنے والے علما کی تاویل۔ جب کہ ان لوگوں کی یہ تاویل کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ نہیں، ان کی تاویل یہود و نصاریٰ کی تاویل کی قسم ہے اور ان کی تاویل خواہش پرستوں (اہلِ سنت) کی تاویل سے بھی بدتر تاویل ہے۔''[2]

شیخ الاسلام ان نظریات کے حامل افراد کی تکفیر کرتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک کسی مخصوص اور متعین شخص کی تکفیر اس پر حجت قائم کرنے اور اس تک حقیقت پہنچانے کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے آپ نے ان رافضہ کے متعلق جن کو گرفتار کیا گیا، درج ذیل فتویٰ دیا۔

رافضہ کو مغلوب کرنے کے بعد ان کے متعلق شیخ الاسلام کا فتویٰ:

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ سب کو معلوم ہے کہ شام کے ساحل پر ایک بہت بڑا پہاڑ تھا، جہاں ہزاروں رافضہ رہتے تھے، جو لوگوں کا خون بہاتے اور ان کا مال لوٹتے۔ انھوں نے ایک بھاری مقدار میں لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹے، جب غازان[3] کے عہد میں مسلمانوں کو شکست سے دو چار ہونا پڑا تو انھوں نے گھوڑے، اسلحہ، قیدی؛ سب کو پکڑا اور قبرص کے عیسائی کافروں کو بیچ دیا۔ جو لشکر اُن کے پاس سے گزرتا، اس کو پکڑ لیتے۔ یہ مسلمانوں کے لیے تمام دشمنوں سے زیادہ ضرر رساں تھے، ان کے ایک سردار نے تو عیسائیت کے جھنڈے تک لہرا دیے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: مسلمان بہتر ہیں یا عیسائی؟ اس نے کہا: عیسائی۔ انھوں نے پوچھا: قیامت کے دن تم کس کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے؟ اس نے کہا: عیسائیوں کے ساتھ۔ انھوں نے مسلمانوں کے بعض علاقے تک ان کو دے دیے۔ اس کے باوجود جب ایک مسلمان حاکم نے ان کے خلاف جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور میں نے

[1] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۸/ ٤٨٤۔ ٤٨٥)

[2] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۸/ ٤٨٦)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۴۲) دیکھیں۔

ان سے قتال کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ لکھا۔[1] ....ہم ان کے علاقے میں گئے تو میرے پاس ان کی ایک جماعت آئی، پھر میرے اور ان کے درمیان مناظرے اور مذاکرات ہوئے، جن کی تفصیل لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ جب مسلمانوں نے ان کے علاقے فتح کر لیے اور مسلمان ان پر غالب آ گئے تو میں نے مسلمانوں کو انھیں قتل کرنے اور انھیں جنگی قیدی بنانے سے منع کر دیا اور انھیں مسلمانوں کے علاقوں میں منتشر کر دیا، تا کہ وہ اکٹھے نہ ہوسکیں۔''[2]

دیکھیے! یہ اپنے وقت کے امام اہلِ سنت کا فتویٰ ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ سنت اس حق کی اتباع کرتے ہیں، جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا۔ وہ ہر ایک مخالف کو کافر نہیں کہتے، بلکہ وہ حق کو زیادہ جاننے والے اور مخلوق کے ساتھ زیادہ رحم کرنے والے ہیں، خواہش پرستوں کے بالکل برعکس جو خود ایک رائے کو ایجاد کر لیتے ہیں اور جو ان کی اس میں مخالفت کرے، اس کو کافر قرار دے دیتے ہیں۔[3]

⑲ ابن کثیر[4]:

امام ابن کثیر نے وہ بعض صحیح احادیث نقل کیں، جو نص اور وصیتِ علی کے دعوے کی نفی کرتی ہیں، اس کے بعد ان الفاظ میں ان پر تبصرہ کیا:

''اگر معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، تو کوئی صحابی بھی اس کی تردید نہ کرتا، کیوں کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار تھے۔ لہٰذا وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ پر افترا پردازی کرتے، حضرت علی کو محروم کر دیتے اور دوسرے کو ان پر مقدم کر دیتے، جس کو وصیت نے مقدم کیا تھا، اس کو موخر کر دیتے۔ حاشا وکلا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جو صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے، وہ ان تمام کو نافرمانی، رسول کی مخالفت اور آپ کے حکم اور وصیت کی روگردانی کی طرف منسوب کرتا ہے اور جو شخص اس حد تک پہنچ جائے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور ائمہ اعلام

---

① شاید وہ یہ فتویٰ ہے: الفتاویٰ (۲۸/ ۳۹۸)

② منهاج السنة (۳/ ۳۹)

③ المصدر السابق.

④ أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير الإمام المحدث المفتي المؤرخ. جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ان کی بڑی مفید تصانید ہیں، جن میں ایک تفسیرِ قرآن ہے، جو سب سے اچھی نہیں تو بہترین تفاسیر میں سے ہے۔ وہ ۷۷۴ھ کو فوت ہوئے۔ (ابن حجر: الدرر الكامنة: ۱/ ۳۷۲۔ ۳۷٤، الشوكاني: البدر الطالع: ۱/ ۱۵۳)

کے اجماع کے ساتھ کافر ہوجاتا ہے، اس کا خون بہانا شراب بہانے سے زیادہ حلال ہے۔''[1]

رافضہ کے بارے میں یہ ثابت ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت علی کے متعلق وصیت کی تھی، صحابہ نے اس نص سے روگردانی کی اور اس کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ معاصر رافضہ اور ان کے بزرگ یہی کہتے ہیں۔[2]

(۲۰) ابو حامد المقدسی[3] :

وہ شیعہ کے فرقوں اور ان کے عقائد کے بارے میں گفتگو کے بعد کہتے ہیں:

''ہر صاحبِ بصیرت اور سمجھ دار مسلمان پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس سے پہلے باب میں ہم نے اس رافضی فرقے کی مختلف اصناف کے ساتھ جن عقائد کا ذکر کیا ہے، وہ صریح کفر اور بدتر جہالت کے ساتھ عناد بھی ہے، ان سے واقف ہوجانے کے بعد کوئی شخص بھی ان کے کافر ہونے اور ان پر دینِ اسلام سے خارج ہونے کا حکم لگانے میں دیر نہیں لگائے گا۔''[4]

(۲۱) ابو المحاسن یوسف الواسطی[5] :

انھوں نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد ذکر کیے اور ان کے ضمن میں کہا:

''یہ لوگ صحابہ کی تکفیر کی وجہ سے کافر ہیں، جن کی عدالت، دیانت داری اور تزکیہ قرآن کریم میں ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرة: ١٤٣] ''تا کہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔''

اللہ تعالیٰ کی ان کے بارے میں گواہی ہے کہ یہ کافر نہیں ہوئے تھے:

﴿ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ [الأنعام: ٨٩]

''پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں، جو کسی

---

(1) البداية والنهاية (٥/ ٢٥٢)

(2) اسی کتاب کا صفحہ (٦٦٧ و١١٣٤) دیکھیں۔

(3) محمد بن خليل بن يوسف الرملي المقدسي. یہ بہت بڑے شافعی فقیہ ہیں۔ انھوں نے ٨٨٨ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: السخاوي: الضوء اللامع: ٧/ ٢٣٤، الشوكاني: البدر الطالع: ٢/ ١٦٩)

(4) رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٠٠)

(5) يوسف الجحال أبو المحاسن الواسطي. یہ نویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ (دیکھیں: السخاوي: الضوء اللامع: ١٠/ ٣٣٨ _ ٣٣٩)

صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں۔‘‘

’’یہ لوگ قبرِ حسین کی زیارت کو حج کا بدل قرار دے کر حج سے مستغنی ہوجانے کی وجہ سے بھی کافر ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ یہ کفار کے خلاف جہاد ترک کرنے کی وجہ سے بھی کافر ہیں، جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ صرف معصوم امام کی معیت میں جائز ہے، جو غائب ہے۔‘‘[1]

’’یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ادا کردہ ان متواتر سنتوں، جیسے: جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا، نفلی نمازوں، فرضی نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں اور ان کے علاوہ دیگر موکدہ سنتوں میں عیب جوئی کی وجہ سے بھی کافر ہیں۔‘‘[2]

۴۲ علی بن سلطان بن محمد القاری[3]:

کہتے ہیں:

’’جس نے کسی ایک صحابی کو بھی گالی دی، وہ فاسق اور بالاجماع بدعتی ہے، لیکن اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ ان کو گالی دینا جائز ہے، جس طرح بعض شیعہ کا مذہب ہے، یا ان کو گالی دینا موجبِ ثواب ہے یا وہ صحابہ اور اہلِ سنت کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔‘‘[4]

اس کے بعد انھوں نے صحابہ کی مدح سرائی میں قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے اور ان سے یہ نتیجہ کیا کہ روافض صحابہ کے بارے میں اپنا مذہب رکھنے کی وجہ سے کافر ہیں۔[5] اس کے بعد انھوں نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد کا تذکرہ کیا کہ وہ کتاب اللہ میں کمی اور تبدیلی کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان کے بعض اقوال بھی درج کیے ہیں۔[6]

---

[1] المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٦٦ مخطوط)

[2] المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٦٧ مخطوط)

[3] علی بن سلطان الهروي المعروف بالقاري الحنفي. یہ سربرآوردہ علما میں سے ہیں اور ان کی بڑی مفید تالیفات ہیں، جن میں سے ایک ”مشكاة المصابيح“ کی شرح ہے۔ یہ ان کی سب سے بڑی ہے، اسی طرح انھوں نے شفا اور نخبہ کی بھی شرح لکھی ہے۔ یہ ۱۰۱۴ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: خلاصة الأثر: ٣/ ١٨٥۔ ١٨٦، البدر الطالع: ١/ ٤٤٥۔ ٤٤٦)

[4] شم العوارض في ذم الروافض (الورقة: ٦ أ مخطوط)

[5] دیکھیں: المصدر السابق (الورقة: ٢٥٢۔ ٢٥٤)

[6] المصدر السابق (الورقة: ٢٥٩ أ)

۲۳ محمد بن عبدالوہاب[1]:

امام محمد بن عبدالوہاب نے اثنا عشریہ کے جملہ عقائد پر یہ حکم لگایا ہے کہ وہ کفر ہیں۔ انھوں نے اثنا عشریہ کا صحابہ پر تبرا بازی کا عقیدہ ذکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قرآن میں ان کی ثنا خوانی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا ہے:

''جب آپ نے یہ جان لیا کہ ان کی فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات بے شمار ہیں اور متواتر احادیث ان کے کمال پر نص ہیں تو جس نے ان کے فاسق ہونے یا ان کے ایک گروہ کے فاسق ہونے، ان کے مرتد ہونے یا ان کی اکثریت کے مرتد ہونے کا عقیدہ رکھا یا ان کو گالی دینے کے جواز کا عقیدہ رکھا، یا اس اعتقاد کے ساتھ ان کو گالی دی کہ وہ اس کا حق رکھتے ہیں، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

''متواتر اور قطعی طور پر ثابت شدہ بات کا علم نہ ہونے کا عذر غیر مقبول ہے، اس کی تاویل کرنا اور کسی معتبر دلیل کے بغیر اس کے معنی کو حقیقی مفہوم سے پھیرنا غیر مفید ہے، مثلاً کوئی شخص اس بنا پر پانچ فرض نمازوں کا انکار کرتا ہے کہ اس کو ان کی فرضیت کا علم نہیں، تو وہ اس لاعلمی اور جہالت کی بنا پر کافر ہوجاتا ہے، اس طرح اگر وہ ان کی کوئی ایسی تاویل کرتا ہے، جو ان کے معروف معنی کے خلاف ہے، تو پھر بھی وہ کافر ہوجاتا ہے، کیوں کہ قرآنی نصوص اور احادیثِ رسول کے ذریعے ان کی فضیلت کے بارے میں حاصل ہونے والا علم قطعی ہے، جو بعض کو بدزبانی کے لیے مخصوص کرتا ہے، اگر وہ ان میں سے جن کی فضیلت اور کمال تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جس طرح خلفا، اگر وہ ان کو گالی دینے کے حلال ہونے یا استحقاق کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والی بات کی تکذیب کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کی تکذیب کرنے والا کافر ہے، اگر وہ ان کو گالی تو دیتا ہے، لیکن ان کو گالی دینے کے جواز اور برحق ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا تو ایسا شخص فاسق ہے، کیوں کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

[1] محمد بن عبد الوهاب بن سليمان بن أحمد التميمي النجدي. بارھویں صدی ہجری میں جزیرۂ عرب میں اسلام کی تجدید کرنے والے امام تھے۔ ان کی توحید خالص اور ترکِ بدعات کی دعوت وہ بیداری کی پہلی چنگاری تھی، جس نے ان کا تذکرہ تمام عالمِ اسلام میں پھیلا دیا، حتی کہ ہند، مصر، عراق اور شام وغیرہ میں اصلاح پسند افراد نے ان کا گہرا اثر لیا۔ یہ ۱۲۰۶ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: عبد العزيز بن باز: الشيخ محمد بن عبد الوهاب دعوته وسيرته، و مسعود عالم الندوي: محمد بن عبد الوهاب مصلح مظلوم و مفترى عليه، وبهجة الأثري: محمد بن عبد الوهاب داعية التوحيد والتجديد في العصر الحديث وغيرها، نیز دیکھیں: أحمد أمين: زعماء الإصلاح، ص: ۱۰، مجلة الزهراء: ۳/ ۸۲۔ ۹۸)

''بعض علما نے شیخین کو مطلق گالی دینے والے کو کافر کہا ہے۔ اگر جس صحابی کو وہ گالی دیتا ہے، وہ ان میں سے نہیں، جس کی فضیلت و کمال تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کو گالی دینے والا فاسق ہے، لیکن اگر وہ اس کو اعتبار سے گالی دے کہ وہ نبی کا صحابی ہو تو یہ کفر ہے۔

''ان روافض کی اکثریت جو صحابہ کے بارے میں دشنام طرازی کرتے ہیں، یہ ان کو گالی حق یا جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں، کیوں کہ اس بد زبانی کے ذریعے سے وہ (بزعم خویش) اللہ کا قرب حاصل کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دین کا ایک اہم معاملہ ہے۔''[1]

اس کے بعد کہتے ہیں:

''علما سے جو یہ صحیح منقول ہے کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا تو یہ قاعدہ اس پر صادق آتا ہے، جس کی بدعت کفریہ نہ ہو،... یقیناً رسول اللہ ﷺ سے جو ثابت ہے، بلاشبہہ اس کی تکذیب کفر ہے اور اس جیسے معاملے میں جہالت کوئی عذر نہیں۔''[2]

وہ ان کی کتابوں میں قرآن کریم میں کمی اور تبدیلی کے دعوے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس سے صحابہ حتی کہ حضرت علی کی بھی تکفیر لازم آتی ہے، کیوں کہ وہ اس عمل پر راضی تھے اور ان آیات کی تکذیب بھی ہوتی ہے، جس میں مذکور ہے:

﴿لاَ يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

[فصلت/ حم السجدة: ٤٢]

''باطل اس کے آگے اور نہ اس کے پیچھے سے لگ آتا ہے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

---

[1] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٨۔ ١٩) بلکہ یہ لوگ گالیوں کے تکفیر کی حد تک تجاوز کر چکے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا اعتقاد رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھیں گے نہ اس سے کلام کریں گے اور ایسے شخص کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (٣٧٧) دیکھیں۔ دن بہ دن صحابہ کرام کے متعلق ان کی طعن و تشنیع بڑھتی جاتی ہے، حتی کہ آج کل یہ غلو اپنی آخری حدوں کو چھو چکا ہے۔

[2] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٠)

جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ قرآن ساقط ہونے سے محفوظ نہیں اور جو اس سے ساقط ہوا ہے، وہ اس کا حصہ تھا، تو وہ کافر ہے۔"[1]

شیخ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"جس نے اللہ اور اپنے درمیان کسی کو وسیلہ بنایا، وہ رافضہ کی طرح ہے، جو اپنے ائمہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ جو اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان وسیلے مقرر کرتا ہے، پھر انھیں پکارتا ہے، ان سے شفاعت طلب کرتا ہے اور ان پر بھروسا کرتا ہے، وہ بالاجماع کافر ہے۔"[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

"جس نے ائمہ کو انبیا پر فضیلت دی، وہ بالاجماع کافر ہے، یہ بات کئی ایک اہلِ علم نے نقل کی ہے۔"[3]

۲۴ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ[4]:

وہ اثناعشریہ کے معتبر مصادر و مراجع کی روشنی میں اس مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"جو ان کے خبیث عقائد اور جن پر وہ مشتمل ہیں، ان تمام امور کی حقیقت تلاش کرتا ہے، وہ یہ جان لیتا ہے کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے نزدیک ان کا کفر ثابت ہو جاتا ہے۔"[5]

۲۵ محمد بن علی شوکانی[6]:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ روافض کی دعوت کی بنیاد دین کے خلاف ریشہ دوانی اور مسلمانوں کی شریعت کی مخالفت پر مبنی ہے۔ علماے اسلام اور دین کے سلاطین پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کو کس طرح اس انتہائی زیادہ قبیح، منکر اور برائی پر چھوڑ دیا ہے! یہ ذلیل لوگ جب اس شریعت مطہرہ کی مخالفت اور تردید کرنا

---

[1] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٤ـ ١٥)

[2] رسالة نواقض الإسلام (ص: ٢٨٣) ضمن الجامع الفريد، ط: الجميح.

[3] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٩) نیز اسی کتاب کا صفحہ (٦٥٩) دیکھیں۔

[4] عبد العزيز بن أحمد (الشاه ولي الله) بن عبد الرحيم العمري الفاروقي الملقب سراج الهند. علامہ محبّ الدین خطیب فرماتے ہیں: ہند میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور شیعہ کی کتب میں انھیں تبحر حاصل تھا۔ وہ ۱۲۳۹ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: الأعلام: ٤/ ١٣٨، مقدمة مختصر التحفة الأثنىٰ عشرية لمحب الدين الخطيب، ص: يب)

[5] مختصر التحفة الإثنىٰ عشرية (ص: ٣٠٠)

[6] امام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی. یمن کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی کتابوں میں "فتح القدير" اور نيل الأوطار" وغیرہ مفید تالیفات شامل ہیں۔ یہ ۱۲۵۰ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: في ترجمته البدر الطالع: ٢/ ٢١٤ـ ٢٢٥)

چاہتے ہیں تو اس دین کے حاملین (صحابہ کرام) کی عزتوں کو نشانہ بناتے ہیں کہ جن کی راہ کے بغیر دین تک پہنچنے کے لیے ہمارے پاس کوئی راہ نہیں۔

انھوں نے اس شیطانی ذریعے اور ملعون وسیلے کی وساطت سے کم عقلوں کو ورغلا لیا، جو تمام مخلوق کی بہترین ہستیوں کو علی الاعلان دشنام طرازی کا نشانہ بناتے ہیں، شریعت کے خلاف اپنے دلوں میں بغض رکھتے ہیں اور لوگوں کو احکامِ شریعت سے بے زار کرتے ہیں اور ان کو غیر فعال کرتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں اس سے بدترین کوئی وسیلہ نہیں، یہ سب سے قبیح وسیلہ ہے، کیوں کہ اس میں اللہ، اس کے رسول اور اس کی شریعت کے خلاف عناد چھپا ہوا ہے۔ یہ جس روش پر قائم ہیں، اس کے نتیجے میں یہ چار کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں، جن میں ہر ایک کھلم کھلا کفر ہے:

1. اللہ کے ساتھ عناد۔
2. اللہ کے رسول کے ساتھ عناد۔
3. شریعت مطہرہ کے ساتھ عناد اور اس کو غیر فعال بنانے کی کوشش۔
4. صحابہ کی تکفیر (رضی اللہ عنہم) جن کی کتاب اللہ میں یہ صفت ذکر ہوئی ہے کہ وہ کفار پر بڑے سخت ہیں، کفار اُن کو دیکھ کر غضب ناک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

حالاں کہ شریعت مطہرہ میں ثابت ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا، وہ خود کافر ہے، جس طرح صحیحین میں حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب آدمی اپنے بھائی سے کہتا ہے: اے کافر! تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی یا تو وہ کافر ہوگا، جس طرح اس نے کہا اور اگر نہیں تو پھر یہ کفر اس (کہنے والے) کی طرف لوٹ آئے گا۔''[1]

اس سے ثابت ہوا کہ ہر خبیث رافضی کسی ایک صحابی کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہو جاتا ہے، تو جو سب کو کافر قرار دے اور کم عقلوں کی عقلوں پر پردہ ڈالنے کے لیے محض چند ایک کو مستثنیٰ قرار دے، اس کا کیا حال ہوگا؟![2]

[1] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه من غير تأويل فهو كما قال (٧/ ٩٧) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر! (١/ ٧٩) سنن أبي داود، كتاب السنة، باب زيادة الإيمان ونقصانه (٥/ ٦٤) رقم الحديث (٣٦٨٧) سنن الترمذي: كتاب الإيمان، باب ما جاء فيمن رمى أخاه بكفر (٥/ ٢٢) رقم الحديث (٢٦٣٧) موطأ الإمام مالك: كتاب الكلام، باب ما يكره من الكلام (ص: ٩٨٤) مسند أحمد (٢/ ١٨، ٢٣، ٤٤، ٤٧) الطيالسي (ص: ٢٥٢) رقم الحديث (١٨٤٢)

[2] الشوكاني: نثر الجوهر على حديث أبي ذر (الورقة: ١٥- ١٦ مخطوط)

سلطنتِ عثمانیہ کے علما و شیوخ:

زین العابدین بن یوسف الاسکوبی نے عثمانی سلطان محمد خاں بن سلطان ابراہیم خاں کے عہد میں ایک رسالہ لکھا، جس میں اس نے نقل کیا: ''سلطنتِ عثمانیہ کے تمام متاخر علما نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔''[1]

ما وراء النہر کے علما[2]:

تفسیر ''روح المعاني'' کے مولف علامہ آلوسی کہتے ہیں:

''علمائے ما وراء النہر کی اکثریت اثنا عشریہ کے کافر ہونے کی قائل ہے، انھوں نے ان کے خون، اموال اور عورتیں حلال قرار دی ہیں، کیوں کہ وہ صحابہ کرام بالخصوص شیخین (ابوبکر و عمر) کو سب وشتم کرتے ہیں، جو آپ ﷺ کی آنکھ اور کان تھے، وہ صدیق (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ پر وہ بہتان لگاتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری قرار دیا ہے، وہ حضرت علی کو اولوالعزم نبیوں کے سوا ان تمام پر ترجیح دیتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض ان کو ان پر بھی ترجیح دیتے ہیں اور یہ لوگ قرآن کریم کے کمی و زیادتی سے محفوظ رہنے کا بھی انکار کرتے ہیں۔''[3]

یہ اس مسئلے کے متعلق بعض ائمہ مسلمین اور علمائے مسلمین کے فتوے ہیں، میں اسی قدر فتاویٰ پر اکتفا کرتا ہوں۔ فقہ کی کتابوں میں ان کی تکفیر کے متعلق بے بہا اقوال موجود ہیں، جن کی طرف بڑی آسانی سے رجوع کیا جا سکتا ہے، اس لیے ان کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔[4]

---

1. الأسكوبي: الرد على الشيعة (الورقة: ٥ ب)
2. اس سے مراد خراسان کے علاقے جیحون کی نہر کے پیچھے والے لوگ ہیں۔ اس کی مشرقی طرف والے علاقوں کو ''بلاد الهياطلة'' کہتے ہیں اور اسلام میں ان کا نام ''ما وراء النهر'' رکھا گیا ہے۔ اس کی مغربی جانب تو خراسان اور خوارزم کا صوبہ ہے۔ (معجم البلدان: ٥/ ٤٥)
3. نهج السلامة (ص: ٢٩۔ ٣٠ مخطوط)
4. مثلاً دیکھیں: العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية لابن عابدين. اس میں مولف نے شیخ نوح حنفی کا فتویٰ ذکر کیا ہے، جنھوں نے رافضہ کو متعدد وجوہ کی بنا پر کافر قرار دیا ہے۔ یہ فتویٰ بہت طویل ہے۔ (دیکھیں: العقود الدرية، ص: ٩٢) اسی طرح مولف نے مفسرِ قرآن ابو مسعود کا قول بھی ذکر کیا ہے اور رافضہ کی تکفیر پر اپنے علما کا اجماع نقل کیا ہے۔ (المصدر السابق)
فتاویٰ بزازیہ لابن البزاز المتوفی ٨٢٧ھ میں ہے: ''کیسانیہ کی نظریہ بدا کی وجہ سے تکفیر ضروری ہے اور رافضہ کی تکفیر عقیدۂ رجعت کی وجہ سے لازمی ہے۔ (الفتاوىٰ البزازية المطبوعة على هامش الفتاوىٰ الهندية: ٦/ ٣١٨) امام ابن نجیم حنفی کہتے ہیں کہ شیخین کو گالی دینا اور ان پر لعنت کرنا کفر ہے۔ (الأشباه والنظائر، ص: ١٩٠) نیز دیکھیں: نواقض الروافض لمخدوم ←

چند ضروری امور:

یہاں چند امور ملحوظِ خاطر رہیں:

1. علمائے اسلام کا روافض پر یہ حکم اس وقت کا ہے، جب ان کی کتابوں اور ان کے عقائد کا علی الاعلان اظہار اور اشاعت اس وسیع پیمانے پر نہیں تھا، جس طرح آج ہے، اس لیے اس مقالے کے صفحات پر اثنا عشریہ کے ایسے عقائد بھی ذکر ہوئے ہیں، جنھیں علمائے اسلام باطنی فرقے قرامطہ کی طرف منسوب کرتے تھے، مثال کے طور پر قرآن کریم میں کمی اور تحریف کا نظریہ، جو ان کی کتابوں میں مشہور تھا۔ اسی طرح ان کے اکثر اعتقادی اور اصولِ دین کے مسائل بھی انھی کی طرف منسوب تھے، پھر ان کے کچھ ایسے بھی عقائد تھے، جو معروف نہیں تھے، جیسے شیعی خمیر اور خاک کا عقیدہ وغیرہ ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان علما کا آج رافضہ پر حکم اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔

2. متاخر اور معاصر رافضہ نے مذہب کا گھٹیا اور خطرناک ترین مواد اکٹھا کیا ہے۔ انھوں نے تقدیر کی نفی میں قدریہ کا نظریہ، صفات کی تردید میں جہمیہ کا نظریہ اور خلقِ قرآن کا عقیدہ، صوفیہ سے وحدۃ الوجود کی گمراہی، سبائیہ سے حضرت علی کو الوہی صفات کا حامل قرار دینے کا قول، خوارج اور وعیدیہ سے مسلمانوں کی تکفیر اور مرجیہ کے عقیدے کے مطابق حبِ علی کے ہوتے ہوئے کوئی برائی برائی نہیں رہتی، کا عقیدہ کشید کر کے شیعیت کو ان تمام گمراہیوں کا ملغوبہ بنا دیا ہے۔ بلکہ قبروں کی تعظیم، ان کا طواف، ان کی طرف منہ اور قبلے کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے، جیسے شرکیہ اعمال کے ذریعے سے وہ مشرکین کی راہ پر بھی چل نکلے ہیں جو عین مشرکوں کا مذہب ہے۔[1]

کیا اس کے بعد بھی اس میں کوئی شک باقی رہتا ہے کہ اس فرقے نے اپنے لیے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب پسند کیا ہوا ہے؟ یہ لوگ اگرچہ کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن انھوں نے بہت سارے کفریہ اعمال کے ذریعے سے اس کلمے کا کام تمام کر دیا ہوا ہے، لیکن پھر بھی کسی کو کافر کہنے کے بارے میں اہلِ سنت کے طریقے کار اور ان کے منہجِ تکفیر کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے:

’’یہ تمام اقوال اور نظریات جن کے وہ قائل ہیں اور ان کے متعلق معلوم ہے کہ یہ رسول ﷺ کی پیش

← الشیرازي. اس میں مولف نے مذاہب اربعہ کے علی کے تکفیرِ رافضہ کے متعلق اقوال نقل کیے ہیں۔ (الورقة: ۱۸۷أ وما بعدها) و تکفیر الشیعة، لمطهر بن عبد الرحمن بن إسماعیل (الورقة: ۵۱)

[1] اس کی تفصیل اور اثنا عشریہ کا اس عقیدے کو اپنانے کے ثبوت کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۱۱۰۲) دیکھیں۔

کردہ تعلیمات کے خلاف ہیں، یہ تمام اقوال کفریہ ہیں، اسی طرح ان کے وہ افعال جو کافروں کے افعال واعمال کی جنس سے ہیں اور کافر اس طرح کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں، یہ بھی کفر ہیں۔ لیکن اہلِ قبلہ میں سے کسی ایک مخصوص اور متعین شخص کو کافر قرار دینا اور اس پر دائمی جہنمی ہونے کا حکم لگانا شروطِ تکفیر کے ثبوت اور عدمِ مانع پر موقوف ہے۔ ہم وعد و وعید اور تکفیر و تفسیق کی نصوص و آیات کا مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور ان کے عام معنی میں کسی مخصوص شخص کو اس وقت تک داخل نہیں کر سکتے، جب تک اس میں تکفیر کا تقاضا کرنے والا کوئی عمل ثابت نہ ہو جائے، جس کا کوئی مخالف نہ ہو، اس لیے علمائے اسلام ایسے شخص کو کافر نہیں کہتے، جو نیا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے یا کسی دور دراز کے علاقے اور علمی طور پر پسماندہ بستی کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی حرام کام کو حلال کر لے۔ کفر کا حکم پیغامِ اسلام پہنچانے کے بعد ہوتا ہے، اس لیے ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے، جن کو وہ نصوص اور دلائل نہ ملے ہوں، جو ان کے موقف کے خلاف ہوں۔ ہوسکتا ہے، اس کو علم ہو نہ کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لیے مطلقاً کہا جائے گا کہ یہ قول کفر ہے اور اس کو کافر کہا جائے گا، جس پر وہ حجت قائم ہو جائے، جس کے تارک کو کافر کہا جا سکے، دوسرے کو نہیں۔‘‘[1]

---

[1] الفتاویٰ: ۲۸/ ۵۰۰۔ ۵۰۱) اسی مسئلے کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتاویٰ (۱۲/ ٤٦٦ وما بعدها، ۲۳/ ۳٤٥ وما بعدها)

خاتمہ

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على من ختم الله به النبوات وعلى آله وصحبه الذين كان ولاؤهم وتشيعهم لمحمد بن عبد اللهﷺ وللحق الذي جاء به، وكانوا بنعمة الله إخوانا في جميع الأوقات.

اس تحقیق کے مسائل پر غور وفکر کرتے ہوئے، شیعہ کے معتبر مصادر اور دیگر مآخذ سے اس کا علمی مواد اکٹھا کرتے ہوئے اور اس کی ترتیب، تصویب، تحقیق اور تنقید پر چار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔

یہ کتنا تکلیف دہ مرحلہ ہے کہ آپ ایک ایسے گروہ کے بارے میں پڑھیں اور سنیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بدبخت، گمراہ اور اندھا کر دیا ہے اور وہ ایک ایسے امام کے پیچھے چل رہے ہیں، جس کا وجود ہی نہیں۔ وہ ایک خیالی کتاب، مزعوم جفر اور دیگر خود ساختہ افسانوں کے سائے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی روایات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور محفوظ کتاب پر حرف گیری کرتی ہیں، جبکہ اس پر امت کا صدیوں سے اجماع چلا آ رہا ہے اور رسولِ کریم ﷺ کی سنت، جس کی جمع تدوین اور حفاظت کے لیے امت کے علما نے اپنی زندگیاں کھپا دیں، ان کی مرویات اس کو جرح وتنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ یہ لوگ اجماعِ امت کو پسِ پشت ڈال کر ایک مجہول گروہ کے قول کو اس گمان کے تحت قبول کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے، مہدی بھیس بدل کر اپنی کمین گاہ سے نکل آیا ہو اور ان کے ساتھ اس نے اپنی رائے دی ہو!

یہ لوگ بعض زندیقوں کی طرف سے آلِ بیت کی طرف منسوب جھوٹی روایات کو سچا مان کر، اصحابِ رسول ﷺ کو کافر کہتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور چہار دانگِ عالم میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو پھیلا دیا!

ان خرافات سے اللہ محفوظ رکھے اور عقل، ایمان اور یقین کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اس بحث کے اختتام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل نقاط کے تحت بعض نتائج اور اہم جوانب ذکر کیے جائیں:

1. تشیع کا لغوی معنی نصرت اور پیروی ہے۔ یہ معنی اور مفہوم آج تشیع کے دعوے داروں میں نہیں پایا جاتا۔ یہ رافضہ

ہیں، جس طرح ان کو سلف صالحین نے یہ نام دیا ہے، یا یہ لوگ تشیع کی طرف منسوب ہیں، حقیقی شیعہ نہیں۔

2 لفظِ تشیع قرآنِ کریم میں بالعموم مذموم معنی میں ذکر ہوا ہے۔ احادیث میں خصوصیت کے ساتھ اس فرقے کا ذکر نہیں ہوا، ما سوائے چند ضعیف روایات کے، ان میں بھی رافضہ کا ذکر بہ طورِ مذمت ہی ہوا ہے۔

3 شیعہ کے کئی ارتقائی مراحل، فرقے اور درجات ہیں، جن میں کچھ غلو میں مکمل طور پر ڈوبے ہوئے ہیں تو کچھ اس میں اعتدال پسند ہیں۔ اسی لیے تشیع میں پہلے لوگوں کے ہاں جو غلو کا مفہوم، بعد والے لوگوں میں رائج مفہوم سے مختلف ہے، بلکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ کے جملہ عقائد ان کے چوتھی صدی کے بزرگوں کے نزدیک شیعیت میں غلو خیال کیے جاتے تھے، تو پہلے شیعہ کے نزدیک وہ کیا ہوں گے؟

لہٰذا شیعہ کی تعریف ان کے آغاز کے مختلف ادوار و اطوار اور ان کے اعتقادی ارتقائی مراحل کے ساتھ منسلک ہے۔ ماضی میں جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتا تھا، وہ شیعہ کہلاتا تھا، لیکن جب شیعہ کے علما نے کلینی، قمی، مجلسی اور ان کی طرح کے لوگوں کی کتابوں کو اپنے معتبر مصادر و مراجع قرار دیا تو شیعیت میں غلو پھیل گیا اور اس کا سفینہ انتہا پسندی اور تفریط کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا، حتی کہ ہم نے دیکھا کہ عصرِ حاضر کا ان کا سب سے بڑا مرجعِ تقلید خوئی، ابراہیم قمی کی اپنی تفسیر میں ذکر کردہ روایات کو ثقہ قرار دیتا ہے، حالاں کہ وہ کفریات پر مشتمل ہیں۔

آج جو شخص شیعہ کے معاملے میں کسی شک اور تردد کا شکار ہے، اس کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ اس کتاب کو ملاحظہ کر لے، جو شیعہ کے نزدیک معتبر کتاب ہے، تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ نے اپنے لیے جو دین پسند کیا ہے، وہ اسلام نہیں، بلکہ کوئی دوسرا دین ہے!!

4 نام کے شیعہ علما نے ایرانیوں، رومیوں، یونانیوں، عیسائیوں، یہودیوں اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ادیان و مذاہب سے بہت سارے امور لیے اور ان کو تشیع کے رنگ میں رنگ دیا اور وہ رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مصداق ہو گئے کہ اس امت کے بعض لوگ سابقہ امتوں کی سنتوں اور طریقوں کی پیروی کریں گے۔

شیعہ کے بعض اصول اور نظریات کو اسلامی معاشروں میں پھیلانے کا آغاز ابن سبا اور اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں ہوا، لیکن کوفہ کے ایک چھوٹے سے گروہ کے سوا باقی کسی اسلامی علاقے میں ان کو پذیرائی نہ مل سکی، پھر حضرت علی اور حضرت حسین کی شہادت جیسے واقعات کی وجہ سے ان کے لیے تشیع کی آڑ عالمِ اسلام میں اپنا کام اور مذہب پھیلانا آسان ہو گیا۔

5 شیعہ بہت زیادہ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔ یہ آج

تین رجحانات میں منقسم ہیں: اسماعیلیہ، زیدیہ اور اثنا عشریہ۔ اثنا عشریہ سب سے بڑا فرقہ ہے اور ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔

میں نے ایک بات ملاحظہ کی، جو ایک مستقل بحث کے لائق ہے کہ تاریخ کے مختلف مراحل میں ظاہر ہونے والے کسی بھی شیعہ فرقے نے جو بھی رائے اور نظریہ قائم کیا، آپ کو آج اثنا عشریہ کے مآخذ میں غالباً اس کی دلیل اور شاہد مل جائے گا، حتی کہ ابن سبا، مختار بن عبید ثقفی، بیان بن سمعان اور مغیرہ بن سعید جیسے غالیوں کے پنڈتوں کی آرا بھی آپ کو ان کے مصادر میں مل جائیں گی۔

6. اثنا عشریہ، رافضہ، جعفریہ اور امامیہ کے القاب سے پکارے جاتے ہیں، ان کو قطعیہ اور موسویہ بھی کہا جاتا تھا۔ ایک جماعت کا یہ موقف ہے کہ آج جب شیعہ کی اصطلاح مطلقاً بولی جائے تو اس سے یہی مراد ہوتے ہیں۔

پھر اثنا عشریہ کی کوکھ سے کئی فرقوں نے جنم لیا، جیسے: شیخیہ، کشفیہ اور بابیہ وغیرہ ہیں۔

7. شیعہ اپنے شذوذ اور انحراف پر استدلال کرنے کے لیے ہر رجحان اور جہت پر چل نکلتے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ان کے مذہب پر دلالت کرنے والی قرآنی آیات کو صحابہ کرام نے حذف کر دیا تھا، تو کسی وقت یہ باطنی تاویلات کا سہارا لیتے ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مذہب پر دلالت کرنے کے لیے ان کے ائمہ پر الٰہی کتابیں نازل ہوتی ہیں۔

کسی موقع پر اہلِ سنت کی اسناد سے مروی روایات کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں، جو یا جھوٹی ہوتی ہیں یا ان کے مزعوم دعوے پر دلالت ہی نہیں کرتیں۔ یہاں ان کے پاس اتنے مکارانہ حیلے ہیں کہ یہودی بھی جن کا عشر عشیر نہیں جانتے۔ یہ تمام مکاریاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ فرقہ اپنے مذہب کو شرعی اصول کے دلائل کے ساتھ ثابت کرنے سے عاجز ہے۔

8. شیعہ ۲۶۰ھ سے لے کر ایک معدوم کی پیروی کر رہے ہیں، جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ لوگ اپنے علما کے شیعہ اور پیروکار ہیں، اہلِ بیت کے شیعہ نہیں، بلکہ یہ شیطانوں کی پیروی کرتے ہیں، جو ان کے سامنے امام غائب کی صورت میں حاضر ہوتے ہیں، جس طرح ان کی روایات مشہور ہیں، جو اس معدوم کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرتی ہیں۔

اس معدوم کے قول اور نظریے نے شیعہ فرقوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہوا ہے، کیوں کہ یہ ان کو آلِ بیت سے آزادی دلواتا ہے، جن میں نیک، متقی لوگ اور علما تھے، انھوں نے ان مفت کے مال خور طفیلیوں کا پردہ چاک کیا، جو آلِ بیت کے نام پر لوگوں کے باطل طریقے سے مال کھاتے ہیں اور اللہ کے دین میں بلا دلیل

بدعتیں نکال کر انھیں آلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس معدوم کی اتباع کی وجہ سے مال، عزت، دولت اور ریاست شیعہ علما کو ملی ہے، آلِ بیت کو نہیں۔

9 شیعہ کہتے ہیں: ''قرآن قیم (نگران) کے بغیر حجت نہیں اور یہ قیم بارہ اماموں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔'' انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ امام قرآن ناطق (بولتا قرآن) ہے اور کتاب اللہ قرآن صامت (خاموش) قرآن ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کا سارا علم اس قیم کے پاس ہے، جس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، وہ اس کی تفسیر ہے، بلکہ وہی قرآن ہے۔ اس لیے اس کو قرآن کے عموم کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کی تفصیل اور جو چاہے اس کو منسوخ کرنے کا حق رکھتا ہے، بلکہ دین کا سارا معاملہ امام ہی کے سپرد ہے۔

شیعہ کا خیال ہے کہ ہر آیت کا ایک باطنی معنی ہوتا ہے، پھر کہتے ہیں کہ ہر آیت کے سات باطنی معانی ہیں، پھر ان کے پیمانے اور اندازے مزید بھر گئے، تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہر آیت کے ۷۰ باطن ہیں۔

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کو اس نے امت کی ہدایت کے لیے نازل کیا، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے کامل دستورِ حیات ہے، وہ صرف بارہ اماموں کے بارے میں اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوئی اور ان کے دشمن کون ہیں؟ ان کے بقول وہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں!!

اس لیے یہ لوگ توحید، اسلام، ارکانِ ایمان اور حلال وحرام کی آیات کی بارہ اماموں کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور شرک، کفر، بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی کے متعلق آیات کی تفسیر صحابہ اور ان کے پیروکار مومنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان تمام تاویلات کی اصل مغیرہ بن سعید اور جابر جعفی سے جا ملتی ہے، پھر ان کے بعد غالی رافضہ ان کے نقشِ قدم پر چل نکلے تو انھوں نے ان میں اتنا مبالغہ اور اضافہ کیا، جو سابقہ لوگوں کے گمان میں بھی نہیں گزرا ہوگا۔ عصرِ حاضر کے علما اس جھاگ سے بھری ہوئی ان مدونات اور مجلدات کو اپنا سب سے ثقہ اور معتبر مصادر قرار دیتے ہیں!!

10 ''تحریفِ قرآن کی کذب بیانی'' روافض نے دوسری صدی میں یہ قول پیش کیا اور یہ ہشام بن حکم اور شیطان الطاق کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس اپنے پیروکاروں کو اپنے دعوے کے متعلق مطمئن کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، کیوں کہ کتاب اللہ میں شیعہ کے ائمہ اور ان کے عقائد کے متعلق کوئی نص اور آیت موجود نہیں تھی تو انھوں نے قرآنِ کریم میں تحریف کا جھوٹ گھڑ لیا۔

لیکن جونہی چوتھی صدی آئی، پوری امت نے بیک آواز ان کو اس شرم ناک کھائی میں گرنے کی وجہ سے کافر قرار دیا تو ان کے بڑے (ابن بابویہ) نے شیعہ کی اس عقیدے سے لاتعلقی کا اعلان کیا اور کہا کہ جس نے یہ عقیدہ شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ ابن مرتضیٰ طوسی اور طبرسی نے بھی اس کے موقف کو اختیار کیا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم اس عقیدے کو باطنیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالاں کہ باطنیہ اس نظریے کے متعلق بحث نہیں کرتے، اس سلسلے میں سب سے بڑے سرغنے اثنا عشری ہیں اور انھوں نے اس کے متعلق بہ کثرت روایات وضع کیں۔

یہ نظریہ شیعہ کی سب سے پہلے ظاہر ہونے والی کتاب سلیم بن قیس میں لکھا گیا، جس کو یہ شیعہ کی ابجد بھی کہتے ہیں، ان کے بعض علما نے اس کے متعلق انکشاف کیا کہ یہ کتاب جھوٹی ہے اور اس کا مولف کوئی مجهول اور گمنام آدمی ہے۔

﴿11﴾ سنت مطہرہ کے متعلق بھی ان کے ناقابلِ تسلیم اصول ہیں، جیسے ان کا یہ کہنا کہ امام پر وحی نازل ہوتی ہے، بلکہ اس کے پاس جبرائیل سے بھی بڑی کوئی مخلوق وحی لے کر آتی ہے!!

وہ کہتے ہیں کہ جس نے کسی امام سے کوئی حدیث سنی، اس کو یہ کہنا چاہیے: ''قال اللہ'' (اللہ نے کہا) کیوں کہ ان کا قول اللہ کے قول کی طرح ہے اور ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح ہے۔

نیز ان میں روح القدس بھی ہے، جس کے ذریعے ''وہ عرش کے نیچے سے لے کر زمین کے نیچے'' تک ہر چیز کو جانتے ہیں، اس کے ذریعے سے وہ سب دیکھتے ہیں، جو ان سے زمین کے اطراف اور آسمان کے کناروں میں اوجھل ہے، وہ ہر جمعہ کے روز رحمٰن کے عرش پر حاضری دیتے ہیں، تاکہ وہاں سے جو علم لینا چاہیں لے لیں۔

وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ حضرت علی اور ائمہ سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ سب ان کے نزدیک ''علمِ حادث'' کے نام سے معروف ہے اور جو علم کتابوں کی شکل میں ہے اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملا ہے، وہ بہت زیادہ خیالی کتابیں ہیں، جیسے جامعہ، جفر، کتابِ علی، عبیطہ اور دیوان الشیعۃ وغیرہ۔

وہ کہتے ہیں: تمام صحابہ کے سوا صرف حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی ان علوم، اَسرار اور کتب کی تحصیل جاری رکھی، سنتِ رسول معلوم کرنے کا وہ اکیلا دروازہ ہے، جس نے بھی دوسروں سے سننے کا دعویٰ کیا، اس نے شرک کیا۔

ان کے نزدیک ائمہ کے ذریعے ۲۶۰ھ وحی الٰہی تک جاری رہی، اس کے بعد مہدی کے نائبین کے ذریعے سے تقریباً ۷۴ سال تک مزید جاری رہی، اس کے بعد شیعہ علما کے ذریعے سے جاری رہی، جن کا ان کے مہدی کے

ساتھ خفیہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علما نئی نئی بدعات اختراع کرتے رہتے ہیں، حتی کہ سلطنتِ صفویہ کے سرکاری عالم علی کرکی نے مخلوق کے لیے سجدے کا جواز اور نظریہ وضع کر لیا اور خاک پر سجدہ کرنے کی بدعت بھی گھڑ لی۔ ان کے امام خمینی نے مہدی کے تمام منصبی امور عملی طور پر اپنی اور اپنی سلطنت کی طرف منتقل کر لیے۔

شیعہ کی الگ سے حدیث کی کتابیں ہیں، جن میں انھوں نے رطب و یابس کو جمع کیا۔ ان کی یہ کتابیں مسلمانوں سے علاحدہ اور مستقل کتابیں ہیں۔ یہ چار مصادر ہیں: ① الکافی، ② التہذیب، ③ الاستبصار، ④ من لا یحضرہ الفقیہ۔ متاخرین نے ان کے ساتھ مزید یہ چار کتابیں ملا دیں: ① الوافی، ② البحار، ③ الوسائل، ④ مستدرک الوسائل۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے علما کی متعدد کتابوں کا اضافہ کر لیا اور ان کو بھی ان چار مصادر جیسی اہمیت دی۔

یہ اپنی کتابوں میں مذکور ہر روایت کو قبول کرتے تھے، حتی جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دور آیا اور انھوں نے ابن مطہر حلی کی تردید میں ''منهاج السنة'' لکھی تو انھوں نے شیعہ کو یہ طعنہ دیا کہ وہ علمِ روایت سے ناواقف ہیں، تب ابن مطہر نے اپنی احادیث کو صحیح، حسن، موثق اور ضعیف میں تقسیم کا طریقہ کار وضع کیا۔ اس کا سبب عامہ (اہلِ سنت) کی لعن طعن سے بچنا تھا، جو شیعہ کے اس مسئلے میں اختلاف کی صورت میں سامنے آیا، جس کی وجہ سے یہ اخباری اور اصولی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہ اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ ہے۔

شیعہ کے ایک عالم نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اگر وہ اہلِ سنت کی طرح علمِ جرح و تعدیل کو عمل میں لائیں تو ان کے پاس کوئی حدیث نہیں بچے گی اور ان کو کوئی دوسرا مذہب تلاش کرنا پڑے گا۔ شیعہ کے رجالِ حدیث محض نام کی حد تک ہیں، جن کا کوئی وجود نہیں، ان میں سے اکثر خود اثنا عشریہ کی نگاہ میں فاسد مذاہب کی طرف منسوب ہیں اور وہ کافروں کی فہرست میں ہیں، لیکن وہ پھر بھی ان کی روایات قبول کرتے ہیں، کیوں کہ وہ شیعہ ہیں۔ اہلِ سنت، زیدیہ اور اہلِ بیت میں سے بارہ کے علاوہ وہ کسی کی روایت قبول نہیں کرتے، حتی کہ انھوں نے زید بن علی کی روایات بھی قبول نہیں کیں، لیکن وہ امامی جو ان کے مذہب پر قائم ہو، وہ جس طرح کا بھی ہو، اس کی بات قبول کی جاتی ہے!!

حتی کہ شیعہ کے ایک عالم نے کہا ہے:

''آدمی کے دین میں جرح اس کی حدیث کے صحیح ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔''

رافضہ اپنے تمام عقائد اور نظریات کی بنیاد ان روایات پر رکھتے ہیں، جن کو ان جھوٹے الزام تراشوں نے وضع کر کے ائمہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ائمہ ان سے بَری ہیں، کیوں کہ ان ائمہ یں خلیفہ راشد حضرت

علی بھی داخل ہیں، جن کی اطاعت اپنے سے پہلے خلفا کی طرح واجب ہے اور ان ائمہ میں دین اور علم کے امام بھی شامل ہیں، جس طرح علی بن حسین، ابوجعفر باقر اور جعفر صادق ہیں، جو ان جیسے دیگر ائمہ دین اور علم کے لیے واجب ہے، وہی ان کے لیے بھی واجب ہے، کچھ ائمہ ان سے کم درجے کے تھے، کچھ ایسے بھی تھے جس کو بعض اہلِ علم نے ضعیف قرار دیا ہے، جس طرح حسن عسکری تھے، پھر ان ائمہ میں ایک معدوم بھی شامل ہے، جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ جس غلو کی نسبت وہ ان ائمہ کی طرف کرتے ہیں، وہ عہدِ رفتہ کے زنادقہ کی دماغی اختراع ہے۔

⑫ شیعہ کے نزدیک اجماع حجت نہیں، لیکن اگر کسی باب (دربان) کے ذریعے سے ان کے معدوم امام کی طرف کوئی قول منسوب کیا جائے اور ساری امت اس کے خلاف ہو تو حجت معدوم کا قول ہوگا، امت کا قول نہیں، بلکہ امت کی مخالفت ان کے مذہب کا ایک مقرر قاعدہ ہے، یہ یہاں تک کہتے ہیں: جو امت کے خلاف ہو، اس میں ہدایت ہے، بلکہ اگر شیعہ بھی ایک قول پر اتفاق کر لیں اور شیعیت کی طرف منسوب ایک مجہول گروہ ان کی مخالفت کرے تو اس مجہول گروہ کا قول حجت ہوگا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہی مہدی منتظر ہو، جو بھیس بدل کر آیا ہو اور اس گروہ کی رائے میں شریک ہوگیا ہو۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان کا مذہب قیامت تک پھیلتا رہے گا، کیوں کہ جب اس فرقے نے یہ نظریہ بنا لیا تو یہ جن و انسان کے شیاطین جو چاہیں، اس میں بنا کر داخل کر دیں۔

⑬ اصولِ دین اور توحید کے عقائد کے باب میں یہ لوگ نفیِ صفات کی وجہ سے جہمیہ، تقدیر کی نفی کر کے قدریہ اور یہ کہہ کر کہ ایمان امام کی معرفت اور محبت کا نام ہے، مرجیہ ہیں اور دوسروں کے لیے وعید یہ ہیں، کیونکہ یہ اپنے فرقے کے علاوہ تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔

یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں بھی شرک کرتے ہیں۔ کتابوں اور رسولوں کے متعلق ان کے عقائد ہیں کہ ائمہ پر آسمانی کتابیں نازل ہوتی ہیں، ان کے پاس انبیا کی کتابیں ہیں، جن کو یہ پڑھتے ہیں اور ان کی روشنی میں فیصلے بھی کرتے ہیں۔ نیز ائمہ کے انبیا کی طرح کے معجزات ہیں، بلکہ وہ رسولوں سے افضل ہیں، ان کے ساتھ ہی بندوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔

آخرت پر ایمان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ہے کہ آخرت امام کی ہے، جنت حضرت فاطمہ کا مہر ہے، ائمہ دنیا ہی میں جنت کے کھانے کھاتے ہیں اور قیامت کے دن مخلوق کا حساب ائمہ کے سپرد ہوگا۔ اس جنت اور جہنم کے علاوہ جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں، ایک اور جنت اور دوزخ بھی ہے، جن میں مردوں کو دفنایا جاتا ہے۔ قم میں

ایک دروازہ ہے، جو جنت میں کھلتا ہے اور اہلِ قم قیامت کے دن تمام لوگوں کی طرح اکٹھے نہیں کیے جائیں گے۔

14 ان کے امت سے علاحدہ کچھ دوسرے عقائد بھی ہیں، جیسے بارہ اماموں کی امامت، ان کی عصمت، تقیہ، مہدیت، غیوبت، رجعت، ظہور، طینہ اور بدا۔

ان کے نزدیک مسلمانوں کی امامت اور سربراہی بارہ اماموں کا حق ہے، ان کے علاوہ جو بھی مسلمانوں کا سربراہ بنتا ہے، وہ طاغوت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی طرف دیکھے گا نہ اس کے ساتھ کلام ہی کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اسی طرح جس نے ایسے شخص کی بیعت کی یا اس کی بیعت پر رضا مندی کا اظہار کیا، اس کا بھی یہی انجام ہوگا۔

ان بارہ اماموں کو سہو ہوتا ہے نہ نسیان اور یہ اپنی ولادت سے لے کر تمام عمر تک غلطی نہیں کرتے۔

جب ائمہ کے اقوال اور افعال ان کے نظریہ عصمت کی مخالفت کرتے تو انھوں نے اپنے مزاعم اور خیالات پر پردہ ڈالنے کے لیے بدا اور تقیے کے عقیدے گھڑ لیے، چنانچہ ائمہ کے ان افعال کو، جو مسلمانوں کے مطابق ہیں، وہ تقیے پر محمول کرتے ہیں اور ان روایات کو جو حقیقت اور حالات پر پوری نہیں اترتیں، وہ بدا پر محمول کرتے ہیں۔ جب شیعہ نے ائمہ کی متعین اشخاص کے ساتھ تحدید کی تو حسن عسکری کے لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے ائمہ کا سلسلہ منقطع ہوگیا، جس سے ان کو بہت زیادہ صدمہ ہوا، اس لیے انھوں نے بہت زیادہ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد یہ بات نکالی کہ ان کا ایک بیٹا ہے، جو ابھی بچہ ہے اور وہ چھپ گیا ہے، اس لیے اب وہی مسلمانوں کا امام ہے اور وہ ان کے سامنے ظاہر ہوجائے گا۔

اس کے بعد شیعہ کے علما نے نائبین اور سفرا کے ذریعے سے اس کے اختیارات پر قبضہ جما لیا اور اس کو تدریج کے ساتھ اپنے علما کے درمیان پھیلا دیا چنانچہ وہی حاکم بن گئے، جو شیعہ عوام پر اپنا حکم چلاتے اور ان کو فریب سے یہ باور کرا رکھا ہے کہ وہ اہلِ بیت کے پیروکار ہیں، جبکہ وہ حقیقت میں معدوم کے پیروکار ہیں یا شیطان کے تابع ہیں!!

عقیدہ رجعت میں وہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنے کا خواب دیکھتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے، جو صحابہ و تابعین اور اہلِ سنت ہیں، انتقام لیں گے۔

عقیدۂ ظہور کے مطابق، رجعت مزعومہ کے علاوہ، ائمہ قیامت سے پہلے بعض لوگوں کے سامنے اپنی قبروں سے نکلتے ہیں، یہ ایک نیا عقیدہ ہے، جس کو مجلسی نے اپنی کتاب ”بحار الأنوار“ کے ایک مستقل باب میں لکھا ہے۔

عقیدہ طینہ، یہ ان کا خفیہ عقیدہ ہے، جس کے مطابق اہلِ سنت کی نیکیاں شیعہ کے لیے ہیں اور شیعہ کے کبیرہ گناہ اہلِ سنت کے سر ڈال دیے جائیں گے۔ ان کے معاشرے میں زمانہ قدیم ہی سے جو ظلم، گناہ اور بدکاریاں ہو رہی ہیں، ان تمام کی وہ اسی عقیدے کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں۔

15 معاصر شیعہ مصادر حصولِ معرفت اور مراجع میں ماضی کے شیعہ کے ساتھ جا ملتے ہیں، بلکہ یہ سلطنت صفویہ کے کفر اور الحاد سے بھری ہوئی کتابوں اور افتراءات کو بھی من و عن قبول کرتے ہیں۔ چھاپہ خانوں نے ان کتابوں کو چھاپ کر ان کے معاشرے میں اندھیرا پھیلانے کے کام میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے اور یہ غلو کے اس پہاڑ پر چڑھ چکے ہیں، جس سے اترنا بہت مشکل ہے۔

لیکن یہ لوگ اہلِ سنت کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ صحابہ کے خلاف زبان درازی نہیں کرتے اور رجعت کے قائل نہیں، اس مقالے کے صفحات نے ان دعوؤں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیے پر عمل ختم ہو چکا ہے، حالانکہ ان کی روایت ان کو اس وقت تک اس پر عمل کرنے کا حکم دیتی ہیں، جب تک ان کے مہدی کا خروج نہ ہو جائے، ان کے اقوال اور افعال بیان کرتے ہیں کہ اس پر آج بھی عمل جاری ہے اور ان کا یہ قول تقیہ در تقیہ ہے۔ شاید روئے زمین پر کوئی بھی ایسا فرقہ نہ ہو، جو جھوٹ کو دین قرار دیتا ہو، بلکہ وہ اس فرقے کی طرح دین کا نوے فیصد حصہ جھوٹ کو قرار دیتا ہو!

۱۶۔ عالمِ اسلام پر ان کے اثرات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے منفی اثرات امتِ محمدیہ میں شرک کو پیدا کرنے، اللہ کے دین سے روکنے، الحاد اور زندیقیت کے فرقوں کے ظہور، مسلمانوں کو سنتِ نبویہ سے گمراہ کرنے کی کوششوں، ادب اور تاریخ پر منفی اثرات اور بعض نام کے مسلم مفکرین کی سوچ تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کے ظاہر اور خفیہ بہت سارے وسائل ہیں۔

ان کے معاشرتی میدان میں اثراتِ بد، مسلمانوں کے درمیان داخلی فتنوں کو بھڑکانے، مسلمانوں پر بالعموم اور اسلامی قیادتوں کو بالخصوص ظلم، زیادتی اور اگر موقع ملے تو قتل کا نشانہ بنانے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ باری کے متعے کے ذریعے اور دیگر وسائل کے ساتھ مسلمانوں میں بے راہ روی، اباحیت اور فحاشی پھیلانے کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔

معاشی میدان میں بھی ان کا اثر و نفوذ بالکل واضح ہے۔ یہ قوت اور دھوکے کے بل بوتے پر مسلمانوں کا مال ہتھیاتے ہیں اور امت کی معیشت برباد کرنے کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ آلِ بیت کے نام پر

جو مال اکٹھا کرتے تھے، وہ شیعہ علما کا امت کے ساتھ اختلاف برقرار رکھنے اور اپنے انحراف کو باقی رکھنے کی رغبت کا سب سے بڑا سبب تھا۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ کافر ہیں، ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے، صحابہ کو کافر قرار دینے، کتاب اللہ میں کیڑے نکالنے اور دیگر کفریہ عقائد کی وجہ سے اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عجیب وغریب بات ہوگی کہ لاکھوں افراد پر مشتمل یہ فرقہ ان خرافات کا اسیر بنا ہوا ہے، اس کی یہی توجیہ پیش کی جا سکتی ہے کہ شیعہ علما بہت سارے پرفریب ذرائع استعمال کر کے اپنے پیروکاروں کی نگاہ سے حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ شاید ان میں نمایاں ترین دعویٰ یہ ہے کہ ان کے نظریات کی اہلِ سنت کی اسانید سے مروی روایات کے ذریعے سے بھی تائید ہوتی ہے اور ان کا دین آلِ بیت اور ان کے اَتباع کی محبت پر قائم ہے۔

اس دعوے کے سائے میں وہ آلِ بیت پر ہونے والی زیادتیوں کی تصویر کشی کر کے عام لوگوں کے جذبات اور احساسات کو بھڑکاتے ہیں اور اپنے بچوں کی بچپن ہی سے یہ تربیت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے ۔نعوذ باللہ۔ آلِ بیت کا حق چھین کر ان پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

پھر وہ شبیہ ذوالجناح کے نام پر سانحہ کربلا کی تمثیل پیش کرتے ہیں، تعزیے نکالتے ہیں اور مجالسِ عزا قائم کرتے ہیں، جن میں ذاکر غم واندوہ اور گریہ زاری کے ایسے مناظر پیش کرتے ہیں، جو دل کو ہلا دیتے ہیں، پھر ان جلوسوں میں ڈھول دھمال اور اتنا شور وغوغا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ، اس مزعوم ظلم کی کہانیاں بیان کرنے میں میڈیا بھی آگے آگے ہوتا ہے اور لالچی واعظ بھی۔

اس کے سبب عوام اور دین سے بے بہرہ لوگوں کی عقل شل ہو جاتی ہے اور دماغ ماؤف اور وہ اندھا دھند اس مذہب کو قبول کر لیتے ہیں۔

شیعیت کی اس حالت کا مقابلہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ہر جگہ مختلف وسائل کے ذریعے سے مسلمانوں کے سامنے سنت اور اہلِ سنت کا مذہب بیان کیا جائے اور اعتدال کے اندر رہتے ہوئے شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس کا اسلام کے اصول کے خلاف ہونا بیان کیا جائے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمدﷺ وآله وصحبه أجمعين. والحمد لله رب العالمين.